اِنَّ مِنَ الشِّعرِ لَحِکمَۃً وَّاِنَّ مِنَ البَیَانِ لَسِحرًا

الحمد للہ والمنۃ کہ دیوان معجز بیان فصاحت عنوان المسمّٰی بہ اسم تاریخی

گفتار بیخود

۱۳ ف ۲۳

یعنی وحید العصر فرید الدہر امتیاز الشعراء افتخار الملک حضرت حاجی سید وحید الدین احمد صاحب
بیخود جانشین حضرت داغ دہلوی کا پُر لطف و دلچسپ، معانی خیز و ولولہ انگیز
کلام، دہلی کی مُستند اور ٹکسالی زبان کا مخزن، فصاحت و بلاغت، محاورات
و تشبیہات کا گنجینہ جس کے ہر ایک لفظ سے سخن کی خوبی بندش کی خوش اسلوبی ظاہر ہے
حسبِ فرمائش جناب لالہ مُرلی دھر صاحب بنکرز اینڈ لینڈ لارڈز مالک دہلی کلاتھ ملز دہلی

بماہ جنوری ۱۹۳۸ء باہتمام ضیاء الرحمٰن صاحب مالک

علی گڑھ برقی پریس دہلی میں چھپا

تعداد طبع دو ہزار   بار دوم

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

نیا کلام

ہے یہ نشانِ راہ رسالت مآب کا
ہر ذرّہ کام دے گا وہاں آفتاب کا

مشہور ہے حجاب رسالت مآب کا
نیچی نظر سے کام لیا ہے نقاب کا

گیسو و رُخ جناب رسالت مآب کا
ہے رات ماہتاب کی، دن آفتاب کا

دیکھا نہ اُس نے مجھ کو زیارت ہوئی نصیب
میرا سا تو نصیب نہ تھا آفتاب کا

میری نظر میں حور کی صورت جچے گی کیا
نظارہ میں نے دیکھا ہے حُسنِ شباب کا

روضے کو دیکھتے ہی سراپا سکون تھا میں
پہلو نصیب ہی نہوا اضطراب کا

عشقِ نبی میں کہنی ہے اک واردات قلب
یارب ابھی تو ختم نہ ہو دن حساب کا

منصور و جامِ بادۂ توحید خیر ہے
لایا یہ رنگ یک ہی قطرہ شراب کا

روضہ پہ تھک کے میری نگاہیں تھیں کامیاب
ذرّوں میں جلوہ دیکھ لیا آفتاب کا

خلوت میں جالیوں کے قریں رات بھر رہا
کیا شکر ہو ادا کرمِ بے حساب کا

کیا آفتاب حشر ملائے گا مجھ سے آنکھ
ذرّہ ہوں آستانِ رسالت مآب کا

حضرت سے دور رہ کے بھی غفلت ہوئی نہ دور
میرے تو جاگنے میں بھی عالم ہے خواب کا

میزانِ عدل و سایۂ دامانِ مصطفیٰ
رکھ چھوڑیں کاتبین یہ دفتر حساب کا

اللہ رے شانِ حسنِ کرم کی دمِ سوال
وہ مجھ کو منتظر نہیں رکھتے جواب کا

میں وہ سیاہ بخت ہوں جاؤں گا حشر میں
سایہ بنا ہوا کسی عالی جناب کا

عشقِ رسولِ پاک کا یہ بھی ہے معجزہ
پیری میں اضطراب ملا ہے شباب کا

کیوں اپنی خاکساری پہ مجھ کو نہ فخر ہو
بیخود غلام خاص ہوں میں بوتراب کا

سب کا معشوق ہے ہر عاشقِ شیدا اُن کا
دل میں چھپتا ہی نہیں جلوۂ زیبا اُن کا

شاد ہوں جنسِ گرانمایہ ہے سودا اُن کا
حشر میں چاہیے کیا داغِ تمنا اُن کا

آج تک یاد ہے وہ خواب کا نقشا اُن کا
وہ تبسم کی ادا وہ رُخِ زیبا اُن کا

ہر بُنِ مُو سے صدا کلمۂ توحید کی ہے
نام لیتے ہیں تو یوں اہلِ تمنا اُن کا

وہ بھی دن آئیگا وہ وقت بھی آجائیگا
کلمہ پڑھتے ہوئے آئیں گے مسیحا اُن کا

دل سے، زاہد ترے جنت کی تمنا مٹ جائے
میری آنکھوں سے جو تو دیکھ لے روضہ اُن کا

رہنمائی کو ہے توفیقِ الٰہی درکار
خضر سے بچ کے نکل جاتا ہے جویا اُن کا

گفتگو رہتی ہے باہم مرے ارمانوں میں
دل کے پردے میں سُنا کرتا ہوں چرچا اُن کا

فتح کے بعد جو قیدی تھے وہ آزاد ہوئے
اس شجاعت پہ یہ اخلاق بھی دیکھا اُن کا

مچ گئی دھوم، شفاعت جو ہوئی ہے مقبول
خلد میں دیکھئے ہر لب پہ ہے چرچا اُن کا

خواب میں اُن کی زیارت سے مشرف جو ہوا
میں سمجھتا ہوں کہ پوشیدہ کرم تھا اُن کا

جالیاں سامنے روضے کی ہوں جب آنکھ ہو بند
موت اُن کی ہے، اجل اُن کی ہے، مرنا اُن کا

بیخودِ زار پہ حضرت کی عنایت نہ ہو کیوں
جانتے بھی ہو یہ مدّاح ہے کن کا، اُن کا

جو تماشا نظر آیا اُسے دیکھا سمجھا
جب سمجھ آ گئی دنیا کو تماشا سمجھا

شوقِ دیدار کو جنت کا تقاضا سمجھا
آپ کی یاد کو میں حاصلِ دنیا سمجھا

ترا بیمار ترے ہجر کا ایسا سمجھا
ملک الموت کو دیکھا تو مسیحا سمجھا

کیا نظر باز تھا قاتل کو مسیحا سمجھا
اس کے ہر ناز کو میں جان کا بدلا سمجھا

جس کو دیکھا اُسے دیوانہ لیلیٰ سمجھا
نا سمجھ بن کے ترے حُسن کا دعویٰ سمجھا

میں وہ ہوں حور کو جینے کا کھلونا سمجھا
باغِ جنت کو تری راہ میں کانٹا سمجھا

رازِ وحدت ہے زباں کام نہ دیگی اصلا
میں بتا ہی نہیں سکتا کہ اسے کیا سمجھا

ہم سے پوچھو تو ابھی رازِ نہفتہ کہدیں
غیر سے کیوں ہے تفتیش بتا کیا سمجھا

سنگِ در پر ترے سجدے کا شرف حاصل تھا
جس نے دیکھا مجھے وہ آئینہ سیما سمجھا

اس کی اعجاز نمائی کا تماشائی ہوں
کہیں جگنو بھی جو چمکا یدِ بیضا سمجھا

میں گنہگار سہی، رنج تو اس بات کا ہے
تو نے زاہد مجھے بندہ نہ خدا کا سمجھا

میں تو اے شیخ زماں خوب سمجھتا ہوں تجھے
تو مرے حسنِ ارادت کو بتا کیا سمجھا

بزمِ دشمن میں بتلاتے ہوئے جی ڈرتا ہے
حشر میں پوچھنا تو نے ہمیں کیسا سمجھا

بس یہ سمجھا ہوں کہ سمجھے نہ مری بات کو آپ
سر ہلا کر جو کہا آپ نے [illegible]

محوِ دیدار تھا میں، ہوش کہاں تھا مجھ کو
کوہ پر جو نظر آیا اُسے موسیٰ سمجھا

عشق کی شرح میں داخل ہے غلامی کا بیاں
اُن کے ہر حکم کو میں اپنی تمنا سمجھا

اثرِ حسن کہوں یا کششِ عشق اسے
میں تماشائی تھا، وہ مجھ کو تماشا سمجھا

دل میں کیا چیز وہ ایسی ہے کہ دل مضطر ہے
کوئی اس رازِ حقیقت کو نہ اصلا سمجھا

غیریت تک تھا پریشانی و فرقت کا گلہ
کچھ شکایت ہی نہ تھی جب اسے اپنا سمجھا

کیا ہوں میرے سمجھنے کو سمجھ ہے درکار	خاک سمجھا جو مجھے خاک کا پتلا سمجھا
ایک وہ ہیں جنہیں دنیا کی بہاریں ہیں نصیب	ایک میں ہوں قفس تنگ کو دنیا سمجھا

میرا ہر شعر ہے اک رازِ حقیقت بیخود
میں ہوں اُردو کا نظیری مجھے تو کیا سمجھا

مٹا کے مجھ کو مرا عشق کامیاب ہوا	مری لحد پہ وہ آیا تو بے نقاب ہوا
یہ دل کبھی نہ محبت میں کامیاب ہوا	مجھے خراب کیا آپ بھی خراب ہوا
مجھے تو لطف سے بڑھ کر ترا عتاب ہوا	خدا کا شکر ہے میں قابل خطاب ہوا
ازل میں، زیست میں، تربت میں، حشر میں ظالم	ترے ستم کے لئے میں ہی انتخاب ہوا
نگاہِ مست کو ساقی کی کون دے الزام	مرا نصیب کہ رسوا مرا شباب ہوا
یہ کس کے بس کے ہیں، اصلاح انکی ناممکن	مرا نصیب ہوا آپ کا عتاب ہوا
ہمارے عشق کی وس بس نے بھی داد نہ دی	کسی کا حسن زمانے میں انتخاب ہوا
شبِ وصال ہیں بوسے تو گن کے ملتے ہیں	ستم ہوئے تو ستم کا نہ کچھ حساب ہوا
چلا وہ لیکے جب انگڑائی دل نے کروٹ لی	کسی کے ساتھ ہی رخصت مرا شباب ہوا
فنا کا دعویٰ ہزاروں کو تھا زمانے میں	حباب نے مجھے دیکھا تو آب آب ہوا

محال قبر سے اٹھنا تھا تیرے بیخود کا
طلب بہشت سے اک ساغر شراب ہوا

رسوائے عشق ہوں یہ مرا ارمان ہی رہا	بدنامیوں کی بوٹ گریبان ہی رہا
کیا ماتمی لباس میں انسان ہی رہا	ہر گل چمن میں چاک گریبان ہی رہا
اُن کی نظر میں میرا گریبان ہی رہا	دل بھی وہ دیکھ لیں مجھے ارمان ہی رہا

سودائے عشق کم نہ ہوا جلوہ دیکھ کر
ہیں خُلد میں بھی چاک گریباں ہی رہا

سینہ ہمارا، آپ کا زانو، گلے پہ تیغ
یہ دن کبھی نصیب ہو۔ ارمان ہی رہا

گو آستین بھی چاک تھی، دامن بھی چاک تھا
کچھ عاشقی کی شان گریبان ہی رہا

ہیں نامراد اور محبت کا امتحاں
ہے شکر کی جگہ کہ پریشان ہی رہا

یہ پاسِ وضع میرے جنوں کی تھی یادگار
سو بار چاک ہوکے گریبان ہی رہا

دامن بچا کے قدموں سے اُن کے لپٹ گیا
ہر ذرّہ میری خاک کا انسان ہی رہا

کِھلتی رہی بہار تو بڑھتا رہا ہی چاک
پھولوں کا جاں نثار گریبان ہی رہا

مجھ کو سُنا سُنا کے کہا اس نے غیر سے
تجھ پہ ستم کریں ہمیں ارمان ہی رہا

ظاہر پرستِ عشق تھا مجنوں کا ذکر کیا
دل کی عوض بھی چاک گریبان ہی رہا

اُس نے کیا تھا چاک، بلائیں لیا کیا
ہاتھوں میں ساری رات گریبان ہی رہا

بیخود کے لب بھی تر نہ ہوئے مے سے عمر بھر
آلودۂ شراب گریبان ہی رہا

عید کا چاند کہاں اے شبِ ہجراں نکلا
یہ تو کمبخت مرا چاکِ گریباں نکلا

آتشِ عشق کا مخزن دلِ ویراں نکلا
میرا ہر داغِ جگر مہرِ درخشاں نکلا

گھر سمجھتے تھے جسے ہم وہی زنداں نکلا
بیڑیاں پاؤں کی اپنا ہی گریباں نکلا

نجد سے قیس بہت بے سر و ساماں نکلا
یہ بھی اک ترکِ تعلق تھا کہ عریاں نکلا

اس نزاکت سے ترا خنجرِ براں نکلا
میرے پہلو سے تڑپتا ہوا ارماں نکلا

میری ہر آہ سے ہوتی ہیں شعاعیں پیدا
آج خورشید کہاں اے شبِ ہجراں نکلا

میں تری حسرتِ دیدار میں کردوں گا بسر
کنجِ تربت سے اگر ہو کے پریشاں نکلا

تو نے دیکھا تری رحمت نے لیا ہاتھوں ہاتھ
حشر میں بھی کوئی مجھ سا نہ پریشاں نکلا

کوئی سیارہ ہو اس میں کہ ستارہ کوئی
تیرے ماتھے کا ہر اک ذرّہ افشاں نکلا

قطرۂ دریا سے مشابہ نظر آیا ہم کو
غور سے ذرّہ کو دیکھا تو بیاباں نکلا

فکر عقبیٰ کیلئے عمر خضر ہے درکار
عیش دنیا تو بس اک رات کا مہماں نکلا

بے ستوں کاٹ کے فرہاد نے سر کاٹ لیا
کام جو عشق میں نکلا وہی آساں نکلا

یاد محبوب تو مرغوب غذا روح کی ہے
کام عاشق کا یہاں بے لب دنداں نکلا

ضبطِ گریہ پہ بھی آنسو نکل آئے دو چار
اور پوشیدہ ہر اک قطرہ میں طوفاں نکلا

جس کو چاہا تری رحمت نے نوازا اس کو
تیرے کوچہ کا ہر اک مورِ سلیماں نکلا

پڑ گئیں دل پہ جنوں سوز نگاہیں کس کی
خار دامن سے تو ہاتھوں سے گریباں نکلا

آج **بیخود** نے ترے جامِ اجل نوش کیا
سب فرشتہ جسے سمجھے تھے وہ انساں نکلا

لاکھ چاہیں اور پیدا آسماں ہوتا نہیں
بیکسوں کی آہ میں اتنا دھواں ہوتا نہیں

سحر سے خالی کبھی حسن بتاں ہوتا نہیں
ان فریبوں پہ بھی کوئی بدگماں ہوتا نہیں

وصل جب ہوتا ہے ان کا میں یہاں ہوتا نہیں
یہ زمیں ہوتی نہیں۔ یہ آسماں ہوتا نہیں

دل کے جلنے کا محبت میں گماں ہوتا نہیں
جب بھڑک اٹھتا ہے شعلہ پھر دھواں ہوتا نہیں

کیا وہاں ملتا نہیں وہ۔ کیا وہاں ہوتا نہیں
اس کے ملنے کا جہاں وہم و گماں ہوتا نہیں

تم کو نفرت ہم سے کیوں ہے ہم کو الفت تم سے کیوں
آج تک یہ رازِ سربستہ عیاں ہوتا نہیں

فصلِ گل میں تنکے چننے کا نہیں سودا مجھے
کیا گذارا باغ میں بے آشیاں ہوتا نہیں

ان میں یہ جرأت کہاں کھل کر وہ پوچھیں حالِ دل
وضع کا پابند میں مجھ سے بیاں ہوتا نہیں

دل کی حالت ہی بدل جاتی ہی دم بھر کیلئے
بزمِ خلوت میں خیالِ این و آں ہوتا نہیں

برق کا گرنا سنا، صیّاد کا کہنا سنو
چار تنکوں کا اُجڑنا داستاں ہوتا نہیں

کچھ نرالی وضع کا معشوق ہے وہ شوخ بھی
مہرباں ہوتا نہیں، نامہرباں ہوتا نہیں

وصل کیسا، کس کا ملنا جب محمل ہو آسماں
ناقۂ لیلیٰ کبھی بے سارباں ہوتا نہیں

جستجو ہے شرط عاشق بن کے ڈھونڈے بھی کوئی
وہ کہاں ملتا نہیں ہے وہ کہاں ہوتا نہیں

غور سے سب کچھ سنا پھر مسکرا کر کہدیا
کیا کریں ہم دلنشیں تیرا بیاں ہوتا نہیں

اتنے پردوں پر تو موسیٰ گر پڑے غش آگیا
کون کہہ سکتا ہے پردہ درمیاں ہوتا نہیں

اے دعا رکتی ہے کیوں جب کھل گیا بابِ قبول
یہ سخی کا در ہے اس پر پاسباں ہوتا نہیں

ایک ادنیٰ سا کرشمہ ہے یہ اُس کے عشق کا
مر گیا ہوں اور مرنے کا گماں ہوتا نہیں

امتحانِ عشق دینا ہے بڑے لوگوں کا کام
نام **بیخود** رکھ لیا تو امتحاں ہوتا نہیں

کون ہے حشر میں جو اس کا خریدار نہیں
ایسی شہرت کی جگہ مصر کا بازار نہیں

جلوۂ حسن کو پردے سے سروکار نہیں
جس میں حائل ہو کوئی چیز وہ دیدار نہیں

کوئی موسیٰ سا نظر باز خریدار نہیں
آج کل حسن کی وہ گرمیِ بازار نہیں

میں اکیلا ہوں یہاں اور خریدار نہیں
آپ کی بزم ہے یہ مصر کا بازار نہیں

دل کو راحت بھی ملی نیند بھی آئی مجھ کو
ابرِ رحمت ہے ترا سایۂ دیوار نہیں

میں یہ ڈرتا ہوں کہیں صبح قیامت تو نہ ہو
شام سے کہتے ہیں وہ صبح کے آثار نہیں

ایک جلوے سے بھی محروم رہے عاشقِ زار
ایسی بے فیض ترے حسن کی سرکار نہیں

جس کو رحمت نے خریدا وہ گنہگار تھا میں
حشر ہے جنسِ گراں کیلئے بازار نہیں

مجھ کو محرومیٔ قسمت نے دیا ہے آزار
میری قسمت میں ترے عشق کا آزار نہیں

مر کے قبروں سے اٹھے میں تو نہ مانوں گا کبھی
حشر کی چال میں شامل تری رفتار نہیں

دل ہی پژمردہ مرا ہے میں ہوں خوشی کا طالب
باغِ دنیا سے مجھے اور سروکار نہیں

مانگتا رہتا ہوں تکرارِ تجلی کی دعا
شوقِ دیدار ہے یہ حسرتِ دیدار نہیں

کھا کے آئے ہو قسم آج کسی کی جھوٹی
لب رنگیں ہیں وہ شیرینیٔ گفتار نہیں

میرے مسکن کا پتہ تجھ کو ہی کافی ہے
وہ مرا گھر ہے جہاں در نہیں دیوار نہیں

سانس گنتا ہوں تری یاد میں کتنے گذرے
رات دن کام میں مصروف ہوں بیکار نہیں

غیر کا وصف بیاں اپنی زباں سے کیجے
یہ نہ کہئے کہ کوئی اور وفادار نہیں

اوک سے حضرتِ بیخود تو سبو پی کے ہٹے
یار لوگوں سے کہا بھی سرِ بازار نہیں

نہ کہہ ساقی بہار آنے کے دن ہیں
جگر کے داغ چھل جانے کے دن ہیں

یہ دن تو شوخیاں آنے کے دن ہیں
حیا ابھی مچل جانے کے دن ہیں

ادا سیکھو ادا آنے کے دن ہیں
ابھی تو دور شرمانے کے دن ہیں

گریباں ڈھونڈتے ہیں ہاتھ میرے
چمن میں پھول کھل جانے کے دن ہیں

تمہیں رازِ محبت کیا بتائیں
تمہارے کھیلنے کھانے کے دن ہیں

بخوان مطرب نویدِ کامرانی
بدہ ساقی کہ پیمانے کے دن ہیں

چھپاؤ منھ نقاب اٹھنے نہ پائے
کہ رنگِ رخ نکھر جانے کے دن ہیں

کہاں پیری ہیں وہ آہِ شرر زا
کہ یہ تو آگ کجلانے کے دن ہیں

نہ دو تم قول اچھا زہر دے دو
محبت کا صلہ پانے کے دن ہیں

گھٹائیں اودی اودی کہہ رہی ہیں
مئے انگور کھچوانے کے دن ہیں

رہائی کب ملی قیدِ قفس سے
چمن میں جب خزاں آنے کے دن ہیں

یہ ساون اور یہ بادل کے ٹکڑے
الٰہی پھول برسانے کے دن ہیں

بہار آئی چلو اے ہمصفیرو
چمن میں چھاؤنی چھانے کے دن ہیں

تمنّا موت کی کب تک رہیگی
یہ کانٹا اب نکل جانے کے دن ہیں

کہو بیخود سے اب نغمہ سرا ہو
زبانِ بلبل کی کھل جانے کے دن ہیں

لڑائیں آنکھ وہ ترچھی نظر کا وار رہنے دیں
لڑکپن ہے ابھی نامِ خدا تلوار رہنے دیں

کہیں کس منہ سے اپنا آئینہ بردار رہنے دیں
تمنّا ہے غلامی میں ہمیں سرکار رہنے دیں

وہ کیوں بیخود کو محوِ لذّتِ دیدار رہنے دیں
وہ دیوانے نہیں غافل کو جو ہشیار رہنے دیں

مرے دم تک وفا و عشق بھی دنیا میں باقی ہیں
مسیحائی یہی ہے وہ مجھے بیمار رہنے دیں

قیامت آگئی اب تو گلا مردار کا کاٹیں
کہاں تک موت کو زندہ ترے بیمار رہنے دیں

اسی پردے نے عمرِ خضر شوقِ دید کو بخشی
قیامت تک وہ اپنی گرمئ بازار رہنے دیں

سن اے قاصد نہیں ضد ہے تو ہم کو بات کی تیچ ہے
مناسب وہ اگر سمجھیں تو یہ تکرار رہنے دیں

مرے ماتم کی کیا جلدی ہے کیوں زیور بڑھاتے ہیں
ابھی آراستہ وہ حُسن کا بازار رہنے دیں

اگر منکر نکیر آتے ہیں تربت میں تو آجائیں
نہ چھیڑیں وہ مجھے محوِ جمالِ یار رہنے دیں

قفس میں بیکسوں کو کس نے پوچھا کون پوچھیگا
کہاں تک زخم کی صورت میں وا منقار رہنے دیں

نگاہِ شرم کے زخمی ہیں تیغِ ناز کے بسمل
تڑپنے کے لئے ہم کو پسِ دیوار رہنے دیں

یہ فقرے ہیں یہ چالیں ہیں نظر لاکھوں میں اٹھ جاتی
عدو کے سامنے وہ ہو گئے ناچار رہنے دیں

جگر میں درد، دل میں ٹیس، دم گھٹنے لگا اپنا
بھلا ہم ایک گھر میں اور دو بیمار رہنے دیں

محبت سے ہمیں نفرت حسینوں سے ہمیں وحشت
دل آزاری کی باتیں اب دلِ آزار رہنے دیں

ہمارے کان لفظِ بیوفا سن ہی نہیں سکتے
یہ خلعت تو عدو کے واسطے سرکار رہنے دیں

مری تربت پہ اُن کو صرفِ بیجا کی ضرورت کیا
کبھی کام آئیگا۔ یہ فتنۂ رفتار رہنے دیں

مقدر کو بدل دیں، وہ زمانے کو خفا کر دیں
مگر اپنے تصور کو مرا غمخوار رہنے دیں

نظر اُن کی کہیں، پتلی کہیں، آنکھیں کہیں اُٹھتی
یہ گردش دوسری صورت کی ہے پرکار رہنے دیں

وہ کیوں مجھ کو تسلی دیں، وہ کیوں پونچھیں مرے آنسو
گھٹا ہے ابرِ غم، آنکھوں کو گوہربار رہنے دیں

کوئی بیخود کی جانب سے ذرا سمجھائے واعظ کو
عبادت کو فرشتے ہیں اُسے میخوار رہنے دیں

یقیں ہے دستِ رنگیں سے کریگا قتل تو مجھ کو
کہ آتی ہے پسینہ سے مرے مہندی کی بو مجھ کو

ستاؤں پھر نہ میں تجھ کو جلائے پھر نہ تو مجھ کو
خدا ایسا کرے ہو جائے اپنی آرزو مجھ کو

جفاؤں سے محبت کے سبق دیتا ہے تو مجھ کو
بجا ہے سچ کہا نا آشنائی کی ہے خو مجھ کو

تڑپنے دے دبا زانو سے اے قاتل نہ مجھ کو
دہانِ زخم سے کرنی ہے شرحِ آرزو مجھ کو

جفا کا شوق ہے تجھ کو ستم سہنے کی خو مجھ کو
رہا کرتی ہے تیری آرزو کی آرزو مجھ کو

صفاتِ ذات کا نظارہ وہ بھی بزمِ دشمن میں
وہ جل کر خاک ہو دیکھے جو تیرے روبرو مجھ کو

وہ بعدِ فاتحہ میرے تصور سے یہ کہتے ہیں
تری تربت پہ لائی ہے وفا کی جستجو مجھ کو

شریکِ رنج و راحت میں کسی کا ہو نہیں سکتا
[illegible] کر دیا تو نے دلِ بے آرزو مجھ کو

نظر میں کھپ گئی ہے ناخنِ وحشت کی گلکاری
برا معلوم ہوتا ہے گریباں کا رفو مجھ کو

قیامت میں مری تربت پہ ہو کر کون گذرا تھا
جگا کر کھینچ لائی گیسوئے مشکیں کی بو مجھ کو

یہ پردہ کی نرالی طرز ہے پردہ نشیں نکلی
جب آنکھیں بند ہوتی ہیں نظر آتا ہے تو مجھ کو

کہیں عالم میں مجھ سا خود غرض عاشق بھی ہوتا ہے
یہ تیرا حسنِ ظن رسوا کرے گا چار سو مجھ کو

قیامت میں مرا منھ تھا جو تیرے سامنے آتا
الٰہی کھینچ لایا مژدہ لاتقنطوا مجھ کو

یہی اشکِ ندامت میری بخشش کا سبب ٹھیرے
انہیں موتی کی لڑیوں سے ملی ہے آبرو مجھ کو

عدم چھڑوا دیا، دنیا کو چھوڑا، قبر چھوڑوں گا
یقیں ہے خلد تک لیجائے اُس کی جستجو مجھ کو

جنابِ شیخ کی دعوت بھی ہو، روزہ کشائی بھی
کہیں سے ہاتھ آجائے اگر بے رنگ و بو مجھ کو

عدو کی بزم میں پینے کو جو ساغر اُٹھاتا ہوں
اُسی ساغر میں آتا ہے نظر دل کا لہو مجھ کو

مری ہستی سے رونق مٹ رہی ہے بزمِ دنیا کی
چراغِ صبح ہوں اے شمع کیوں روتی ہے تو مجھ کو

شرابِ عشق سے مدہوش رہتا ہوں مگر **بیخود**
فرشتہ بھی تو چھو سکتا نہیں ہے بے وضو مجھ کو

ہو تم سے حسیں حور، نہیں۔ ہو نہیں سکتی
یہ بات تو اے ماہِ مبیں ہو نہیں سکتی

اِس عذر کی تعریف نہیں۔ ہو نہیں سکتی
کمبخت وفا ذہن نشیں ہو نہیں سکتی

لیلی کبھی مجنوں سے قریں ہو نہیں سکتی
محمل کی پری خاک نشیں ہو نہیں سکتی

شمشیر تری دل میں مکیں ہو نہیں سکتی
بجلی تو کبھی گوشہ گزیں ہو نہیں سکتی

اقرار کا یہ حسنِ بیاں سب سے الگ ہے
دل توڑ کے ہم سے تو نہیں ہو نہیں سکتی

وہ آگئے ہیں۔ نزع میں آرام ہے مجھ کو
اب تن سے جدا جانِ حزیں ہو نہیں سکتی

ہم جس پہ مٹے ہیں وہ کوئی خاص ادا ہے
جو تجھ میں ہے وہ بات کہیں ہو نہیں سکتی

آئے نہ جہاں بوئے وفا، بوئے محبت
وہ تو مرے مدفن کی زمیں ہو نہیں سکتی

پھر آگ جگر کی کہیں کجلا نہ گئی ہو
کیوں آہ [illegible] عرش نشیں ہو نہیں سکتی

میں طالبِ دیدار رہوں تم پردہ اُٹھاؤ
سجدہ کو ابھی وقفِ جبیں ہو نہیں سکتی

پابندیٔ تسلیم و رضا نے مجھے مارا
وہ جان بھی مانگیں تو نہیں ہو نہیں سکتی

واعظ کی سُنیں، دل کی گواہی کو نہ مانیں
یہ بات تو اے اہلِ یقیں ہو نہیں سکتی

وہ چشمِ فسوں ساز زمانے کی ہے قاتل
جو شرم سے مصروفِ کمیں ہو نہیں سکتی

مشہور مثل "پیری و صد عیب" ہے بیخود
اونچی ترے شعروں کی زمیں ہو نہیں سکتی

محبت غیر سے کیسی مجھے اپنی محبت ہے
کہ صورت آفریں سے ملتی جلتی میری صورت ہے

جہاں ہے شکر کا موقع وہاں اُلٹی شکایت ہے
یہ معشوقوں کی کیا عادت ہے، یہ کیسی طبیعت ہے

لڑکپن ہے تو ہو، نازآفرینی اس کی عادت ہے
ابھی تلوار کھینچتی ہے، ابھی عذرِ نزاکت ہے

جوانی ڈھل گئی زاہد کی پژمردہ طبیعت ہے
کہ پریوں سے انہیں نفرت ہے، حوروں سے محبت ہے

فقط دیوانگی کی وجہ سے مجنوں کی شہرت ہے
حسینوں پر جو آجاتی ہے وہ میری طبیعت ہے

ترے بیخود کی شخصیت سے اک دُنیا کو حیرت ہے
کہ اس دیوانگی پر آدمیت ہے مروّت ہے

ہر اک ذرّے کے لب پر ہے شکستِ دل کا افسانہ
تمہارے در پہ یہ ٹوٹی ہوئی سی کس کی تربت ہے

سمجھتا ہی نہیں عاشق ترا دنیا کی باتوں کو
کوئی کچھ پوچھے ہم سے ہم یہ کہتے ہیں محبت ہے

خدا نے خود غرض دنیا میں ایسے بھی بنائے ہیں
انہیں ہم سے نہیں مطلب، انہیں دل کی ضرورت ہے

بسر کرنی ہے مجھ کو ہجر میں صبحِ قیامت تک
کہاں تک دل کو سمجھاؤں ابھی تو شامِ فرقت ہے

سُنا ہے فاتحہ پڑھنے کو وہ تربت پر آئیں گے
مریضِ جاں بلب کو آج کچھ اُمیدِ صحت ہے

جُدائی تیری، تیرا قرب ہیں دو مختلف چیزیں
کہ یہ نارِ جہنّم ہے، تو وہ گلزارِ جنت ہے

ہوا کرتا ہے تیری یاد سے کمبخت دل غافل
الٰہی عیش کی راتوں میں یہ کیسی مصیبت ہے

وہ اپنی بزم کا ہنگامہ شاید اس کو سمجھا تھا
قیامت ہیں کہا گھبرا کے اس نے یہ قیامت ہے

خموشی معنی دارد کے خود مصداق بن بیٹھے
یہ شوخی دیکھیے ان کی متانت بھی ظرافت ہے

یہ پہلی رات تھی وعدہ کی جو گذری نہیں پوری
نظر کہتی ہو اُن کی آج ہی صبح قیامت ہے

تمہاری عشق کا دم بھر رہا ہوں زندہ ہوں جب تک
حباب بحر سمجھو مجھ کو، یہ میری حقیقت ہے

مجھے اُن کا پتہ ملتا؟ بھلا میری حقیقت کیا
وہ خود ہی دل میں آ جاتے ہیں یہ اُنکی عنایت ہے

چلا ہے محتسب میخانہ سے اپنا سا مُنھ لیکر
نہ نکلا مے کا قطرہ بھی یہ بیخود کی کرامت ہے

پہلو میں دل ہے تیری تمنّا کے واسطے
آنکھیں ہیں منھ پہ جلوۂ زیبا کے واسطے

دنیا پسند لوگ ہیں دنیا کے واسطے
جیتے ہیں ہم تو تیری تمنّا کے واسطے

رکھا ہی کیا ہے شیخ نے عقبیٰ کے واسطے
جنّت بنی ہے اہلِ تمنّا کے واسطے

اک دل کی جستجو ہے تمنّا کے واسطے
محمل ضرور چاہیے لیلےٰ کے واسطے

موسیٰ کا ہاتھ تھا یدِ بیضا کے واسطے
دل ہے ہمارا داغِ تمنّا کے واسطے

وعدے کا ذکر، وصل کا ایما، وفا کا قول
یہ سب فریب ہیں دلِ شیدا کے واسطے

مایوس آرزو بھی ہوں، مانوس یاس بھی
دل میں جگہ نہیں ہے تمنّا کے واسطے

اے ضبطِ گریہ خاک میں مل جائے کاش تو
آنکھیں ترس گئیں مری دریا کے واسطے

دیدار اُن کا، اپنی حقیقت کا انکشاف
اک کھیل سا ہے دیدۂ بینا کے واسطے

وحشت یہ کہہ رہی ہے دلِ داغدار کی
اس باغ کی بہار ہے صحرا کے واسطے

میں وہ شرابخوار ہوں آتی ہے کھنچ کے روز
کوثر کی موج ساغر و مینا کے واسطے

سودا نہیں ہے کچھ مجھے رشکِ رقیب کا
کانٹے چُنے ہیں پہلے تمنّا کے واسطے

یہ پیچ ہی نیا ہے، یہ پھندا ہی اور ہے
مجھ پر عتاب ہے دلِ شیدا کے واسطے

آنکھوں میں دم ہے، سینہ میں اٹکا ہوا ہے سانس
برسوں سے ایک شکِ مسیحا کے واسطے

آتا نہیں ہے روز کی بے لطفیوں میں لطف
اک خاص دن ہو رنجش بیجا کے واسطے

وہ بازگشتِ عہدِ جوانی کسے نصیب
مخصوص تھی وہ عشقِ زلیخا کے واسطے

ذرّے میں آفتاب ہے قطرے میں بحر ہے
پردہ نہیں ہے دیدۂ بینا کے واسطے

بیخود خمِ شراب میں رکھ کر غزل یہ آپ
لاہور بھیج دیجئے یکتا کے واسطے

ہو کے بیخود جو یہاں اُسکی محبت میں رہے
جھومتے لذتِ دیدار سے جنت میں رہے

آتشِ شوق نہاں داغِ محبت میں رہے
کوئی پوشیدہ قیامت بھی قیامت میں رہے

وصل میں ضبط ہو، بیتاب فرقت میں رہے
پاسِ آدابِ محبت بھی محبت میں رہے

عشق کی شرط ہے انسان مصیبت میں رہے
دل میں ہو دردِ طلب، دل تری فرقت میں رہے

خواہشِ نفس مٹا دے تو عبادت میں رہے
وہ تو زاہد نہیں جو حور کی صحبت میں رہے

اُن سے کہدے کوئی دل کو اگر دفن کریں
کیوں قیامت کا یہ فتنہ مری تربت میں رہے

ہیں خطاوار جو پھر عشق ہو ظاہر میرا
خود نما حسن ہے کہدیجئے خلوت میں رہے

کعبہ و دیر کی راہیں تو کھلی ہیں ہر سُو
کوئی اتنا نہیں جو دشتِ محبت میں رہے

ہم سے دنیا کا نہ سلجھے گا یہ گورکھ دھندا
کون اس غم میں پھنسے کون مصیبت میں رہے

یہ تو ممکن نہیں، ممکن نہیں، ممکن ہی نہیں
دو گھڑی بعد صفائی تری طینت میں رہے

بے خلش زندگی عشق مزا دیتی ہے
کامیابی کی نہ اُمید محبت میں رہے

ہیں لگی لپٹی ہوئی بات کا عادی ہی نہیں
ابھی دو ٹوک ہو، اُلجھن نہ طبیعت میں رہے

ہم نے دیکھا کبھی جلوت میں کسی کا جلوہ
بن کے آئینۂ زانو کبھی خلوت میں رہے

ہوا اگر عشق کی دوزخ میں بشر کی تخلیق
جس جگہ پھر وہ رہے حسن کی جنت میں رہے

باغ فردوس ہی ہر داغ محبت میں دفن
کہہ دو رضواں سے کہ آ کر مری تربت میں رہے

وائے وہ آنکھ جسے دیدۂ مشتاق کہیں
ہائے وہ دل جو گرفتار محبت میں رہے

عشق کے واسطے ہی شہر خموشاں درکار
حسن کی شان یہی ہے کہ نزاکت میں رہے

آب انگور صراحی سے پلا دو بیخود
شیخ صاحب کو بھی دھوکا نہ کرامت میں رہے

مجنوں کا جسم خار مغیلاں کے سامنے
ایسا ہے جیسے تار گریباں کے سامنے

پریاں خجل ہیں یوسف کنعاں کے سامنے
سب کے چراغ گل ہوئے انساں کے سامنے

کیسی بہار زیب گلستاں کے سامنے
کلیاں کھلیں نہ اس گل خنداں کے سامنے

جل جاتے کیوں نہ دونوں گریباں کے سامنے
کمبخت آ گئے دل سوزاں کے سامنے

دیوانگی ہیں چاک جگر کا ہوں پردہ دار
رہتے ہیں میرے ہاتھ گریباں کے سامنے

ذروں میں دیکھتا ہوں ضیا آفتاب کی
کیسا حجاب صاحب عرفاں کے سامنے

اللہ رے حوصلہ کہ دھواں میری آہ کا
لیتا ہے بل گیسوئے جاناں کے سامنے

تصویر شیشہ دار کا سب کو گمان ہے
وہ آ گئے ہیں دیدۂ حیراں کے سامنے

دربار کیجیے آپ نہ دوالی منائیے
جلنے کو ہم ہیں سرو چراغاں کے سامنے

لاکھوں عذاب اک تری دوری کا مرحلہ
دوزخ بھی گرد ہے غم ہجراں کے سامنے

زردی کھنڈی ہوئی ہے رخ آفتاب پر
آیا تھا میرے کلبۂ احزاں کے سامنے

ہم کو بنا تو دیجیے کتنے چلیں گے تیر
کب تک جگر رہے صف مژگاں کے سامنے

میں جاں نثار باغِ شجاعت کا پھول ہوں
دیکھو بلا کے خنجرِ براں کے سامنے

دیکھو نہ تم مجھے کہ پریشانیاں مری
آئینہ ہونگی زلفِ پریشاں کے سامنے

لو بعدِ مرگ نخلِ تمنا ہرے ہوئے
کوئی کھڑا ہے گورِ غریباں کے سامنے

میں گمرہانِ عشق کی منزل کا ہوں نشاں
ہے باغِ خلد میرے بیاباں کے سامنے

منھ کر کے سمتِ کعبہ پڑھی ہو اگر نماز
رخ پھر گیا ہے کوچۂ جاناں کے سامنے

ایک ایک اشک سرخ سی سو سو کھلے ہیں گل
لاؤ چمن کو میرے گریباں کے سامنے

یوسف کی قید خوب زلیخا کو آئی راس
رہ کر جواں ہوئی درِ زنداں کے سامنے

دیکھیں یہ تو نے عشق کی مہماں نوازیاں
بجھ بجھ گیا ہے دل ترے پیکاں کے سامنے

مجھ کو پناہ ساری بلاؤں سے مل گئی
کوئی نہ آسکی شبِ ہجراں کے سامنے

اے سوزِ دل اک آہ شرر بار کھینچ کر
برسا دے پھول ابرِ بہاراں کے سامنے

بیخود کا آپ شیش محل ہم سے پوچھئے
وہ ہی شراب خانۂ عرفاں کے سامنے

چاہا انہیں بے سمجھے شامت ہی کچھ آئی تھی
الفت تو نہ تھی مشکل، دشوار رسائی تھی

اک صبحِ مسرت تھی، جو شامِ جدائی تھی
یہ اُس کے تصور کی اعجاز نمائی تھی

کل اپنے فدائی کی تربت جو مٹائی تھی
گردن تو اُٹھا ظالم کچھ شرم بھی آئی تھی

دل اس سے سوا ضدّی، ہم مفت بُرے بنتے
دم بھر میں صفائی تھی، دم بھر میں لڑائی تھی

وہ جس سے ملے جا کر، جو اُن سے ملا آکر
میری ہی شکایت تھی، میری ہی برائی تھی

تربت میں بھی کہتا تھا، جنت میں بھی کہتا ہوں
اللہ نے اُس بت کی کیا شکل بنائی تھی

لڑتا تھا اگر مجھ سے، خلوت میں لپٹے ہوتے
محفل میں جو تم بگڑے دشمن کی بن آئی تھی

پامال مجھے کر کے کیا فخر جتاتے ہو
تم یاد کرو دل میں ٹھوکر بھی تو کھائی تھی

اس سے تمہیں کیا مطلب ۔ ہم تم کو دکھائیں کیوں
تصویر کسی کی ہو کل راہ میں پائی تھی

تحریک ستم ہوتی، تقصیر رقم ہوتی
اک بار بگڑ بیٹھے، کیا جی میں سمائی تھی

بیخود ہی رہا بیخود جب تک کہ جیا بیخود
ساقی نے خدا جانے کیا چیز پلائی تھی

دلِ عاشق کہیں الفت کا ساماں چھوڑ سکتا ہے
نہ حسرت چھوڑ سکتا ہے نہ ارماں چھوڑ سکتا ہے

کوئی تاریک گھر مہرِ درخشاں چھوڑ سکتا ہے
مرے دل کو خیالِ روئے جاناں چھوڑ سکتا ہے

اسیرِ زلف کب زلفِ پریشاں چھوڑ سکتا ہے
وہ دیوانہ نہیں ہوتا جو زنداں چھوڑ سکتا ہے

دلِ یوسف خیالِ چاک داماں چھوڑ سکتا ہے
مگر یہ بھی تو پوچھو یادِ زنداں چھوڑ سکتا ہے

اگر چھوڑے تو یہ سمجھو کہ ایماں چھوڑ سکتا ہے
محبت حسن سے کوئی مسلماں چھوڑ سکتا ہے

رہائی کیسی، دو دل پھنس گئے دامِ محبت میں
نہ میں دامن، نہ وہ میرا گریباں چھوڑ سکتا ہے

چھپے گا کوئی پردے میں، چھپا بس کوئی پردے میں
یہ حسنِ خودنمائی، حسنِ جاناں چھوڑ سکتا ہے

اگر اے شیخ کوئی حور دنیا میں اتر آئے
فرشتے کا نہیں ہے ذکر، انساں چھوڑ سکتا ہے

کھٹک پہلو میں ہے لیکن سمجھ میں یہ نہیں آتا
نظر کا تیر کیونکر دل میں پیکاں چھوڑ سکتا ہے

محبت والے پیوندِ محبت اس کو کہتے ہیں
مرے دامن کو کب چاکِ گریباں چھوڑ سکتا ہے

یہ کیسا انقلاب آیا ۔ یہ کیا میں نے سنا یارب
وفاداری کا شیوہ بھی مسلماں چھوڑ سکتا ہے

ستم کے ساتھ یہ قیدِ تعلق نبھ نہیں سکتی
ترا بیمار اک ہچکی میں زنداں چھوڑ سکتا ہے

کہا قاصد سے میرا حال سن کر اس نے ۔ مر جائے
اگر مر کر بلائے شامِ ہجراں چھوڑ سکتا ہے

ترا عاشق، ترا شیدا، ترا طالب، ترا مفتوں
ترے کوچے میں رہ کر باغِ رضواں چھوڑ سکتا ہے

وہ بندہ کا خدا ہی اس سے بندہ چھٹ نہیں سکتا
ذرا سی بات پر انساں کو انساں چھوڑ سکتا ہے

مزا دیتا ہے یاد آ کر ہمیں یہ قول بیخود کا
وہ بیخود ہی نہیں جو بزم رنداں چھوڑ سکتا ہے

مسخر کر لیا کرتی ہے وحشت عشق جاناں کی
نہیں تعویذ بازو دھجیاں میرے گریباں کی

ستم کے بعد یاد آنا انہیں شامت ہے انساں کی
اجل بن جائیں گی یہ ہچکیاں بیمار ہجراں کی

ترے جلووں کی عادی ہیں نگاہیں اہل عرفاں کی
سمائیں گی نظر میں کیا بہاریں باغ رضواں کی

نشانی ہم نے رکھ چھوڑی ہے اک اگلی بہاراں کی
بہار آئی گلے میں ڈال لی دھجی گریباں کی

بنیں گی نور یہ تاریکیاں یوسف کے زنداں کی
دعائیں بہر آرائش چلی ہیں پیر کنعاں کی

کہاں سے میں کہاں پہنچا مری قسمت کا کیا کہنا
ارم سے کھینچ کر لائی تھی مٹی کوئے جاناں کی

مرے قاتل نے کس پانی میں خنجر کو بجھایا تھا
لہو کے ساتھ کچھ ٹپکی ہیں بوندیں آب حیواں کی

خلاف وعدہ کوئی آ گیا گھر ہو گیا روشن
ہوئی تقسیم زلفوں میں سیاہی شام ہجراں کی

نشانی ہے مرے قاتل کی مری بخشش کو کافی ہے
الٰہی ٹوٹ کر رہ جائے دل میں نوک پیکاں کی

علاج وحشت دل اس سے بڑھ کر اور کیا ہوگا
گلے میں ڈال کر نکلا ہوں میں زنجیر زنداں کی

نہیں مٹتی ہے دم بھر کو بھی یاد رفتگاں دل سے
نظر کے سامنے تصویر ہے گور غریباں کی

تصور میں رکے آتے ہوئے تو خواب میں آئے
کشش سے دل کی سٹی گم ہوئی ان کے نگہباں کی

وہ پھر فاتحہ آتے ہوئے اب کیوں جھجکتے ہیں
کہ اب تو خاک بھی باقی نہیں تربت میں ارماں کی

امید مرگ سے وابستہ تھی دیدار کی حسرت
خوشی دیکھے دم آخر کوئی بیمار ہجراں کی

ترے عاشق تو ناکام تمنا رہ نہیں سکتے
کہ صبح حشر نے کی ہے تلافی شام ہجراں کی

ہمارے سامنے اس حسن ظاہر کی حقیقت کیا
ہماری آنکھ تو نظارگی ہے حسن پنہاں کی

ابھر آئے گی کشتی بحرِ غم سے ڈوب کر بیخود
غلامی کا شرف حاصل ہے مجھ کو شاہِ جیلانی کی

وہ دیکھتے جاتے ہیں کن انکھیوں سے ادھر بھی
چلتا ہوا جادو ہے محبت کی نظر بھی

اٹھنے کی نہیں، دیکھیے شمشیرِ نظر بھی
پہلے ہی لچکتی ہے کلائی بھی کمر بھی

پھوٹیں مری آنکھیں جو کچھ آتا ہو نظر بھی
دنیا سے الگ چیز ہے فرقت کی سحر بھی

ساقی کبھی مل جائے محبت کا ثمر بھی
ان آنکھوں کا صدقہ کوئی ساغر تو ادھر بھی

بیتاب ہوں، کیا چیز جدائی ہے نظر نے
ہونے کو تو دل بھی ہے مرے پاس جگر بھی

گھر سمجھا ہوں جس کو کہیں تربت تو نہیں ہے
آتی ہے یہاں شام کی صورت میں سحر بھی

خاموش ہوں میں اور وہ کچھ پوچھ رہے ہیں
ماتھے پہ شکن بھی ہے عنایت کی نظر بھی

اس کے لبِ رنگیں کی نزاکت ہے نہ رنگت
غنچے بھی بہت دیکھ لیے ہیں گلِ تر بھی

آتی ہے نظر دور ہی سے حسن کی خوبی
کچھ اور ہی ہوتی ہے جوانی کی نظر بھی

ہٹتی ہے جو آئینہ سے پڑ جاتی ہے دل پر
کیا شوخ نظر ہے کہ ادھر بھی ہے ادھر بھی

بیمارِ محبت کا خدا ہے جو سنبھل جائے
ہے شام بھی مخدوش جدائی کی سحر بھی

میخانۂ عشرت نہ سہی کنجِ غریباں
آنکھوں کے چھلکتے ہوئے ساغر ہیں ادھر بھی

مل جائیں اگر مجھ کو تو میں خضر سے پوچھوں
دیکھی ہے کہیں شامِ جدائی کی سحر بھی

اے شوقِ شہادت کہیں قسمت نہ پلٹ جائے
باندھی تو ہے تلوار بھی قاتل نے کمر بھی

اے دل تری آہیں تو سنیں کانوں سے ہم نے
اب یہ تو بتا اس پہ کریں گی یہ اثر بھی

اک رشک کا پہلو تو ہے سمجھو کہ نہ سمجھو
گردن بھی ہے خم آنکھ بھی نیچی ہے نظر بھی

کچھ کان میں کل آپ نے ارشاد کیا تھا
مشتاق اسی بات کا ہوں بارِ دگر بھی

سوفار بھی رنگین کیے، ہاتھ بھی اس نے
آیا ہے بڑے کام مرا خونِ جگر بھی

چھپتی ہے کوئی بات چھپائے سے سرِ بزم
اڑتے ہو جو تم ہم سے تو اڑتی ہے خبر بھی

یوں ہجر میں برسوں کبھی لگتی ہی نہیں آنکھ
سو جاتا ہوں جب آ کے وہ کہہ دیتے ہیں مر بھی

کھلتا ہی نہیں بیخودِ بدنام کا کچھ حال
کہتے ہیں فرشتہ بھی اسے لوگ بشر بھی

حسن میں پھر کیوں نگاہوں سے نمایاں ہو گئیں
جب یہ چھریاں دل میں اتریں رگِ پنہاں ہو گئیں

شوخ نظریں زندگی کا میری ساماں ہو گئیں
بجلیاں امید بن کر دل میں مہماں ہو گئیں

عشق کی نیرنگیاں آخر نمایاں ہو گئیں
آپ کی زلفیں مرا حالِ پریشاں ہو گئیں

یہ ادائیں بھی مری وحشت کا ساماں ہو گئیں
نیچی نظریں آپ کی تارِ گریباں ہو گئیں

شوخیاں جب اُن کی پردے سے نمایاں ہو گئیں
بجلیاں بن کر یہ چمکیں اور پنہاں ہو گئیں

مسجدوں میں اہلِ دل ہم کو نظر آتے نہیں
کیا یہ محرابیں بھی یا رب طاقِ نسیاں ہو گئیں

کھول کر زلفیں مری تربت پہ پیٹا کس نے سر
عالمِ بالا کی سب روحیں پریشاں ہو گئیں

یہ عروجِ حسن تھا یا انقلابِ آسماں
مصر کی گلیاں تجلّی گاہِ کنعاں ہو گئیں

اے فلک وہ نامرادِ آرزو میں ہی تو ہوں
جس کی امیدوں کی صبحیں شامِ ہجراں ہو گئیں

عشق کی تکمیل بھی اک معجزہ ہے عشق کا
ہجر کی بے چینیاں سب راحتِ جاں ہو گئیں

خندہ ہے تمہیدِ گریہ عیش ہے غم کی دلیل
باغ میں کلیاں کھلیں کھل کر پریشاں ہو گئیں

تیر بن کر کیوں نہ ہوتیں سینۂ گردوں کے پار
ضعف سے آہیں ہماری تیری مژگاں ہو گئیں

دونوں عالم میں تھا عشق و محبت سا ادیب
خلد کی حوریں مری صحبت میں انساں ہو گئیں

فصلِ گل نے جوشِ وحشت کو ابھارا اس قدر
کھل کے کلیاں باغ میں میرا گریباں ہو گئیں

حضرتِ غالب کا مصرع وردِ لبِ بیخود کے ہے
خاک میں کیا صورتیں ہوں گی کہ پنہاں ہو گئیں

لالہ سری دھر

میخانۂ بیخود

صلا یا ایہا العشاق کاں مہ روبکار آید ——— میاں بندید عشرت را کہ یار اندر کنار آید

جب تک بے خودی سے نہ گذر جاؤں بیخودؔ کے کلام پر مقدمہ کیا لکھوں۔ یہ دیوان پہلے بھی طبع ہو چکا تھا اور اب مزید اضافہ کے ساتھ شائع ہو رہا ہے، پہلے بھی اس سخن نے لطفِ خداداد اور قبولِ عام کی سند حاصل کی تھی، اور اب بھی انشاء اللہ شہرتِ دوام حاصل کر کے رہیگا۔ جس طرح ہر ظاہر کا ایک باطن ہوتا ہے اسی طرح بیخودؔ کے اشعار بھی اپنے ظاہر کے ساتھ ایک باطن رکھتے ہیں، اور باطن کی گہرائیوں کو سمجھنے کے لیے معمولی دل و دماغ کام نہیں دیتے۔ اس فہم کے لیے وہی گدڑی پوش، وہی کفن بردوش، وہی راتوں کو اٹھ کر بیقرار رہنے والے، وہی آہ و نالے سے کام لینے والے، وہی الا اللہ کی ضربیں لگانے والے ہاں جنہیں ہم صوفی اور سالک کہتے ہیں، جنہیں راہِ طریقت کا رہبر سمجھتے ہیں، وہی باطن کی انتہا تک رسائی رکھتے ہیں۔ وہی بتا سکتے ہیں کہ بیخودؔ نے دشمن کے پردے میں کس کی جانب اشارہ کیا، ساغرِ شراب سے کیا مدعا ہے، مے و میخانہ کیا شے ہے، بوسۂ لب سے کیا مراد ہے، پردہ نشین کون ہے، ہجر و وصال، عارض، خال، زلف و گیسو کس حقیقت کی جانب اشارہ کر رہے ہیں ؎

سمجھے وہی اس کو جو ہو دیوانہ کسی کا ——— اکبرؔ یہ غزل میری ہے افسانہ کسی کا

دلّی والوں نے بیخودؔ کو سمجھا تو یہی سمجھا کہ وہ ایک خوش فکر شاعر ہے اور قلعۂ معلّٰی کی ٹکسالی زبان کا امین ہے۔ انہوں نے حقیقت کی تہ تک پہنچنے کی کوشش نہیں کی، وہ نہ سمجھے

کہ یہ مرشد زادہ سالار اولیا غوث الثقلین سلطانِ عالم اولیائے اعظم پیرانِ پیر دستگیر حضرت شاہ سید محی الدین عبدالقادر جیلانی قدس اللہ سرہ العزیز کی اولاد ہیں، اور اس کے شجرۂ نسب کی کڑی سرکار بغداد سے بائیسویں پشت پر آ کر مل جاتی ہے۔ یہ ایک نسبت ہی اتنی معزز و محترم ہے کہ اگر بیخود کے تمام اوصاف دور کر دیئے جائیں تب بھی وہ سر پر بٹھانے اور آنکھوں میں جگہ پانے کا مستحق ہے۔

بیخود کا نام | حاجی سید وحید الدین احمد ہے۔ بیخود شاعرانہ نام ہے جسے تخلص کہتے ہیں، پہلے نادر تخلص کرتے تھے پھر اصل حالت کی طرف لوٹ آئے یعنی مستِ مئے وحدت ہو کر بیخود مشہور ہو گئے۔

سنہ پیدائش | ۲۰ رمضان المبارک ۱۲۷۹ھ یوم یکشنبہ ہے۔ ولادت یاست بھرتپور میں ہوئی وہیں آپ کے اجداد عہدہ ہائے جلیلہ پر ممتاز تھے۔ پیدائش سے دو ماہ بعد اپنے آبائی وطن دہلی تشریف لائے۔

آپ کے والد کا نام سید شمس الدین احمد عرف سید احمد متخلص بہ سالم تھا دادا کا نام سید بدر الدین احمد تخلص سالک و کاشف تھا مرزا غالب مرحوم کے شاگرد تھے۔ پردادا امتیاز الدولہ افتخار الملک نواب سید احمد میر خاں بہادر منصور جنگ عالمگیر ثانی کے وزیر تھے۔ دو چچا آپ کے شاعر تھے ایک کا تخلص موزوں تھا دوسرے کا فرد نانا آپ کے منشی محمد شفیع صاحب عرف منشی آغا جان صاحب میر منشی ریذیڈنٹی راجپوتانہ ماموں آپ کے منشی محمد کرم اللہ خاں صاحب عرف ننھے خاں صاحب المتخلص بہ شیدا تھے اور مفتی صدر الدین خاں صاحب صدر الصدور آزردہ تخلص آپ کی والدہ کے پھوپا تھے۔ اس انکشاف کے بعد ہم کہہ سکتے ہیں کہ شاعری بیخود کا آبائی فن ہے اور عمر نہیں بلکہ ع پشتیں گذری ہیں اسی دشت کی سیاحی میں

بیخود کی تعلیم | قدیم رسم کے مطابق قرآن مجید ختم کر کے فارسی کی تعلیم اپنے مکان پر حاصل کی چند ہی سال میں ابتدائی درسی کتابیں ختم کر لیں۔

خواجہ الطاف حسین صاحب حالی رحمۃ اللہ علیہ سے . مہر نیم روز و دواوین اساتذۂ فارسی پڑھے

فیض اُستاد نے آپکو بہت جلد فارغ التحصیل کردیا۔ فارسی کی تعلیم تو آپنے مکمّل کرلی لیکن عربی ناتمام رہ گئی
شعر کہنے کا چسکا پڑ چکا تھا روز ایک غزل کہتے اور چاک کر ڈالتے' اس طرح تقریباً ایک دیوان کے برابر
غزلیات آپنے خود ہی چاک کردیں کثرت مشق حد کمال کو پہنچ چکی تھی۔ پھر مثل مشہور ہے کہ مچھلی کے جائے کو
تیرنا کون سکھائے' رفتہ رفتہ آپ کی سخن سنجی وسخن گوئی نے شہرت حاصل کرنی شروع کی۔ عوام وخواص
دونو طبقوں میں کلام کی گرمی اپنا رنگ جمانے لگی آخر مولٰنا حالی کی تحریک سے آپکے ماموں مولوی عبدالرحیم
صاحب بیدل دہلوی آپ کو داغ مرحوم کی خدمت میں لے گئے اور ۱۳۰۹ھ میں آپ داغ کے شاگرد
ہوگئے۔ چھ ماہ سے زیادہ آپ حیدرآباد میں اُستاد کی صحبت سے مستفیض ہوتے رہے اس کے بعد دہلی آگئے۔
چندسال کی محنت میں باکل اُستاد کا رنگ حاصل کرلیا اور ارشد تلامذہ میں شمار ہونے لگے۔ غزلیات
کو بیک نظر دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ مقطع میں اگر بیخود کا لفظ نہ ہو تو داغ کا کلام معلوم ہوتا ہے یہی وجہ ہے
کہ داغ مرحوم نے بیخود کی زبان کو اپنی زبان کہا ہے اور خوش ہوکر وحید العصر کا خطاب بخشا ہے۔

جانشینی داغ کا مسئلہ خود داغ مرحوم کی زندگی میں جب یہ بحث پیش ہوئی کہ آپکے بعد آپکی جانشینی کا مستحق کون ہے تو انہوں نے فرمایا کہ "بیخودین" یہ اشارہ تھا
مولوی عبدالحی صاحب بیخود بدایونی اور سید وحید الدین احمد بیخود دہلوی کی طرف۔ گویا جانشینی کے لئے انتخاب
کیا جاسکتا ہے تو ان دونوں میں سے کسی ایک کو۔ پھر یہ مشکوک فیصلہ بھی صاف کردیا گیا یعنی مرزا خورشید عالم
بہادر نے جو داغ مرحوم کے بھائی تھے ایک بھرے جلسہ میں بیخود کے جانشین ہونیکا اعلان کیا اور
بتایا کہ داغ صاحب کے ایماء سے میں جانشینی کی دستار بیخود دہلوی کے سر پر باندھ رہا ہوں اس کے بعد
اس مسئلہ پر کسی سیر حاصل بحث کی ضرورت نہیں رہتی اور ہماری دانست میں حق بہ حقدار رسید والا
مضمون پورا ہوگیا۔

سخن فہمی قدرت نے بیخود کو سخن گوئی کے ساتھ سخن فہمی کا مادہ بھی عطا فرمایا ہے۔ چنانچہ

شرح دیوانِ غالب لکھ کر اُردو ادب کی بیش بہا خدمت انجام دی ہے۔ اس شرح نے گذشتہ تمام شرحوں پر پانی پھیر دیا ہے مشکل اشعار کا حل یا صاف سادہ اور آسان کیا ہے کہ پڑھ کر حیرت ہوتی ہے۔ یہ شرح بھی زیورِ طبع سے آراستہ ہو چکی ہے۔ آپ کی تصانیف میں اور بھی ادبی جواہر ریزے ہیں جو ابھی منظرِ عام پر نہیں آئے دہلی کے مشہور رسالہ "شاہجہاں" میں ایک ناول کا سلسلہ چل رہا تھا جو اسلوب بیان اور ندرت زبان کے لحاظ سے ایک خاص کشش رکھتا تھا افسوس وہ رسالہ بند ہو گیا اور بیخود کا یہ ادبی شاہکار بھی لوگوں کی نظروں سے گم ہو گیا۔

بیخود کی ایک اہم ادبی خدمت

پورے ۳۲ سال تک بیخود نے انگریزوں کو اُردو فارسی کی تعلیم دی ہے اس دقتِ نظر و کاوش بے اندازہ کا اندازہ وہی لوگ کر سکتے ہیں جنہیں غیر ملکیوں کو اپنی زبان سکھانے کا اتفاق ہوا ہے۔

بیخود کی شہ سواری

اگرچہ میاں رنگین دہلوی کی طرح بیخود گھوڑوں کی خرید و فروخت نہیں کرتے، لیکن رنگین کی طرح گھوڑوں کے عیب و صواب سے بخوبی واقف ہیں اور ایک چابک دست مشاق کی طرح رموز شہ سواری سے آگاہ ہیں۔

فن سپاہ گری

تلوار چلانا، نشانہ بازی بھی آپکا آبائی فن ہے سب سے شکار کا بیحد شوق تھا، ساٹھ برس کی عمر تک بیشتر بندوق لگاتے تھے اس وقت ۷۷ سال کی عمر ہے، ہاتھ میں رعشہ آگیا ہے پس نشانہ بازی تو کیسی اب تو لکھنے سے بھی معذور ہیں حضرت ناسخ کی طرح کشتی گیر بھی ہیں غرض سلف کی خوبیوں اور مردانہ صفات کا ایک مجموعہ ہیں۔

بیخود کا دینی شغف

جیسا کہ ہم بتا چکے ہیں حضرت غوث الاعظم سے نسبت ہونیکی وجہ سے آپ قادریہ خاندان کے روحِ رواں ہیں شب و روز اعمال و وظائف میں مشغول رہتے ہیں، ایک بار حج بیت اللہ سے بھی فائز ہو چکے ہیں، زبان پر اثر ہے دل میں درد ہے دوسروں کی تکلیف سے

بیچین ہو جاتے ہیں جسمانی اور روحانی فیض کا سلسلہ آپ کے دم سے جاری ہے۔ لوگ مختلف حاجات لیکر آتے ہیں اور آپ کی دعا اور تعویذ کے اثر سے شاد کام جاتے ہیں۔ ہزاروں آسیب زدہ اور سحر کیے ہوئے مریض آپکے در سے صحت یاب ہو کر جاتے ہیں۔ سچ ہے ؎

ایں سعادت بزور بازو نیست ۔۔۔ تا نہ بخشد خدائے بخشندہ

دلّی کے دل میں بیخود نے وہ جگہ بنائی ہے جس کے نشان قیامت تک نہیں مٹ سکتے، اول تو شاہ جی کا تالاب اور شاہ جی کا چھتّہ، جس کو دلّی کا بچّہ بچّہ جانتا ہے۔ بیخود کے ایک بزرگ حضرت شاہ نظام الدین احمد عرف شاہ جی نے تعمیر کرایا تھا، تالاب کا نشان چند سال ہوئے کہ مٹا دیا گیا، لیکن چھتّہ علیٰ حالہ قایم ہے، یہ تالاب گو مٹ گیا ہے لیکن تاریخ میں جلی حرفوں سے لکھا جا چکا ہے۔ دوسرا بیخود کا کلام ہے جو بچّہ بچّہ کی زبان پر ہے، پہلی یادگار تو زمانہ کے جابر ہاتھوں سے فنا ہو سکتی ہے لیکن دوسری یادگار رہتی دنیا تک قایم رہیگی ؎

رہتا سخن سے نام قیامت تلک ہے ذوق ۔۔۔ اولاد سے تو یہ ہے کہ دو پشت چار پشت

کلام پر ایک نظر بیخود کے کلام کو ظاہری اور باطنی دونوں آنکھوں سے دیکھنا چاہیے ظاہر میں وہ ایک سیدھا سادہ کلام ہے، روزمرّہ ہے، محاورات کی جان ہے، ٹکسالی زبان ہے، فصاحت زیادہ ہے، بلاغت کم ہے، فارسی کی ترکیب اور غیر مانوس الفاظ سے بالکل پاک ہے، آمد موج دریا کی طرح نمایاں ہے، اور دکھیں کہیں نظر آتی ہے، بندش چست ہے، الفاظ نگینے کی طرح جڑے ہوئے ہیں، جذبات کا بے پناہ سیلاب ہے، تخیّل کی بلندی، بندش کی سادگی دیکھنے سے تعلق رکھتی ہے تشبیہ استعارات ہیں مگر بہت کم، باطن میں وہ ایک گنجینۂ معانی ہے، معرفت کا ایک دفتر ہے کہیں جراحت ہے تو کہیں مرہم ہے، سوختہ دلوں کے لئے کہیں سامانِ تسکین ہے تو کہیں موجب ازدیادِ غم و الم، کہیں شاہدِ حقیقی کو پردے میں چھپا دیا ہے تو کہیں بے نقاب کر دیا ہے۔

غرض ہر خیال کا انسان اس کلام فرحت التیام سے افادہ حاصل کر سکتا ہے اور ایک فطری شاعر کا کمال یہی ہے کہ ہر شخص اُس کے کلام سے حظ حاصل کرے ؎

سمجھ لیتے ہیں سب ہی اپنے اپنے طور پر سامع　　　اثر رکھتی ہے آتش کی غزل مجذوب کی بڑ کا

شاعری میں سب سے زیادہ زبان کی خوبی کو پسند کیا جاتا ہے۔ مضمون تو زباں داں بھی باندھ سکتے ہیں کیونکہ مضمون آفرینی علم پر موقوف ہے اور علم کسی کی میراث نہیں جو شخص چاہے حاصل کر سکتا ہے لیکن زبان کی خوبی اہلِ زبان کے سوا کسی سے ممکن نہیں، ہندوستان میں فارسی کلام کے کہنے والے اب بھی موجود ہیں، اور گذشتہ زمانے میں بھی ایسے مشاہیر گذر چکے ہیں جن کا کلام اہلِ فارس کے کلام سے کسی طرح کم نہ تھا، تاہم وہ مقبولیت کسی کو بھی حاصل نہیں ہوئی جو سعدی، حافظ، عمر خیام، انوری، خاقانی، فردوسی، امیر خسرو نے اہلِ زبان ہونیکے باعث حاصل کی، اسی طرح اُردو زبان میں جو ناموری دہلی و لکھنؤ کے شعرا کو حاصل ہو چکی ہے وہ ہندوستان کے دیگر شعرا حاصل نہیں کر سکے اگرچہ علم و فضل کے لحاظ سے اُن کا پایہ کتنا ہی بلند کیوں نہ ہو، وہ لوگ جو اہلِ زبان نہیں ہیں زبان پر دسترس نہ پاکر غالب کا تتبع اختیار کرتے ہیں، اگرچہ یہ اتباع بھی ناقص ہوتا ہے تاہم اکتساب سے الفاظ کی ایک ملتی جُلتی صورت پیدا کر لیتے ہیں اور بزعم خود سمجھ لیتے ہیں کہ فرمودہ غالب کی پوری ریس ہو گئی۔ بہرحال یہ چیز اکتسابی ہے اس کا حاصل ہونا دشوار نہیں لیکن اہلِ زبان ہونا اپنے بس کی بات نہیں، اس کے لئے ایسی ماں کی گود چاہیئے جو اہلِ زبان ہو وہی زبان کی بہترین تعلیم دے سکتی ہے۔ پس زباں داں مضمون آفرینی کے زعم میں یا فارسی ترکیبوں کے بل بوتے پر اہلِ زبان کو خاطر میں نہیں لاتے تو وہ بیچارے مجبور ہیں اگر وہ اُن کو کھٹّا نہ بتائیں تو کیا کریں۔

غالب مرحوم نے جب مشکل کلام کہا تو وہ مقبول نہ ہوا جب ٹکسالی زبان میں کہنے لگے

قبولیت نے اُسے سر پر رکھا، آنکھوں سے لگایا، حقیقت میں وہ شعر کیا، جس کو سوچنے اور سمجھنے کیلئے وقت صرف کیا جائے اور جس کے حل کرنے میں دفتر کے دفتر سیاہ کرنے پڑیں، وہ شعر کہاں ایک معمہ ہے یا چیستاں ہے۔

ابتدا میں غالب مرحوم عام فہم اشعار کو طنز کے طور پر جامیانہ کہتے تھے مراد یہ تھی کہ جس طرح حضرت مولینا جامی علیہ الرحمۃ کا کلام سیدھا سادھا اور ہیر پھیر کی باتوں سے مبرّا ہوتا تھا اسی طرح یہ سادہ اشعار بھی ہیں اس لئے جامیانہ ہیں، لیکن غالب کو کیا معلوم تھا کہ ایک روز اُنہیں بھی جامیانہ روش اختیار کرنی پڑیگی حضرت بیخود فرماتے ہیں ؎

بولنی آگئی جسے اُردو — سامنے اُس کے فارسی کیا ہے

بہرحال اس بحث کو جہانتک طول دیں گے زلفِ یار کی طرح دراز ہوتی جائیگی۔ اب آپ ذرا بیخود کی زبان کا لطف لیجئے ایک جگہ فرماتے ہیں ؎

بگڑنا اُس کا غصّہ میں بھی شوخی سے نہیں خالی — مزے کی بات کہہ جاتا ہے ظالم بے مزا ہو کر

یہ بے مزا ہو کر عجیب ٹکڑا ہے اسے وہی سمجھیں گے جو اہلِ زبان ہیں، اور سُنئے نقشِ قدم کی بلائیں لینا کیسا پاکیزہ اور اچھوتا مضمون ہے ؎

بوسہ تو مجھے پاؤں کا لینے نہیں دیتے — آنکھوں سے بلائیں بھی نہ لوں نقشِ قدم کی

دیکھئے ایک محاورہ کو کس خوبی کے ساتھ کھپایا ہے بار بار پڑھئے اور زبان کا لطف لیجئے۔ فرماتے ہیں ؎

اس طرح سے برباد نہ کر اہلِ وفا کو — ڈھونڈے سے بھی ملتے نہیں یہ لوگ دوا کو

اب نام بھی وفا کا نہ لوں گا تمام عمر — مجھ سے خطا ہوئی مجھے بخشو کسی طرح

غضب ہے اس تمنّا سے وہ خواہش دل کی کرتے ہیں — زمانہ جانتا ہے اُن کے دشمن مجھ پہ مرتے ہیں

آہ زبان میں یہ لوچ یہ مٹھاس بیخود تیرے بعد کہاں میسّر آئیگی تیرے بعد کون ہے جو قلعۂ معلّیٰ کی

ٹکسالی زبان کی یاد دلائیگا' ایسا بلبلِ رنگین نوا اس گلشن میں بار بار نہیں آئیگا' ادب اُردو کے دلدادہ اس جنسِ گرانمایہ کو ہاتھ سے نہ جانے دیں ورنہ کفِ افسوس ملیں گے ؎

دیکھ پچتائیگا نہ لیکے بُ مجھے　　　مایۂ نازش دوکاں ہوں میں

یہ بزم ختم ہونیوالی ہے اور چلتے چلتے دو چار شعر سُن لو" جوانی آتی ہے تو حیا ساتھ آتی ہے" حضرتِ بیخود اس کا برعکس فرماتے ہیں اور خوب فرماتے ہیں ؎

حجاب دور تمہارا شباب کردیگا　　　یہ وہ نشہ ہے تمہیں بیحجاب کردیگا

کیسی نادر تشبیہ ہے ملاحظہ ہو ؎

مرا خیال مجھے کامیاب کردیگا　　　خدا اسی کو زلیخا کا خواب کردیگا

ذیل کے شعر کی تعریف نہیں کی جاسکتی اثر میں ڈوبا ہوا ہے پھر اداے بیان سبحان اللہ یہ کیے نصیب ہے

کسی کے ہجر میں اس درد سے دعا مانگی　　　ندائیں آئیں خدا کامیاب کردے گا

ہائے کیا شعر کہہ دیا ہے اہلِ دل مزے لیں گے ؎

دم ہے باقی نہ تغافل کا گلہ ہے باقی　　　قہر کی آنکھ سے یہ کس نے ادہر دیکھ لیا
داد خواہوں پہ نئی حشر میں آفت آئی　　　صف کی صف لوٹ گئی اُسنے جدہر دیکھ لیا

ردیف اور قافیہ پر کیسی قدرت حاصل ہے اس کا نمونہ ملاحظہ کیجئے ؎

وہ نظر آگئے دامن پہ لہو کے دھبے　　　غیر کے قتل سے لے اور مکر دیکھ لیا

اُردو زبان میں ایک ہی لفظ لب ولہجہ کے باعث اثبات کے معنی بھی دیتا ہے اور نفی کے بھی مثلاً لفظ" ہاں" کو لیجئے ایک شخص جانے کی اجازت چاہتا ہے آپ جلدی سے کہہ دیتے ہیں ہاں یعنی جائیے' لیکن جب آپ کا مقصد یہ ہو کہ نہ جائیے تو اسی لفظ کو آپ کھینچکر ثابت کریں گے فوراً نفی ثابت ہوجائیگی۔ جناب بیخود نے اسی مضمون کو کس خوبی سے باندھا ہے ملاحظہ ہو ؎

ہاں کو اتنا کھینچتے کیوں ہو خدا کے واسطے　　پھر تو اس وعدہ کا مطلب دوسرا ہو جائیگا

دیکھئے کیسا لطیف شکوہ ہے بار بار پڑھئے اور لطف اٹھائیے ؎

ایک وہ ہیں جنہیں دنیا کی بہاریں ہیں نصیب　　ایک میں ہوں قفس تنگ کو دنیا سمجھا

معشوق کا خفا ہو کر شرمانا کیسا نادر مضمون ہے پھر اس پر ٹھیٹ محاورہ سبحان اللہ فرماتے ہیں ؎

جو بات نہ کہنی تھی غصہ نے اُگلوا دی　　شرمائے بہت دل میں وہ مجھ پہ خفا ہو کر

ذیل کے بھی شعر ملاحظہ فرمائیے بالکل اچھوتے مضمون ہیں ؎

سوگواروں میں میرے حسن ادا بھی ہو شریک　　آئینہ دیکھ کے زلفوں کو پریشاں کرنا

میری تربت میں نکیرین نہ آنے پائیں　　کل بھی تکلیف ذرا اے شب ہجراں کرنا

کافر عشق ہے کمبخت خرابی یہ ہے　　ہو سکے تم سے تو بیخود کو مسلماں کرنا

مندرجہ ذیل شعر شعر نہیں ہے الہام ہے اور داد سے مستغنی ہے ؎

یوسف کی قید خوب زلیخا کو آئی راس　　رہ کر جواں ہوئی درِ زنداں کے سامنے

شوخیٔ کلام کا نمونہ بھی دیکھتے جائیے ؎

الٰہی میری گردن اور ایسا ہار پھولوں کا　　کلائی دوش پر یہ کس نے ہنسکر ناگہاں رکھدی

ہمیں تربت میں آتی نیند یہ اُن کی عنایت ہے　　کفن میں سر کے نیچے اپنی خاکِ آستاں رکھدی

ہمیں پینے سے مطلب ہے جگہ کی قید کیا بیخود　　اُسی کا نام جنت رکھدیا تو نے جہاں رکھدی

تصویر کیوں دکھائیں تمہیں نام کیوں بتائیں　　لائے ہیں ہم کہیں سے کسی بیوفا کی ہے

برجستگی اور بیساختگی ملاحظہ ہو ؎

تم کہتے ہو دل میں نہ کوئی میرے سوا ہو　　کیا ٹال دوں اس کو بھی محبت اگر آئے

محرومی اور ناکامی کا نظارہ دیکھئے ؎

کچھ اب کے گر کے برق نے تنکے جلا دیئے — کچھ آگ آشیانے میں تھی پچھلے سال کی

بیکسی میں تھا تو لے دے کر سہارا اس کا تھا — موت بھی آ کر کفِ افسوس مجھ پر مل گئی

تخلص کا اظہار بعض بعض مقام پر عجیب ندرت اور معنی رکھتا ہے۔ ملاحظہ ہو:۔

بیخود کو کبھی شرع میں ملتی نہیں تعذیر — رکھا تھا بُرا نام مگر کام تو آیا

وہی بیخود ہوں میں سمجھے ہو بیخود جس کو تم اپنا — تمہاری یاد کیسی ہے تو خود اپنے سے غافل ہوں

بیخود کا فسانہ تو ہے مشہور زمانہ — یہ ذکر تو شاید کبھی تم نے بھی سُنا ہے

نام بیخود ہے تو میخوار بھی ہوگا وہ ضرور — پارسا ہم تو سمجھتے نہیں کہتا ہے وہی

اُن سے کہدے یہ کوئی دل کو الگ دفن کریں — کیوں قیامت کا یہ فتنہ میری تربت میں رہے

باغِ فردوس ہے ہر داغِ محبت پسِ دفن — کہدو رضواں سے کہ آ کر میری تربت میں رہے

غیر کے ساتھ جو وہ پھول چڑھانے آئے — ہٹ گیا اپنی جگہ چھوڑ کے مدفن میرا

نیاز و نازِ عشق و حسن کی تصویر کھنچتی ہے — ہمارے ہاتھ پر دل ہو تمہارا دل پر ہو

سر نہ ہوگا دوش پر تو کیا نہ ہوگی گفتگو — ہچکیوں سے شکرِ قاتل کا ادا ہو جائیگا

مری ہستی سے رونق مٹ رہی ہے بزمِ دنیا کی — چراغِ صبح ہوں اے شمع کیوں روتی ہے تو مجھ کو

کیا ہوں میں ہائے میرے سمجھنے کو سمجھ ہے درکار — خاک سمجھا جو مجھے خاک کا پُتلا سمجھا

تو میرے جذبِ عشق سے دنیا پلٹ گئی — کہدی وہ بات اُس نے تمنّا کہیں جسے

پھوٹیں میری آنکھیں جو کچھ آتا ہو نظر بھی — دنیا سے الگ چیز ہے فرقت کی سحر بھی

بیتاب ہوں کیا چیز جدائی ہے نظر نے — ہونے کو تو دل بھی ہے میرے پاس جگر بھی

یوں ہجر میں برسوں کبھی لگتی ہی نہیں آنکھ — سو جاتا ہوں جب آ کے وہ کہدیتے ہیں مر بھی

وہ بندہ کا خدا ہے اس سے بندہ چھٹ نہیں سکتا — ذرا سی بات پر انسان کو انسان چھوڑ سکتا ہے

بیخود کہیں خلل تو نہیں ہے دماغ میں | آپ اور پھیلے عذرِ ستم جب اُس نے کیا

باطنی آنکھ نے اس کلام کو جس طرح دیکھا ہے وہ بھی سُن لیجئے موتوا قبل اَنت مُوتُوا کا مضمون کس خوبی سے ادا کیا ہے ملاحظہ ہو ۔

جیتے جی سیکھ لیا ہے فنا ہو جانا | یہ مرا جسم نہیں یہ تو ہے مدفن میرا

مسئلہ وحدت الوجود ۔

تُو ہی تو ہو جس طرف دیکھیں اُٹھا کر آنکھ ہم | تیرے جلوے کے سوا پیشِ نظر کچھ بھی نہ ہو

ہستی کی بے ثباتی کے اظہار میں پیرایۂ بیان کی لطافت ملاحظہ ہو ۔

ابھی یہ جلوہ نمائی ابھی کچھ خاک نہیں | بُلبلا پانی کا انسان کی ہستی کر دی

شانِ استغنا کی ایک جھلک ملاحظہ ہو :-

گذر جاتے ہیں دو دو دن ہمیں بے دانے پانی کے | قفس میں کون کھائے بیٹھ کر صیاد کے ٹکڑے

عشقِ حقیقی کا دعویٰ دیکھئے ۔

خاک میں مل کے بھی دعویٰ ہے محبت کا مجھے | نہیں مٹتی ہے مٹائے سے بھی حسرت تیری

غرض بیخود کے کلام کی خوبیوں کو میں کہانتک دکھاؤں اہلِ نظر خوب سمجھتے ہیں کہ یہ گوہرِ نایاب کیا قدر و قیمت رکھتا ہے ۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ حضرت بیخود کی عمر میں برکت عطا فرمائے اور ان کے کلام کو مقبول ہر خاص و عام بنائے ۔ آمین ۔

بیخود کے شاگرد جہاں تک ہمیں معلوم ہوا ہے تین ۳۰۰ سو کے قریب ہیں، اور ان میں سے اکثر صاحب دیوان ہیں، بعض کے دیوان چھپ چکے ہیں، بعض لوگوں کے دیوان زیرِ طبع ہیں ۔ یہ آپ کی اُستادی کا ایک بیّن ثبوت ہے کہ تلامذہ کی ایک بڑی جماعت صاحب دیوان ہے ۔ شاگردوں سے بے انتہا شفقت فرماتے ہیں ۔ ایک ہونہار شاگرد

عبد الغفار قیصر دہلوی مرحوم کی یاد ابتک اُن کے دل سے نہیں جاتی، اکثر اُس کی شوخی طبع بذلہ سنجی اور حاضر جوابی کی تعریف فرمایا کرتے ہیں۔ دہلی کے مشاعروں میں جو شہر پناہ کے اندر ہوں شرکت نہیں فرماتے۔ اس کی وجہ کچھ بھی ہو، لیکن دہلی والوں کی یہ انتہائی بدنصیبی ہے کہ باہر والے اس میخانہ سے لطف اندوز ہوں اور دہلی والے محروم رہیں، یوں تو ضعفِ پیری کے باعث ادبی محافل سے ویسے بھی معذور ہیں، لیکن دہلی والے مجبور کریں تو بیخود کا اخلاق ایسا نہیں ہے کہ وہ آزردنِ دلِ دوستاں کو جائز رکھیں، اور ہر قسم کے کفارہ کو مشکل سمجھیں۔

آخر میں التماس ہے کہ ہم سب مل کر اس میخانہ کی سلامتی کی دُعا مانگیں، جس سے ہر مذہب و ملت کے لوگ بقدر ظرف سرور حاصل کر رہے ہیں ؎

آباد رہے ساقی دایم ترا میخانہ
ہم شیشہ و ہم ساغر ہم بادہ و پیمانہ

خاکسار۔ مُرلی دھر بینکرز اینڈ لینڈ لارڈز
مالک دھلی کلاتھ ملز دھلی

اظہارِ تشکّر

میں اپنے اُن تمام بزرگوں اور دوستوں کا شُکریہ ادا کرتا ہوں جنہوں نے میرے ناچیز کلام پر اظہارِ پسندیدگی فرمایا، بلکہ اپنے جذبات محبّت قلمبند فرما کر مجھے رہینِ منّتِ بے پایاں بنایا، یہ جذبات اس دیوان میں بصورتِ تقریظ جابجا موجود ہیں، ان اخلاص بھری تحریروں میں سب سے زیادہ طولانی تقریر، مجسّمۂ اخلاق و مروّت و پیکرِ صدق و محبّت لالہ مُرلی دھر صاحب مالک دہلی کلاتھ ملز دہلی کی ہے جو مقدمہ کی صورت میں پیش ہو رہی ہے۔

لالہ صاحب موصوف سے میرے تعلّقات دیرینہ اور مستحکم ہیں، میں اُنہیں اپنے فرزند کی طرح سمجھتا ہوں، وہ مجھے اپنا بزرگ جان کر تعظیم سے پیش آتے ہیں اور سعادت مند اولاد کی طرح میری خوشنودی کو مدِ نظر رکھتے ہیں، لہذا اُن کے مقدمۂ دیوان میں یہ امر ناگزیر تھا کہ وہ حقائق سے زیادہ جذبات کا اظہار کریں، یہی باعث ہے کہ اسمیں جابجا میری تعریف کی گئی ہے میں تو جیسا ہیچمداں ہوں خود ہی جانتا ہوں۔ من آنم کہ من دانم۔

ہاں یہ سچ ہے کہ شعر گوئی کا چسکہ بچپن ہی سے پڑ گیا تھا کہ دل کی آگ پہ پانی پڑتا رہے اور سوز کو کچھ سکون حاصل ہوتا رہے، یا بالفاظ دیگر قدرت نے طبع موزوں اس لئے عطا کی تھی کہ لب سے جو نالہ نکلے وہ موزوں ہو کر نکلے۔ چنانچہ یہ نالہائے موزوں ایسے بلند ہوئے کہ ہندوستان بھر میں مجھے بیخود مشہور کر دیا ؎

آشنا ہر خار را از قصۂ ما ساختی ۔ در بیابان جنوں بُردی و رسوا ساختی

چونکہ شہرت اور ہنگامہ پروری سے سکونِ قلب حاصل نہیں ہوتا۔ اس لئے میں نے سالہا سال سے عزلت اور گوشہ نشینی اختیار کر رکھی ہے، مگر دنیا کا قاعدہ کچھ نرالا ہے جس قدر اس کے قریب جائیے وہ دُور بھاگتی ہے اور جس قدر کنارہ کشی کیجئے وہ قریب آتی ہے، میں نے شہرت کو نہیں چاہا، مشاعروں میں جانا ترک کر دیا، لوگوں سے سلسلۂ رابطہ نہیں بڑھایا، لیکن شہرت نے خود آکر قدم چُوم لئے صبح سے شام تک آنے جانے والوں کا ایک تانتا بندھا رہتا ہے۔ میں مسرور تھا کہ دیوان ھذا کے پہلے ایڈیشن کا اب کوئی نسخہ نہیں رہا، یعنی ذریعۂ شہرت ختم ہو چکا لیکن دیکھئے یہ دوسرا ایڈیشن معہ اضافے کے تیار ہے۔ تو کیا خود میں نے ہی شہرت مول لینے کی کوشش کی ہے۔ نہیں نہیں مینے اس دیوان کو ہرگز نہیں چھپوایا! نہ میری خواہش تھی کہ یہ طبع ثانی کے زیور سے آراستہ ہو، پھر اس کی طباعت کس طرح وقوع پذیر ہوئی اُس اجمال کی تفصیل یہ ہے:۔

کہ لالہ ملاپ چند صاحب جوہری میرے ایک مخلص مہربان ہیں، جو جواہر کی شناخت کے ساتھ ساتھ گوہر سخن کے بھی پرکھنے والے ہیں وہ عرصۂ دراز سے تقاضہ کر رہے تھے کہ دیوان چھپوا لیئے، ادھر اُن کی ہمنوائی کے لئے میرے ایک دوسرے کرم فرما لالہ الوپی پرشاد صاحب اور میرے شاگرد لالہ پنّا لال صاحب بھی شامل ہو گئے۔ ان حضرات کو مجھ سے اتنی گہری عقیدت ہے کہ میرا کلام سُنے بغیر چین نہیں آتا، میں ان کے جذبۂ محبت کی توقدر کرتا تھا لیکن دیوان کی اشاعت مجھے کسی طرح منظور نہ تھی۔ خدا جانے کس طرح اس واقعہ کا علم لالہ مُرلی دھر صاحب کو ہوگیا، انہوں نے میری رضامندی حاصل کئے بغیر دیوان کی طباعت و کتابت شروع

کرادی اور مجھ سے تقاضہ کیا کہ جس قدر جدید کلام جمع ہو وہ دیدیجئے۔ میں نے ہر چند اس ارادے سے باز رکھنے کی کوشش کی، لیکن بے سود۔ جواب میں یہی کہا کہ میں اپنی مادری زبان (اُردو) کی خدمت کر رہا ہوں آپ پر کوئی احسان نہیں ہے

آفریں باد بریں ہمت مردانہ تو

وہ لوگ جو ہندو مسلمانوں کو لڑا کر ملک میں نفاق پھیلا رہے ہیں کیا اُن کے لئے اس واقعہ میں کوئی عبرت نہیں ہے، کیا اب دامن سے چولی علیحدہ لگائی جاتی ہے۔ کاش اہلِ وطن اتفاق اور محبت کی برکتوں کو سمجھنے کی کوشش کریں۔

جس طرح غالب مرحوم کو اُن کے ہندو دوستوں نے ایام غدر میں ہر ممکن امداد پہنچائی تھی اسی طرح مجھے بھی فخر ہے کہ میرے ہندو دوستوں نے میری دوستی سے کبھی مُنھ نہیں موڑا خصوصاً لالہ مُرلی دھر صاحب مالک دلی کلاتھ مل دہلی نے دیوانِ ہذا کی اشاعت پر کثیر رقم خرچ کر کے مجھے ممنونِ احسان بنایا۔ میری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس فرزند کو ہمیشہ بلند اقبال اور کامیاب رکھے اور ہر آفت سے بچالے۔ آمین

فقیر۔ بیخود دہلوی

۵ رمضان المبارک

سنہ ۱۳۵۶ ہجری

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الٰہی حمد سے بڑھ جائے یہ حسنِ رقم میرا
بنا دے مہرِ عالمتاب نقطے کو قلم میرا

اُڑائے سے کہیں اُڑتا ہے اندازِ رقم میرا
پرِ روح الامیں ہے حمدِ خالق میں قلم میرا

شہیدوں میں خدایا نام ہو جائے رقم میرا
قلم کی طرح سجدے کیلئے سر ہو قلم میرا

قدم راہِ حقیقت میں کچھ ایسا جم کے پڑتا ہے
کہ آندھی سے بھی مٹ سکتا نہیں نقشِ قدم میرا

ازل میں کچھ لکھا تھا وصف اُس شمعِ تجلّی کا
ہوا ہے زیبِ گردوں کہکشاں بن کر قلم میرا

نہ تھا میں جن کے لائق تو نے وہ وہ نعمتیں بخشیں
علم دستِ کرم تیرا سرِ تسلیم خم میرا

زباں پر خضر کی صحرا میں میرا ذکر جاری ہے
مسیحا چرخ پر بیٹھے ہوئے بھرتے ہیں دم میرا

الٰہی عشقِ صادق جذبِ صادق مجھ کو حاصل ہو
رہے مشتاق میری طرح سے بیت الحرم میرا

مری گم گشتگی سب کو بتا دیگی پتہ اُس کا
بنے گا جادۂ مقصود ہر نقشِ قدم میرا

دلِ پُر داغ سے کچھ جی بہل جاتا ہے فرقت میں
رہے آباد دنیا میں یہ گلزارِ ارم میرا

ترِی حسرت ہزار ارماں تری خواہش تری اُلفت
رہے گا گرد میرے حشر میں خیل و حشم میرا

ہوا ہوں جب سے میں پابند احکامِ شریعت کا
رہا کرتا ہے اپنے نفس پر اکثر ستم میرا

یہ ساری مشکلیں دارین کی آسان ہو جائیں
اگر ہو جائے دم بھر کیلئے تیرا کرم میرا

مئے الفت سے سیری عاشقوں کو ہو نہیں سکتی
نہ ہوگا **بیخود** بدمست ہرگز ذوق کم میرا

قائل ہر اک بشر ہے بے قیل و قال تیرا
کافر کے دل میں پایا ہم نے خیال تیرا

کب تک رہیگی آخر یہ نزع کی سی حالت
کس دن نصیب ہوگا دیکھیں وصال تیرا

دنیا کی کچھ خبر ہے ہم کو نہ دین کی ہے
ہر وقت دھن ہے تیری ہر دم خیال تیرا

اتنا تو ہم سے کہدے ملتا کہ تو نہ ملتا
روز ازل جو تجھ سے کرتے سوال تیرا

ڈھونڈا ہے جس کسی نے پایا ہے تجھ کو یارب
موسیٰ نے کیا نہ دیکھا نور جمال تیرا

پوشیدہ تجھ کو رکھنا منظور تھا جو اپنا
کھلتا نہیں کسی پر دنیا میں حال تیرا

ہر شے میں جلوہ گر ہے لاشئے ہے ذات تیری
دیکھا ظہور تیرا دیکھا کمال تیرا

بچھڑے ہوؤں کو تجھ سے کس بات کی ہے حسرت
بھٹکے ہوئے دلوں کو ملنا محال تیرا

رگ رگ میں تو بسا ہے تجھ سے گریز کیسی
پھیلا ہوا ہے دل پر عاشق کے جال تیرا

کاشف کی رہنمائی ضرب المثل ہوئی ہے
بیخود کو کر دکھایا محو جمال تیرا

عالم فراق میں نظر آیا وصال کا
اللہ رے عروج ہمارے خیال کا

باغ نعیم رنگ ہے اس کے جمال کا
نار جحیم ایک شرارہ جلال کا

رہتا ہے دم لبوں پہ اسی انتظار میں
وعدہ وفا ہو دیکھئے کس دن وصال کا

جنت کی ہے کبھی کبھی کوثر کی ہے طلب
چسکا پڑا ہوا ہے زباں کو سوال کا

ہر سنگ سنگ طور بنا اپنی آنکھ میں
موسیٰ کی طرح شوق تھا اس کے جمال کا

انساں بنا کے تاجِ کرامت عطا کیا
بندہ کے حال پر ہے کرم ذوالجلال کا

بے شبہ بے نموں ہے وہ بیچون و بیچگون
امکان کیا کہ وصف ہو اُس بےمثال کا

ہے فیضِ عام اُس کا غلاموں کے واسطے
بالا ہے بادشاہوں سے رتبہ بلال کا

ہم تو زباں کو روک بھی سکتے ہیں حشر میں
رحمت سے انتظار نہ ہوگا سوال کا

بیخود تو اپنے وقت کا منصور بن گیا
آتا ہے ایک رنگ نظر حال و قال کا

والہ و شیدا ہے یہ دل صاحبِ لولاک کا
رات دن پڑھتا ہوں میں کلمہ رسولِ پاک کا

المدد اے الفتِ گیسوئے احمد المدد
حال اب دیکھا نہیں جاتا دلِ غمناک کا

میری وحشت لیکے جائیگی مدینہ تک مجھے
خوف کیا گردش زدہ کو گردشِ افلاک کا

عشقِ احمد نے ہمارے دل کو روشن کر دیا
بن گیا ہے نور کی قندیل کوزہ خاک کا

حیطۂ تقریر سے باہر ہے وصفِ ذوالجناح
دل میں مضموں پھر رہا ہے توسنِ چالاک کا

الاماں اے سوزشِ داغِ جدائی الاماں
آفتابِ حشر ہے ہر ذرہ میری خاک کا

عشقِ حضرت سے گلستاں بھی کہاں خالی رہا
رنگ ہر گل میں نظر آیا دلِ صد چاک کا

ذاتِ باری کی طرح یکتا ہے ذاتِ مصطفےٰ
درحقیقت نور تھا سایہ بھی جسمِ پاک کا

آپ کے دامن سے محشر میں لپٹ جاؤں گا میں
قول تھا یہ مرتے دم تک بیخودِ غمناک کا

پنہاں ہے دل میں عشق حبیبِ الٰہ کا
دینے لگا ہے کام تصورِ نگاہ کا

بادِ صبا جو روضۂ انور پہ ہو گذر
کرنا بیان سب مرے حالِ تباہ کا

کہتے ہوئے سنا نہیں کیا جبرئیل کو
خادم ہوں بارگاہِ رسالت پناہ کا

غافل نہیں وہ امت عاصی کے حال سے
ہر وقت سامنا ہے کرم کی نگاہ کا

نیزہ کرن کا لیکے جو نکلا ہے آفتاب
اک لشکری ہے یہ بھی اُس انجم سپاہ کا

مختار کارخانہ قدرت ہیں مصطفےٰ
ہے اُن کو اختیار سپید و سیاہ کا

اُٹھ جائے پردہ رُخ اسرار معرفت
سرمہ ملے جو آنکھ کو اُس گرد راہ کا

گستاخیاں معاف ہوں ہاں اے حبیب رب
اس دل کو پڑ گیا ہے مزا تیری چاہ کا

مجھ کو وہاں ہے جلوۂ دیدار کی تلاش
بے نور ہے چراغ جہاں مہر و ماہ کا

اللہ رے تمہاری غلامی کا مرتبہ
ہے عرشیوں کو رشک مرے عزّ و جاہ کا

بیخود کی لاج شافع محشر تجھی کو ہے
تیرے سوا نہیں کوئی اس روسیاہ کا

نہ ہوا ہائے پشیماں وہ ستمگر نہ ہوا
کھیل ٹھہرا یہ کوئی فتنۂ محشر نہ ہوا

عشق کے درد سے آگاہ ستمگر نہ ہوا
اُس کے پہلو میں ہمارا دلِ مضطر نہ ہوا

اشک وہ اشک ہے جو آنکھ سے باہر نہ ہوا
دل وہی دل ہے جو بیداد سے مضطر نہ ہوا

عجز سے گردنِ تسلیم ہوئی خم ایسی
حشر کے روز بھی دیدار میسّر نہ ہوا

ضبطِ فریاد پہ بیداد طلب ہوں کس سے
وہ تو الزام یہ رکھتے ہیں کہ مضطر نہ ہوا

کوئی پہلو دلِ بیتاب کی تسکیں کا نہیں
تو نے وعدہ وہ کیا جو مجھے باور نہ ہوا

آج چاہا تھا کسی نے کہ مجھے قتل کرے
ہاتھ میں خوبئ تقدیر سے خنجر نہ ہوا

آنکھ وہ خیرہ ہے جس آنکھ نے دیکھا نہ تجھے
دل وہ پتھر ہے کہ جس دل میں ترا گھر نہ ہوا

کیا کہا آپ نے انصاف تمہارا کیسا
آپ کی بزم ہوئی عرصۂ محشر نہ ہوا

دل کا سودا تو نگاہوں میں پٹا رکھا تھا
وہ خریدار ہی کچھ دل میں سمجھ کر نہ ہوا

پاسِ خاطرِ دلِ بیتاب کا ملحوظ رہا
خط نہ بھیجا کبھی لوٹن جو کبوتر نہ ہوا

دیکھ تو کون یہ بیٹھا ہی مرے پہلو میں
یہ وہ دن ہی کہ جو تجھ کو بھی میسّر نہ ہوا

چشمِ بد دور وہ بھولے بھی ہیں نادان بھی ہیں
ظلم بھی مجھ پہ کبھی سوچ سمجھ کر نہ ہوا

طول کھینچا ہے بہت عشق کے افسانہ نے
تھک گئے ہونٹ مگر ختم یہ دفتر نہ ہوا

مضطرب ہوکے ستمگر نے کہا خیر تو ہی
دل ہمارا کبھی بیتاب جو دم بھر نہ ہوا

بن نہ آئی کسی کافر کو بھی بے بوسہ دیئے
سنگِ اسود تیری دہلیز کا پتھر نہ ہوا

رازدانِ حالِ شبِ وعدہ کہیں کیا تجھ سے
ہم تو جاگا کیے بیدار مقدر نہ ہوا

کس نے لکھی ہے غزل داغ سے بڑھ کر بیخود
اُس کا شاگرد ہوں جس کا کوئی ہمسر نہ ہوا

دل ہی مشتاق جدا آنکھ طلبگار جدا
خواہشِ وصل جدا حسرتِ دیدار جدا

کچھ کھڑے جھومتے ہیں طالبِ دیدار جدا
اینڈتے پھرتے ہیں کچھ خلد میں میخوار جدا

زاہدوں سے نہ بنی حشر کے دن بھی یا رب
وہ کھڑے ہیں تری رحمت کے طلبگار جدا

جی جلانے کو ستانے کو مٹانے کو مجھے
وہ جدا غیر جدا چرخِ ستمگار جدا

تیغ و خنجر بھی ہیں انداز و ادا بھی موجود
سر کے گاہک ہیں الگ دل کے خریدار جدا

کعبہ ہو آتے ہیں دل تک ہی رسائی مشکل
سارے رستوں سے ہی یہ منزلِ دشوار جدا

باغ میں یاد نے اُس کی مجھے ٹکنے نہ دیا
چٹکیاں لینے لگے پھول جدا خار جدا

ہر قدم پر ہے مری خاک سے کھٹکا اُن کو
ہاتھ دامن سے نہ ہوگا دمِ رفتار جدا

بجلیاں حضرتِ موسیٰ پہ گریں واک بار
شعلۂ شوق جدا شعلۂ دیدار جدا

ہمسری قال سے کب حال کی ہو سکتی ہی
خانقاہوں سے بنے خانۂ خمار جدا

دستِ صیاد میں ہوں خاک کُڑھوں کیا بولوں
قینچی گردن ہیں جدا چٹکی ہیں منقار جُدا

ہو گئے وہ سحرِ وصل یہ کہکر رخصت
تجھ سے کرتا ہے مجھے چرخِ ستمگار جُدا

دل میں الفت بھی رہی رشک کے کانٹے بھی رہے
اُن سے سَو بار ملے ہم ہوئے سَو بار جُدا

قتل کرتے ہی مجھے جلوہ نمائی بھی ہوئی
در پہ ہنگامہ الگ ہے پسِ دیوار جُدا

سختیاں عشق کی جھیلوں کہ سنوں میں دل کی
کھائے جاتا ہے محبّت میں یہ غمخوار جُدا

حالِ یعقوبؑ کی کیونکر ہو خبر یوسفؑ کو
کوچۂ عشق سے ہے حُسن کا بازار جُدا

زاہدوں کی تیری رحمت پہ چڑھائی ہے الگ
ٹولیاں باندھ کر آئے ہیں گنہگار جُدا

وضع کا پاس بھی ہے **بیخودِ** میخوار ضرور
کاگ بوتل سے نہ کیجے سرِ بازار جُدا

ارمان اگر نکلے ارمان کا کیا کہنا
احسان کرو دل پر احسان کا کیا کہنا

معشوق سہی پریاں مشہور سہی حوریں
انسان سے کیا نسبت انسان کا کیا کہنا

اُس بات کی ضد کیسی جو سُن نہ سکے کوئی
ارمان ہی چھیڑا اُن کی ارمان کا کیا کہنا

پوشیدہ رہا دل میں اللہ رے ترا پردہ
ہر شئے میں نظر آیا اس شان کا کیا کہنا

ہے جان کا غم زاہد اُس بُت کی محبّت میں
ایمان سلامت ہے ایمان کا کیا کہنا

میں خاک میں مل کر بھی پاتا ہوں اُسی دل میں
اُجڑے ہوئے گھر میں ہے مہمان کا کیا کہنا

خط میں مجھے لکھا ہے دشمن سے ملو جاکر
قسمت کا نوشتہ ہے فرمان کا کیا کہنا

میں اُن سے شبِ وعدہ دیوانہ بنوں کہکر
جب پاس گلا گھونٹے ارمان کا کیا کہنا

کیا بات ہے اُس دل کی تو جس میں سما جائے
قربان ہو جو تجھ پر اُس جان کا کیا کہنا

چٹکی میں ہے تیر اب تک چٹکی سے نہیں چھوٹا
آنکھوں میں کھٹکتا ہے پیکان کا کیا کہنا

بیخود کی دلیری سے گم ہوش ہیں قاتل کے
قدموں ہی پہ دم توڑا اوسان کا کیا کہنا

نہ پہنچا عرش تک بے بال و پر کیا
رہے دب کر فرشتوں سے بشر کیا

حیا کیا بزم میں دشمن کا ڈر کیا
جو مجھ تک بھی نہ آئے وہ نظر کیا

تمہیں ہم چاہتے تو ہیں مگر کیا
محبّت کیا محبّت کا اثر کیا

یہ سوجھی ہے تجھے اے چشمِ تر کیا
پسیجے گا بھلا وہ فتنہ گر کیا

یہ سب ہیں تجھ سے بڑھ کر دل کے طالب
ادا کیا ناز کیا ترچھی نظر کیا

مری قسمت تو پلٹو دل تو پھیرو
کروگے تم اکیلے روٹھ کر کیا

چُھری جب پھیر دی گردن پہ میری
وہ اب کرتے ہیں پھر پھر کر نظر کیا

نہ سمجھے ہم تو رازِ کعبہ و دیر
خدا جانے اِدھر کیا ہے اُدھر کیا

وفا کا نام تو پیچھے لیا ہے
کہا تھا تم نے اِس سے پیشتر کیا

ہزاروں بار بگڑے رات بھر میں
نبھے گی تم سے اپنی عمر بھر کیا

نظر آتا نہیں اب اُن کا ثانی
وہیں ٹھہرے گی ہر پھر کر نظر کیا

جلاؤ چھین لو ٹکڑے کرو تم
ہماری جان کیا دل کیا جگر کیا

محبّت چار دن کی چاندنی ہے
رہیگی یاد تیری عمر بھر کیا

نظر ملتی نہیں اُٹھتی نہیں آنکھ
کوئی پوچھے کہ ہے مدِّ نظر کیا

یہ پتلی اُنگلیاں نازک کلائی
بندھے گی قتلِ دشمن پر کمر کیا

زباں کا قول کیونکر سچ سمجھ لیں
کسی کے دل میں ہو اب کیا خبر کیا

اُدھر تصویر رکھی ہے عدو کی
وہ اب دیکھیں ادھر مونھ پھیر کر کیا

چھپے رہتے ہیں جلوے تیرے دل میں | کرے گی دیکھ کر تجھ کو نظر کیا

شکایت سُن کے وہ بیخود سے بولے
تجھے اے بے خبر میری خبر کیا

تیرے ستم کا مرے ضبط کا جواب نہ تھا | چھُری گلے پہ چلی دل کو اضطراب نہ تھا
نہ تھی تمہاری محبّت تو کچھ عذاب نہ تھا | جگر میں درد نہ تھا دل کو اضطراب نہ تھا
بنی تھی دل پہ کچھ ایسی کہ اضطراب نہ تھا | غشی کو آپ نے سمجھا تھا خواب خواب نہ تھا
یہ حُسنِ ظن ہے کہ بیخود کبھی خراب نہ تھا | کسر تھی اتنی کہ آلودہ شراب نہ تھا
سوالِ وصل کا پہلو تھا شکوہ دل میں | جواب دیکے وہ سمجھے کہ یہ جواب نہ تھا
ہماری آنکھ سے تم دیکھتے تو کھُل جاتا | کہ آئینہ میں بھی اس شکل کا جواب نہ تھا
جنابِ شیخ نے کیا وجہ کیوں بنایا منھ | شرابِ ناب کا مذکور کچھ شراب نہ تھا
نشانہ مجھ کو بنایا تھا چشمِ ساقی نے | کہ چُور دل کی طرح ساغر شراب نہ تھا
غشی نے جان بچالی جنابِ موسیٰ کی | حجاب اُٹھنے نہ پائے وہ بے حجاب نہ تھا
عدو کی بزم میں یوں سرنگوں وہ بیٹھے تھے | کہ دیکھنے کو کہیں آنکھ میں حجاب نہ تھا
شرر کی طرح سے اک جست میں تھا قصہ پاک | کشش یہ موت کی تھی مجھ کو اضطراب نہ تھا
جو کچھ گذرنی تھی ظالم گذر گئی دل پہ | ہمارے پاس دکھانے کا اضطراب نہ تھا
مزے اُڑائے جوانی میں وصل کے زاہد | تمہاری طرح اچھوتا مرا شباب نہ تھا
ہمارے چہرہ کو کیوں تم نے غور سے دیکھا | یہاں تو ڈھلتی ہوئی دھوپ تھی شباب نہ تھا
تمہاری وعدہ خلافی کی وجہ بھی تو کھلے | اندھیری رات نہ تھی گرم آفتاب نہ تھا
سحر کو جیسے ستارے نظر نہیں آتے | نقاب اُس نے اُلٹ دی تو آفتاب نہ تھا

عدو سے روٹھ کے تم مجھ سے مل گئے ہوتے
یہ انقلاب زمانے کا انقلاب نہ تھا

شمار بوسۂ لب میں مغالطہ کیسا
وہاں تو گالی کا دینا بھی بے حساب نہ تھا

ہوئی ہے ذبح کے ہمراہ نعش بھی پامال
کہ صرف قتل ہی کرنا مرا ثواب نہ تھا

ہزاروں اس دل بے آرزو نے ڈھائے ستم
بھلے کو اور مرے ساتھ کچھ عذاب نہ تھا

نہ پوچھئے دل بریاں کی ہم سے کیفیّت
زبان جس کے مزے لے یہ وہ کباب نہ تھا

یہ بے ثباتی باغ جہاں تماشا ہے
جب آنکھ کھل گئی غنچہ کی پھر شباب نہ تھا

تڑپ تڑپ کے گذاری ہیں ہجر کی راتیں
زمانہ چین سے سوتا تھا ہم کو خواب نہ تھا

شب فراق کی بیتابیوں کو سن کے کہا
مرے خیال میں تو تجھ کو اضطراب نہ تھا

اک آئینہ کے سوا اُن کے حُسن دلکش کا
کہیں جواب نہ نکلا کہیں جواب نہ تھا

مجھے یہ رشک کہ دشمن کا ذکر کیوں آئے
اُنہیں یہ ناز مری بات کا جواب نہ تھا

نقاب اُٹھنے نہ پائی جھپک گئیں آنکھیں
کسی کا جلوۂ رخسار کیا نقاب نہ تھا

یہ بُت سمجھتے تھے بیخود کو بار خاطر کیوں
کسی کے دل میں تو وہ خانماں خراب نہ تھا

شب فرقت میں آ جاتی اجل تو اُس کا کیا جاتا
وہ کیا مُنھ کا نوالہ تھی جو کوئی اُس کو کھا جاتا

چرائی جان مرنے سے یہ طعنہ کب سُنا جاتا
نہ کھاتا زخم خنجر کا تو کیا میں زہر کھا جاتا

نہ جاتا ساتھ میّت کے مگر مجھ کو مٹا جاتا
مری بالیں پہ وہ میری طبیعت بن کے آ جاتا

ستا کر آسماں مجھ کو بڑے چکر میں آ جاتا
وہ کیا معشوق تھا خالی جو یہ تیر دعا جاتا

قیامت تک نہ جاتا پھر کہیں رنگ حنا جاتا
حنا کے ساتھ ہاتھوں میں جو میرا دل ملا جاتا

نہ دیتا دل تجھے تو جیتے جی تو مجھ کو کھا جاتا
کوئی تیرا گلا مٹتا کوئی شکوہ ترا جاتا

نہ کیونکر نذرِ دل ہوتا نہ کیونکر دم مرا جاتا | اکیلا بھیجتا اُس کو وہ خالی ہاتھ کیا جاتا

شباہت حور کی پتھر کا دل شعلہ کی خاصیت | اگر وہ آدمی ہوتا تو کچھ اُس سے کہا جاتا

مٹا دی مٹ کے داغ آرزو نے عشق کی دولت | کوئی دن اور رہ جاتا تو یہ دل کو بنا جاتا

وہ دم بھر کو چلے آتے مسیحائی دکھا جاتے | انہیں تھا عذر آنے میں پلٹ کر دم تو آ جاتا

خدا نے شرم رکھ لی مر گیا میں ضبطِ اُلفت میں | بھڑک اُٹھتا جو یہ شعلہ کلیجہ مونھ کو آ جاتا

خبر سُن کر مرے مرنے کی ہک دک وہ بھی رہ جاتے | اُڑاتا خاک سر پر جب وہاں پیکِ صبا جاتا

تمہارے عہدِ فردا نے تو برسوں جاں بلب رکھا | قیامت کا تو وعدہ میرا جھگڑا ہی چکا جاتا

کہاں تک تم جلاتے ہم کہاں تک شُکر ادا کرتے | قیامت تک نہ یہ اندازِ تسلیم و رضا جاتا

جنازے پر بھی وہ آتے تو مُنھ کو ڈھانک کر آتے | ہماری جان لے کر بھی نہ اندازِ حیا جاتا

نزاکت اس قدر اتنی نقاہت اور پھر ایسی | جو وہ آتا تو کیا آتا جو میں جاتا تو کیا جاتا

تمہاری یاد میرا دل یہ دونوں چلتے پُرزے ہیں | جو ان میں سے کوئی مٹتا مجھے پہلے مٹا جاتا

تیری چتون کے بل کو ہم نے قاتل تاک رکھا تھا | کہ ہر مقتل میں بچ کر ہم سے یہ تیرِ قضا جاتا

نہ آیا وہ ادھر شرمِ ستم سے خیر ہی گذری | قیامت میں کوئی بل کر قیامت اور ڈھا جاتا

پیامی جمع کر لینے تھے اے دل تجھ کو پہلے سے | وہاں جب ایک مر رہتا یہاں سے دوسرا جاتا

وہ کافر بدزباں میں وضع کا پابند، دلِ مضطر | نہ مجھ سے کچھ سُنا جاتا نہ مجھ سے کچھ کہا جاتا

لڑا کی اِن بتوں سے آنکھ دنیا میں رہا جب تک | خدا کے سامنے کیا خاک بن کر پارسا جاتا

مزا جب تھا قیامت تک نہ آتا ہوش بیخود کو
پلائی تھی جو ساقی نے اتنی تو پلا جاتا

حجاب دور تمہارا شباب کر دے گا | یہ وہ نشہ ہے تمہیں بے حجاب کر دیگا

مرا خیال مجھے کامیاب کر دے گا — خدا اسی کو زلیخا کا خواب کر دے گا

مری دعا کو خدا مستجاب کر دے گا — ترا غرور مجھے کامیاب کر دے گا

یہ داغ کھائے ہیں جس کے فراق میں ہم نے — وہ اک نظر میں نہیں آفتاب کر دے گا

کیا ہے جس کے لڑکپن نے دل مرا ٹکڑے — کلیجہ خون اب اُس کا شباب کر دے گا

سُنی نہیں یہ مثل گھر کا بھیدی لنکا ڈھائے — تجھے تو دل کی خبر اضطراب کر دے گا

نہ دیکھنا کبھی آئینہ بھول کر دیکھو — تمہارے حُسن کا پیدا جواب کر دے گا

کسی کے ہجر میں اس درد سے دُعا مانگی — ندائیں آئیں خدا کامیاب کر دے گا

غمِ فراق میں گریہ کو شغل سمجھا تھا — خبر نہ تھی مری مٹی خراب کر دے گا

کسے خبر تھی ترے ظلم کے لئے اللہ — مجھی کو روزِ ازل انتخاب کر دے گا

اٹھا نہ حشر کے فتنہ کو چال سے ناداں — تیرے شہید کا بے لطف خواب کر دے گا

وہ گالیاں ہمیں دیں اور ہم دعائیں دیں — خجل اُنہیں یہ ہمارا جواب کر دے گا

جوابِ صاف نہ دے مجھکو یہ وہ آفت ہے — مرے سکون کو بھی اضطراب کر دے گا

کہیں چھپائے سے چھپتا ہی لعل گدڑی میں — فروغِ حُسن تجھے بے نقاب کر دے گا

تیری نگاہ سے بڑھ کر ہے چرخ کی گردش — مجھے تباہ یہ خانہ خراب کر دے گا

ڈبوئیگی مجھے یہ چشمِ تر محبت میں — خراب کام مرا اضطراب کر دے گا

رقیب نام نہ لے عشق کا جتا دینا — یہ شعلہ وہ ہے جلا کر کباب کر دے گا

وفا تو خاک کرے گا مرا عدو تم سے — وفا کے نام کی مٹی خراب کر دے گا

عجیب شخص ہے پیرِ مغاں سے مل زاہد — نشے میں چُور تجھے بے شراب کر دے گا

بڑوں کی بات بڑی ہے ہمیں نہیں باور — جو آسماں سے نہ ہو گا حباب کر دے گا

بھلائی اپنی ہے سب کی بھلائی میں بیخود
کبھی ہمیں بھی خدا کامیاب کر دے گا

عدو دوست بن کر رہے رہ چکا
وہ تیرے بھلے کی کہے کہہ چکا

بُرا مجھکو دشمن کہے کہہ چکا
یہ چوٹیں وہ نازک سہے سہ چکا

وہ کہتے ہیں یہ ہے ہماری جگہ
بغل میں تری دل رہے رہ چکا

بیاں کچھ وفا کا ادھورا رہا
وہ کیوں اس سے آگے کہے کہہ چکا

یہی عادتیں ہیں تو ممکن نہیں
تجھے کوئی اچھا کہے کہہ چکا

مجھے رشکِ دشمن گوارا نہیں
ستم آج تک جو سہے سہ چکا

دوبارہ شبِ وصل زلفیں نہ کھول
کہ اب چاند پھر کیوں گہے گہ چکا

نظر رخنہ گر اُس پہ برقِ جمال
سلامت یہ پردہ رہے رہ چکا

وہ جھوٹی خوشامد سے پگھلے گا کیا
جو شکوہ یہ ہنس کر کہے کہہ چکا

ہوائی ہے دیدہ ترے تیر کا
یہ کیا دل میں ٹِک کر رہے رہ چکا

زباں یک ہے دل میں ارمان سو
کوئی تم سے کیا کیا کہے کہہ چکا

تیرے جور تیرے ستم تیرے ظلم
جو ہوں گے سہوں گا سہے سہ چکا

یہ اندازِ تمکیں یہ طرزِ حیا
رقیبوں سے مل کر رہے رہ چکا

نگاہوں میں مطلب ادا کر دیا
جو کہنا تھا میں بے کہے کہہ چکا

وہ میری مصیبت وہ دشمن کا راز
سُنے سُن چکا کچھ کہے کہہ چکا

زمینِ غزل اتنی بیخود کہاں
کہ مضموں کا دریا بہے بہ چکا

یہ کیا کہا کہ شبِ وصل بیقرار نہ تھا | زبان کہنے میں تھی دل پر اختیار نہ تھا

اب اس سے کیا تمہیں تھا یا امیدوار نہ تھا | تمہارے وصل کا تم سے تو خواستگار نہ تھا

نہ تھا وہ دوست تو دشمن بھی زینہار نہ تھا | کہا وہ اُس نے کہ جو دل کو ناگوار نہ تھا

عدو کی بزم میں وہ شوخ زینہار نہ تھا | ہمارے پاس تھا گو ہم سے وہ دوچار نہ تھا

تمہارے کوچہ میں کس دن یہ جاںنثار نہ تھا | ہوا تھا دفن جہاں وہ مرا مزار نہ تھا

وہ کوئی اور تھا بندہ دغا شعار نہ تھا | جو آپ سمجھے تھے دل میں وہ زینہار نہ تھا

تمہارے تیر کی جلدی نے دل کو تڑپایا | یہ جب قرار سے بیٹھا تو بے قرار نہ تھا

مرے کہے سے وفادار وہ مجھے سمجھے | کچھ اعتبار کے قابل یہ اعتبار نہ تھا

یہ اُس کے وعدۂ دیدار نے ستم ڈھایا | جب آنکھ ہم کو ملی تھی تو انتظار نہ تھا

جھکا کے سر مرے پہلو میں وہ جو آ بیٹھے | یہ اک غرور کا پہلو تھا انکسار نہ تھا

ہر ایک کام یہ تھی شرط اُس کی منظوری | یہ اختیار کی تہمت تھی اختیار نہ تھا

وہ اُس کا روٹھ کے جانا تھا جان کا جانا | پلٹ کے اُس نے جو دیکھا یہ جاں نثار نہ تھا

شبِ وصال بھی دل اُن سے بدگمان رہا | یہ لطف دیکھ رہا تھا پھر اعتبار نہ تھا

خیالِ یار نے دھوکا دیا ہمیں کیسا | جسے سمجھتے رہے یار ہم وہ یار نہ تھا

سُنا زبان سے اُس بُت کی بارہا ہم نے | وہ دل کا راز جو ہم پر بھی آشکار نہ تھا

اٹک اٹک کے بڑی مشکلوں سے دم نکلا | گلا بھی خشک تھا خنجر بھی آبدار نہ تھا

شرابِ پیتے ہی وہ کھل گئے وہ کھل کھیلے | شبِ وصال میں کچھ لطفِ انتظار نہ تھا

یہ شوخیوں کی ادائیں تو بڑھ گئیں مجھ سے | یہ بے قرار بھی اتنا تو بے قرار نہ تھا

گئے تھے آپ جہاں شب کو فاتحہ پڑھنے | وہ حسرتوں کا مری ڈھیر تھا مزار نہ تھا

وہ حشر تک مجھے زندہ نہ چھوڑتا ظالم
یہ خیر تھی مری اُلفت کا اعتبار نہ تھا

نہ جھپکی جب شبِ وعدہ پلک تو ہم سمجھے
یہ کوئی اور بلا تھی یہ انتظار نہ تھا

وہ تیر آپ کے ترکش میں کونسا نکلا
جو بے چلے بھی ہمارے جگر کے پار نہ تھا

پڑے ہیں اپنی ہی آنکھوں پہ پردے غفلت کے
نظر سے دور تو رہنا ترا شعار نہ تھا

جو بن پڑی تو یہ سمجھے کہ ہم ہی سب کچھ ہیں
بگڑ گئی تو یہ جانا کچھ اختیار نہ تھا

تیرے کرم نے قیامت میں ڈال دی ہلچل
وہ کون تھا جو کرم کا اُمیدوار نہ تھا

وہ مر گیا ہے تو کیا ہے ہمیں بھی مرنا ہے
خدا گواہ ہے بیخودؔ شراب خوار نہ تھا

بیوفا کہنے سے کیا اے بیوفا ہو جائے گا
تیرے ہوتے اس صفت کا دوسرا ہو جائیگا

شرط کر لو پھر مجھے برباد ہونا بھی قبول
خاک میں مل کر تو حاصل مدعا ہو جائیگا

سر نہ ہوگا دوش پر تو کیا نہ ہوگی گفتگو
ہچکیوں سے شکر قاتل کا ادا ہو جائیگا

سینہ توڑا دل میں چٹکی لی جگر زخمی کیا
کیا خبر تھی تیر بھی تیری ادا ہو جائیگا

میرے کہنے میں ہو دل جبتک مرے پہلو میں ہے
آپ کے لیجئے اسے یہ آپ کا ہو جائیگا

ساتھ اُن کے جان بھی ارمان بھی جائینگے آج
صبح سے پہلے روانہ قافلہ ہو جائیگا

میں ملوں تلووں سے آنکھیں وہ کہیں سمجھونگا میں
یاد رکھ پھیکا اگر رنگِ حنا ہو جائیگا

پھر وہی جھگڑے کا جھگڑا ہے اگر قم کہہ دیا
تیغ کا منسوخ سارا فیصلا ہو جائیگا

کس خوشی میں ہائے کیسا رنج پھیلا کیا کروں
کیا خبر تھی ہنستے ہنستے وہ خفا ہو جائیگا

حشر تک کیوں بات جائے کیوں پڑے غیروں کے منھ
گھر میں سمجھوتا ہمارا آپ کا ہو جائیگا

آنکھ سے ہے وصل کا اقرار دل دُگدا میں ہے
تم زباں سے اپنی کہدوگے تو کیا ہو جائیگا

ظلم سے گر ذبح بھی کر دو مجھے پروا نہیں | لطف سے ڈرتا ہوں آپ میری قضا ہو جائیگا

اُس نے چھیڑا تھا مجھے تم جان دوگے کب ہمیں | کہدیا میں نے بھی جب وعدہ وفا ہو جائیگا

یوں سوالِ وصل پر ٹالا کیا برسوں کوئی | صبر کر مضطر نہ ہو تیرا کہا ہو جائیگا

لاکھ دنیا میں حسیں ہوں لاکھ حوریں خلد میں | مجھ کو جو تو ہے وہ کوئی دوسرا ہو جائیگا

توبہ بھی کرلی تھی یہ بھی نشہ کی تھی اک ترنگ
آپ سمجھے تھے کہ بیخود پارسا ہو جائیگا

فیضِ ساقی سے کوئی خالی نہ میخانے میں تھا | چشمِ حاسد کے لئے بھی بال پیمانے میں تھا

ہجرِ ساقی میں دھرا کیا خاک میخانے میں تھا | خون میری حسرتوں کا میرے پیمانے میں تھا

تم نے دیکھا شمع کے دل میں لگادی جس نے آگ | عشق کا وہ شعلہ اس کمبخت پروانے میں تھا

زندگی کا لطف زاہد عمرِ رفتہ کا نشاں | تیری قسمت میں نہ دیکھا میرے پیمانے میں تھا

میں تو سر پھوڑا کیا تڑپا کیا وعدہ کی شب | اُسکی مجھ کو کیا خبر وہ اپنے کاشانے میں تھا

دم نکلنے تک رہی اک آگ دل میں مشتعل | قبر میں جب رکھدیا پھر میں تو تہ خانے میں تھا

اپنی قیمت خود گھٹادی تونے اس کا کیا علاج | دل بھی کوئی مال تھا جو تیرے بیعانے میں تھا

موت سے بدتر تھی مجھ کو تو قفس میں زندگی | دانہ کیا کھاتا بھلا میں زہر ہر دانے میں تھا

عمر بھر میں تو نے دیکھا بھی اُسے زاہد کبھی | جس کی قدرت کا تماشا روز میخانے میں تھا

تم عیادت کو نہ آتے تو دھرا کیا تھا یہاں | کوئی دم کا اور وقفہ دم نکل جانے میں تھا

تیر اُن کا آ کے ٹھہرا دل سے جگر کھٹکا رہا | اُنس اپنے میں نہ پایا وہ جو بیگانے میں تھا

فصلِ گل کیسی کہاں کی سیر کس کی دل لگی | باغ میں بھی کوئی ہوگا میں تو ویرانے میں تھا

وہ کہیں سے آئے ہونگے میں نے دیکھا تھا اُنہیں | مُنھ بھی کچھ جھٹکا ہوا تھا اور بھی شانے میں تھا

میں جہاں سمجھا تھا دل ہیں وہ وہیں نکلا مقیم | وہ نہ کعبہ میں نظر آیا نہ بتخانے میں تھا

بیخود میخوار کی دیکھی کرامت تو نے شیخ
صبح کو مسجد سے نکلا شب کو میخانے میں تھا

غم میں ڈوبے ہی رہے دم نہ ہمارا نکلا | بحر ہستی کا بہت دور کنارا نکلا
آ کے چھٹکی ہیں نہ دامن کا کنارا نکلا | دم بھی قدموں ہی پہ قاتل کے ہمارا نکلا
ہجر میں موت بھی آئی تو بُرے وقت آئی | جان کب نکلی ہے جب صبح کا تارا نکلا
کیا سبب دل کے تڑپنے کا ہی میں بھی تو کہوں | تو نے دیکھا تیری آنکھوں کا اشارا نکلا
نہ عیادت نہ مداوا نہ جنازہ کی نماز | جاؤ بھی تم سے نہ کچھ کام ہمارا نکلا
چار عنصر سے ہے انسان کی تخلیق غلط | میرے تو دل کی جگہ سینہ میں پارا نکلا
موت آتی ہی نہ تھی جان کو قربان کیا | وصل اُس کا مرے مرنے کا سہارا نکلا
کان ہیں میرے گنہگار رسا تھا میں نے | میکدہ سے کوئی اللہ کا پیارا نکلا
آگ بھر دی ہے محبت نے مری رگ رگ میں | میرا تو خون بھی دوزخ کا شرارا نکلا
میں فقط دل ہی پہ سمجھا تھا تمہارا قبضہ | خط تقدیر میں بھی نام تمہارا نکلا
بیکسی میری قیامت میں قیامت ہوگی | داور حشر اگر وہ ستم آرا نکلا
نہ دبا غیر سے باتوں میں بڑی بات رہی | گو وہ نازک ہے مگر دل کا کرارا نکلا
تیرا صدقہ ہے جو دنیا میں ہوا ہے مشہور | فتنہ حشر ترے قد کا اتارا نکلا
اپنی زلفوں کے تصور کا اثر دیکھ لیا | میری آہوں کا دھواں عنبر سارا نکلا

چار غیروں میں تو بیخود اُسے بدنام نہ کر
پھر وہی نام تیرے مُنھ سے دوبارا نکلا

اجل کا خوف شب وصل یار میں بھی تھا
خزاں کا رنگ ہماری بہار میں بھی تھا

نصیب داغ جگر لالہ زار میں بھی تھا
فسردہ غنچۂ خاطر بہار میں بھی تھا

ملے وہ جھک کے اگر ہٹ کے دور جا بیٹھے
غرور و کبر وہاں انکسار میں بھی تھا

ترے کرم کے بھروسہ پہ زندگی گذری
ترے کرم کا بھروسہ مزار میں بھی تھا

ہجوم حسرت ارماں و فور یاس و امید
فراق میں بھی رہا انتظار میں بھی تھا

نہ آیا تو تو قیامت کی ٹھوکریں کھائیں
مٹا ہوا کوئی تجھ پر مزار میں بھی تھا

عجیب چیز ہے یادش بخیر درد ترا
کبھی یہ میرے دل بیقرار میں بھی تھا

قرار کب دل مشتاق دید کو آیا
ادھر زمین سے پہلو مزار میں بھی تھا

اٹھا نہ کب مرے سیل سرشک سے طوفاں
یہی نصیب کا رونا بہار میں بھی تھا

ہمیں وفا سے نہ تھے شرمسار کچھ دل میں
حجاب چشم تغافل شعار میں بھی تھا

انہیں خیال کچھ اپنا نہ پاس کچھ میرا
یہ بات بات پہ غصہ ہزار میں بھی تھا

ہر ایک پھول میں اس کی جھلک نظر آئی
جمال یار کا پرتو بہار میں بھی تھا

جگہ ملی مجھے مر کر جوار رحمت میں
نسیم خلد کا جھونکا مزار میں بھی تھا

کیا جو قتل بھی اس نے تو دم نہیں مارا
وہی سکوت کا عالم مزار میں بھی تھا

گرا جو آنکھ سے آنسو وہ بن گیا موتی
یہ ضبط گریۂ بے اختیار میں بھی تھا

وہ دل کو لے کے یہ فرماتے ہیں یا تو نے
یہ نامراد ترے اختیار میں بھی تھا

کسی کے قہر میں بھی تھی لحاظ کی شرکت
عتاب کچھ نگہ شرمسار میں بھی تھا

یہ جور تم نے کیا تھا کرم نما کیسا
حساب میں بھی نہ تھا پھر شمار میں بھی تھا

نہ تھا جوانی و پیری میں فرق کچھ بیخود
یہاں تو نشۂ غفلت خمار میں بھی تھا

می پلا کر آپ کا کیا جائے گا
جائیگا ایمان جس کا جائے گا

میرے گھر تک اُن سے آیا جائے گا
درد دل کیونکر خدایا جائے گا

دیکھ کر مجھ کو وہ شرما جائے گا
یہ تماشا کس سے دیکھا جائے گا

جلوہ اُس کا خود نظر آجائے گا
دل سے جب اپنا پرایا جائے گا

روز لڑتا مجھ کو کیا معلوم تھا
منّتوں سے یوں منایا جائے گا

موت سے رہتا ہے دل کھٹکا ہوا
دیکھئے کس دن یہ کھٹکا جائے گا

جاؤں بت خانہ سے کیا کعبہ میں
ہاتھ سے یہ بھی ٹھکانا جائے گا

رہنے بھی دو دل ابھی کہتے ہیں وہ
ایسی کیا جلدی ہے دیکھا جائے گا

بات بھی اس ڈر سے ہم کرتے نہیں
وہ ہمارا مدعا پا جائے گا

پی بھی لے دو گھونٹ زاہد پی بھی لے
میکدہ سے تو پیاسا جائے گا

وعدہ دیدار کی مدّت ہو کم
حشر تک ہم سے نہ جاگا جائے گا

قتل کی دی اُس نے جب دھمکی مجھے
کہدیا میں نے بھی دیکھا جائے گا

بوسہ دیکر جان کے طالب ہیں وہ
اب کوئی اُن کا تقاضا جائے گا

دیکھنا اُس کا قیامت ہو گیا
کیا خبر تھی ہم کو دل آجائے گا

داغ اُلفت کی چمک مٹتی نہیں
قبر تک اس کا اُجالا جائے گا

یہ سمجھ کر گالیاں دیتے ہیں وہ
بھولی صورت پر پیار آجائے گا

دختِ رز کو منھ لگانا ہی نہ تھا
اب کہیں **بیخود** یہ چسکا جائے گا

دونوں طرف نظر کا اثر ایک سا ہوا
میں گر پڑا وہ دیکھ رہا ہے جھکا ہوا

دہرا رہا تھا میں تو عدو کا کہا ہوا
الٹے وہ مجھ سے روٹھ گئے فیصلا ہوا

جھجکا نظر چرائی ڈرایا خفا ہوا
کن شوخیوں سے وصل میں بوسہ عطا ہوا

میری تو ایک بات کا اتنا گلا ہوا
کچھ آپ کو بھی یاد ہے اپنا کہا ہوا

غصہ ہی بات بات پہ کیا خاک کچھ کہوں
کل تک تو یہ مزاج نہ تھا آج کیا ہوا

تیرے گلے کے ہار سے آئی وفا کی بو
پھولوں میں کوئی دل تو نہیں ہے گندھا ہوا

یوں آپ مجھ سے وصل میں روٹھیں ہزار بار
میری خوشی سے رنج ہوا یہ برا ہوا

ہے دل کے ساتھ دل کی تمنا کا خاتمہ
چھوڑے گی تیغ یار نہ تسمہ لگا ہوا

باہم ہنسی مذاق میں کیا کام رنج کا
بھولے سے کہدیا جو کوئی لفظ کیا ہوا

جب دیکھتے ہیں آپ کن انکھیوں سے غیر کو
کہتی ہے نگاہ نشانہ خطا ہوا

اے چارہ ساز یہ تو بتا اس کا کیا علاج
آنسو تھمے تو درد جگر میں سوا ہوا

جھیلے سہے اٹھائے وہ صدمے فراق میں
ناخن سے گوشت گوشت سے ناخن جدا ہوا

ہستی کا اپنی وہم بھی دل سے مٹا دیا
جب جا کے آشنا کوئی نا آشنا ہوا

چٹکی بھی دل میں لیتے ہیں پھر پوچھتے بھی ہیں
فرمایئے بتایئے کہہ دیجے کیا ہوا

کوئی تو بیکسی میں ہے ہمدم پرسانِ حال بھی
اُن کو ملال ہے تو قیامت کو کیا ہوا

دنیا سے ہاتھ اُٹھا کے اُٹھائے ہیں ہم نے ہاتھ
مر جائیں گے جو تیرِ دعا نارسا ہوا

حسرت کو غم کو رنج کو کب تک رکھیں عزیز
یہ ہم سے پھیر لیجیے اپنا دیا ہوا

مشکل ہے التفات ادھر ہو اُدھر نہ ہو
بیٹھا ہے غیر بھی تو برابر لگا ہوا

میں صلح کل ہوں مجھ کو عداوت سے واسطہ
دشمن تو مدعی کا مرا مدعا ہوا

یہ کہہ کے اپنی بزم سے دشمن کو ٹالیے
آیا تھا کوئی شخص تجھے پوچھتا ہوا

مجھ کو تو بزمِ یار بھی خلوت سے کم نہیں
بیٹھا ہوں دور سب کی نظر سے بچا ہوا

مدفن میں اپنی خاک سے آئی صدا مجھے
ہیں نقشِ پائے یار ہوں لیکن مٹا ہوا

بیخود کو اب نصیب کہاں بادۂ طرب
برسوں میں مل گیا کوئی ساغر تو کیا ہوا

قیامت تک تو اب صدمہ بچھڑنے کا نہیں جاتا
ہماری جان جاتی ہے دلِ شیدا نہیں جاتا

اکیلا بزمِ دشمن میں اُسے چھوڑا نہیں جاتا
چھپا کر لے چلا ہوں دل میں تنہا نہیں جاتا

بھری محفل میں ہوتا ہے تماشا رقصِ بسمل کا
جدھر وہ دیکھ لیتے ہیں اُدھر دیکھا نہیں جاتا

پڑے گی آنکھ بھی اچھوں پہ واعظ عشق بھی ہوگا
نظر روکی نہیں جاتی ہے دل باندھا نہیں جاتا

ذرا چتون پہ بل آیا کہ ہم سمجھے اجل آئی
ہمیں تو وصل میں بھی موت کا کھٹکا نہیں جاتا

ستم ڈھائیگا دل لیکر بھلا کیونکر یقیں آئے
کسی کی بھولی صورت سے تو یہ پایا نہیں جاتا

ہزاروں مٹ گئے لاکھوں چلے ناکام دنیا سے
جفا تیری نہیں مٹتی ستم تیرا نہیں جاتا

تجلّی ہوش کھو دیتی ہے موسیٰ کی طرح اپنے
وہ جب بے پردہ ہوتے ہیں تو پھر دیکھا نہیں جاتا

دیئے ہیں کیسے کیسے امتحاں اک مرنے والے نے
مگر اب تک تمہارا بیوفا کہنا نہیں جاتا

وہ اپنے گھر سدھارے صبر و طاقت ہوگئے رخصت
گئے سب جانیوالے درد ہی دل کا نہیں جاتا

نہ دھوکا دے اگر اے جذبِ دل ہے تو اثر تجھ میں
اُسے تو لے نہیں آتا وہ اب تک آ نہیں جاتا

تمنّا قتل کی، ارمان تیرا، شوق جنّت کا
ہمارے ساتھ دنیا سے کوئی اپنا نہیں جاتا

جُدائی شاق ہے ایسی تری تصویر کو تیری
کہ ظاہر میں تو اچھی ہے مگر بولا نہیں جاتا

وہ جب قائل ہوئے غصّہ میں بھر کر مجھ سے فرمایا
کہ اس چھوٹی زباں کو کاٹ کر پھینکا نہیں جاتا

اجل یوں کیا جُدائی میں نہیں آتی نہیں آتی
ٹلتے بھی تو کیا وہ گھر نہیں جاتا، نہیں جاتا

غشی سی ہو افاقت بھی تو آنکھیں بند رکھتے ہیں
ہمارا حال خود ہم سے بھی اب دیکھا نہیں جاتا

مناؤ چل کے بیخود کو نہیں وہ جان کھووے گا
بُری حالت میں ہے کمبخت پہچانا نہیں جاتا

گناہ کرنے میں اکثر قصور میں نے کیا
بڑا گناہ یہ ربِّ غفور میں نے کیا

سلوک غیر سے اتنا ضرور میں نے کیا
کہ اُس پہ تھوپ دیا جو قصور میں نے کیا

جتا جتا کے تری خوبیاں بگاڑی خُو
تجھے تو حُسن کے نشہ میں چُور میں نے کیا

یہاں تو دم پہ بنا دی ہے رشکِ دشمن نے
وہ جانتے ہیں اسے ناصبور میں نے کیا

ہر ایک ذرّے میں سَو سَو تجلّیاں دیکھیں
جلا کے خاک تجھے کوہِ طور میں نے کیا

کسی کے عشق کو الزام دے بلا تیری
تجھے تو خوار دلِ ناصبور میں نے کیا

نگاہ غیر کی جانب خطا ہے مُجھ سے
تری قسم کا یقیں اب ضرور میں نے کیا

عدو سے راز کہا مجھ سے چُپ رہا نہ گیا
یہ چُوک تم سے ہوئی یہ قصور میں نے کیا

وہ صبح سوتے سے اُٹھے تو بدگماں اُٹھے
کبھی جو خواب میں بھی ذکرِ حور میں نے کیا

فلک کے شکوہ پہ کس رشک سے کہا اُس نے
ذلیل و خوار تجھے اب سے دور میں نے کیا

جفائیں تم نے تو کیں تم نے تو غضب ہائے
اب اس سے کیا نہ کیا یا قصور میں نے کیا

لگاؤ آگ مرے دل میں تم خدا نہ کرے
مچل مچل کے اسے ناصبور میں نے کیا

یہاں تو تاب نہ تھی غم سے لب ہلا نہ سکی
وہ خامشی اسے یہ سمجھے غرور میں نے کیا

کہیں سُراغ نہ پایا کہیں پتا نہ ملا
تلاش اُس کو بہت دور دور میں نے کیا

مٹائی داغِ محبّت سے تیرگی دل کی
اس آفتاب سے سایہ کو نور میں نے کیا

عدو کی بزم میں بیخود نہ چھیڑنا تھا انہیں
جو پوچھئے تو بڑا یہ قصور میں نے کیا

کبھی خونِ جگر پایا کبھی لختِ جگر پایا
غمِ الفت نے اس گھر سے وظیفہ عمر بھر پایا

خزاں آتے ہی گلشن کو یہ اندازِ دگر پایا
لگا کر گُل سے دل کو تو نے بُلبل کیا ثمر پایا

اشارے بھی ہوئے آپس میں نظریں بھی لڑیں باہم
تری تصویر کو تجھ سے بھی ہم نے شوخ تر پایا

گئے ناکام دُنیا سے ہزاروں ڈھونڈنے والے
وہ کب پایا کسے پایا کہاں پایا کدھر پایا

عدو کے حال کی تفتیش ہمدم ہم نہیں کرتے
فقط اتنا بتا دے ہم کو اُس کا رُخ کدھر پایا

نئی یہ بات دیکھی ہم نے اُس انداز والوں میں
جنہیں آگاہ سمجھا انہیں کو بے خبر پایا

نہ دیکھا چشمِ گردوں نے کبھی ایسا چاند سا چہرہ
بلا کا حُسن کچھ تو نے اے رشکِ قمر پایا

مری بربادیاں اکثر رہیں مدِّ نظر تجھ کو
مری خانہ خرابی نے تری آنکھوں میں گھر پایا

اُدھر سے کوئی آئے پوچھ لینا فرض ہے ہمکو
کہیں جاتا ہوا تم کو ہمارا نامہ بر پایا

اُسے دشمن کی چاہت بدگمانی ہے تری تا صید
جو احساں جس کے منھ سے ہم نے عمر بھر پایا

ہزاروں خوبیوں کے ساتھ تجھ میں یہ بُرائی ہے
ترے عدو کو جھوٹا ہم نے ظالم بیشتر پایا

لڑائی آنکھ کیا اُن سے صفائی ہو گئی سب کی
نہ دل پہلو میں پھر نکلا نہ سینہ میں جگر پایا

وفا بھی جرم ٹھیری قدردانی اس کو کہتے ہیں
یہی اس کا صلا تھا بندہ پرور ہم نے بھر پایا

مٹائے سے کوئی مٹتا ہے قسمت کا لکھا بیخود
دُعا ہو یا بکا ہم نے تو سب کو بے اثر پایا

بیاں ہم سے تو اپنا حال پورا ہو نہیں سکتا
کہے گا اُس سے قاصد وہ سُنے گا ہو نہیں سکتا

ہوا جو وقفِ غم وہ دل کسی کا ہو نہیں سکتا
تمہارا بن نہیں سکتا ہمارا ہو نہیں سکتا

غلط ہے افترا ہے جھوٹ ہے بے اصل ہے قاصد
کسی کا خط مری قسمت کا لکھا ہو نہیں سکتا

سُنا پہلے تو خوابِ وصل پھر ارشاد فرمایا
ترے رسوا کئے سے کوئی رسوا ہو نہیں سکتا

تمنّا میں رہے دل یا تمنّا آپ کی دل میں
ہمارے فیصلہ سے طے یہ جھگڑا ہو نہیں سکتا

وفا کا امتحاں دو گے ہٹو جاؤ چلو بیٹھو
تمہارے جھوٹے وعدے کی سند کیا ہو نہیں سکتا

دعائے وصل سے ہم ہاتھ کھینچیں یہ نہیں ممکن
کہے جائیں نہ ہاں سے آپ ایسا ہو نہیں سکتا

لگاوٹ اسکی نظروں میں بناوٹ اسکی باتوں میں
سہارا مٹ نہیں سکتا بھروسا ہو نہیں سکتا

تسلّی دردمندوں کو ستمگر دے نہیں سکتے
لب پیماں شکن تیرا مسیحا ہو نہیں سکتا

جوانی ساتھ لیکر آئی ہے شرم و نزاکت کو
تری رفتار سے اب حشر برپا ہو نہیں سکتا

اجازت ہو ہماری بندگی لیجے ہمیں رخصت
ملا کر دل اگر ملنا گوارا ہو نہیں سکتا

بگڑ کر منھ بنا کر ذکر لیلے پر وہ کہتے ہیں
بشر دنیا میں کوئی ہم سے اچھا ہو نہیں سکتا

مجھے اسکی طلب زاہد تجھے جنّت کی خواہش ہے
مثال داغ دل ماتھے کا گٹّا ہو نہیں سکتا

دعائیں حسب قدر دی ہیں وہ قیمت تھی نگاہوں کی
مگر ان پیار کی باتوں کا بدلا ہو نہیں سکتا

عدو جھوٹا ہے ہم جھوٹے ہیں یہ نیچی نظر جھوٹی
تمہارے سامنے کوئی بھی سچّا ہو نہیں سکتا

خیال غیر کو دل میں مقیّد کرکے رکھا ہے
رہیں ہم آپ کی فرقت میں تنہا ہو نہیں سکتا

تمنّا میں تری مٹ جائے دل ہاں یہ تو ممکن ہے
مرے دل سے مٹے تیری تمنّا ہو نہیں سکتا

نکل کر آپ پردے سے ذرا باہر تو آجائیں
قیامت میں جو کل ہوگا وہ اب کیا ہو نہیں سکتا

وفا کے عہد و پیماں سے پھریں ہم پھر نہیں سکتے
تمہیں قول و قسم کا پاس ہوگا ہو نہیں سکتا

نہ فرصت ہے نہ راحت ہے نہ یکسو وہ طبیعت ہے
غزل کیا خاک لکھیں شعر اچھا ہو نہیں سکتا

سر گرا ضعف سے قابو سے چلا دل اپنا
آپ کے کوچے میں تھمنا ہوا مشکل اپنا

جلوہ دیکھے کوئی اب خور شمائل اپنا
آئینہ بن گیا جب صاف ہوا دل اپنا

آئینہ دیکھ کے لٹتے ہیں لڑکپن دیکھو
اپنے ہی عکس کو سمجھے ہیں مقابل اپنا

کبھی کچھ پیار کی باتیں کبھی کچھ ذکر وفا
اپنا معشوق ہے فرقت میں تسلی دل اپنا

ناز و انداز زمانے کے اڑائے تو نے
اک نہ اک ان میں نکل آتا ہے قاتل اپنا

کر گئے چال قیامت کی قیامت ہیں یہ ہم
کر لیا غیر کو فریاد میں شامل اپنا

اب وہ جوش تمنا ہے نہ وہ شوق وصال
تو نے اے عہد شکن توڑ دیا دل اپنا

اک جھلک داغ جگر کی جو دکھا دیں کبھی ہم
اس طرف منھ نہ کرے پھر مہ کامل اپنا

ہاتھ لا خوب ہی نفس کشی کی زاہد
مجھ کو سودا نہیں بن جاؤں جو قاتل اپنا

ہر نگہ چشم میں ظالم غضب آلودہ نگاہ
کر لیا فتنہ کو اس فتنے نے شامل اپنا

دم نکلتے ہی ہوئے حسرت و ارماں رخصت
قافلہ لٹنے لگا پہلی ہی منزل اپنا

جب پڑی روز ازل جور و جفا کی بنیاد
ظلم و بیداد کے سہنے کو بنا دل اپنا

سچ کہا ہے نہیں ہوتا کوئی بگڑی کا شریک
سانس بھی ہجر میں آتا ہے بمشکل اپنا

ہم تو خود چاہتے ہیں یہ کہ نہ چاہیں تجھکو
مانتا ہی نہیں سنتا ہی نہیں دل اپنا

کچھ خوشامد بھی ہے کچھ ظلم کا اندیشہ بھی
کبھی اس شوخ کا بنتا ہے کبھی دل اپنا

کر گئی ناقہ میں بیتابیٔ مجنوں تاثیر
دل سنبھالے ہوے ہے لیلی محمل اپنا

خوب ہی ان کو لیا بزم میں آڑے ہاتھوں
ہو گیا آج تو میں آپ بھی قائل اپنا

ترچھی ترچھی وہ نگاہیں وہ ادائیں بانکی
دیکھتے ہی جنہیں بس لوٹ گیا دل اپنا

فرد ہے ایک ہی بے مثل ہے یکتا ہے وہ شوخ
جس کا ہر ناز ہر انداز ہے قاتل اپنا

آپکے سر کی قسم ہم ہیں وفا کے بندے
آپ فرمائیں تو آنکھوں سے ملے دل اپنا

ہم کو دشمن کی بھی ایذا سے ہے ایذا بیخود
صاحب درد ہے بیدرد نہیں دل اپنا

تم ہمارے دلِ شیدا کو نہیں جانتے کیا
اور غیروں کی تمنّا کو نہیں جانتے کیا

آپ طولِ شبِ یلدا کو نہیں جانتے کیا
میری تکلیف کو ایذا کو نہیں جانتے کیا

ایسے بھولے نہیں وہ ایسے بھی نادان نہیں
مٹنے والے کی تمنّا کو نہیں جانتے کیا

ہم کو اندازِ تجاہل میں مزا آتا ہے
ورنہ ہم آپ کی اس کیا کو نہیں جانتے کیا

کہیں ہوتا بھی ہے جان بخش لبِ عہد شکن
تیرے اس جھوٹے مسیحا کو نہیں جانتے کیا

حرفِ مطلب سے وہ آگاہ نہیں جھوٹ ہے یہ
دل میں ہیں دل کی تمنّا کو نہیں جانتے کیا

بوسہ لیتے ہوئے کیوں جان نہ نکلے اپنی
آپ کے نقشِ کفِ پا کو نہیں جانتے کیا

سرو اس طرح سے گلشن میں اکڑتے کیوں ہیں
یہ تمہارے قدِ زیبا کو نہیں جانتے کیا

پہلے دل تھام لو پھر آئینہ تم ہاتھ میں لو
اپنے حسنِ رخِ زیبا کو نہیں جانتے کیا

کل کا وعدہ تو قیامت کا پتا دیتا ہے
ہم ترے وعدۂ فردا کو نہیں جانتے کیا

آنکھ سے آنکھ ملا کر بھی تغافل کیا خوب
اس اشارے کو اس ایما کو نہیں جانتے کیا

کر نہ دیں اس کو مکدّر کہیں آہیں بیخود
آپ اس آئینہ سیما کو نہیں جانتے کیا

غیر سے مل کر بگڑ جانے کو خوگر ہو گیا
کیا مزاجِ یار بھی میرا مقدّر ہو گیا

جو نہ ہوتا عمر بھر دشمن سے پھر کر ہو گیا
اے نگاہِ یار اب دل میں ترا گھر ہو گیا

ٹوٹنے سے اور پیدا دل میں جوہر ہو گیا
قیمتی شیشہ ہمارا بال پڑ کر ہو گیا

دوست دشمن بن گیا دل بر ستمگر ہو گیا
ہر اشارہ غیر کی محفل میں خنجر ہو گیا

کیا اسی کا نام الفت ہے کہ جب دیکھا اسے
خود بخود اک جوش پیدا دل کے اندر ہو گیا

کیا غضب ڈھائے ہیں آتے ہی جوانی نے ترے
دل بھی پتھر ہو گیا سینہ بھی پتھر ہو گیا

دوستی کا آپ کو برتاؤ کیا آتا نہیں
یہ ہمارے ساتھ بھی بھولے سے اکثر ہو گیا

رو چکے بس غیر کو اپنی طرف بھی دیکھیے
دشمنوں کا حال کیا غم سے پچھڑ کر ہو گیا

اس گرانبارِ محبت کو سبکدوشی کہاں
اُس نے مارا غیر کو احسان مجھ پر ہو گیا

ہے سوالِ وصل کچھ اُلجھا ہوا مضمون نہیں
سوچتے ہی سوچتے تم کو پہر بھر ہو گیا

ناپ لیجے اپنے گیسو کی درازی قد سے آپ
اب تو یہ فتنہ قیامت کے برابر ہو گیا

عمر بھر کے واسطے کچھ صبر کا ٹھیکہ نہیں
مجھ سے تو یہ بھی غنیمت ہے جو دم بھر ہو گیا

لوگ کرتے ہیں بسر فرقت میں کیونکر زندگی
ایک دن بھی کاٹنا ہم کو تو دوبھر ہو گیا

اے نگاہِ حسرت آگیں تو نے کیا جادو کیا
تھام کر ہاتھوں سے دل وہ شوخ مضطر ہو گیا

ایسے ہی تم صاف دل ہو کیوں بناتے ہو مجھے
غیر نے جو کہہ دیا وہ تم کو باور ہو گیا

وضع کا پابند ہو اُس کی بلا کو کیا غرض
دو گھڑی کے بعد ہر انداز دوبھر ہو گیا

آپ کی اُلفت کہاں دشمن کا اتنا دل کہاں
یہ تو مجھ سے ہی قصور اے بندہ پرور ہو گیا

آنکھ کہتی ہے کہ اب برباد کرتے ہیں تجھے
منھ سے یہ ارشاد ہے دل میں ترا گھر ہو گیا

کر لیا رندوں نے اُس کو بھی مسلماں کر لیا
آج بیخود بھی شریکِ دورِ ساغر ہو گیا

جب یہ کہا کہ ہم نے تمہارا ادب کیا
آنکھوں میں آنکھیں ڈال کے بولے غضب کیا

وعدہ پہ آپ آ گئے یہ کیا غضب کیا
احسان جو کبھی نہ کیا تھا وہ اب کیا

قاصد کا کیا قصور جو چپ سادھ لے کوئی
جو کچھ پڑھا دیا تھا ادا اُس نے سب کیا

چھو کے جو اُن کو رازِ محبت جتا دیا
بھولے جو اُن سے شکوۂ رنج و تعب کیا

دل ہم کو دیجیے یہ تمہارا سوال تھا
ہم نے خدا کے واسطے اقرار کب کیا

طاعت ہی کیا مری وہ عبادت ہی کیا مری
میں جانتا ہوں تونے کرم بے سبب کیا

قسمت کو ہم تو روتے ہیں روئیں گے عمر بھر
دشمن کا شکوہ کس نے کیا تم سے کب کیا

اے دل اگر وہ شوخ قیامت میں بھی ملے
یہ جاننا کہ وعدہ وفا اُس نے اب کیا

واعظ نے پہلے زہر یہ اُگلا نہ تھا کبھی
کیا زہر مار ساغرِ بنت العنب کیا

دل کانپتا ہے یار سے ملتی ہے جب نگاہ
میں جانتا ہوں وار کوئی اُس نے اب کیا

درباں کی یہ مجال کہ یوں روک لے ہمیں
ہم نے تمہارا پاس تمہارا ادب کیا

اعجازِ لب ہیں آپ کے جادو شریک ہے
دشمن کو زندہ کرکے مجھے جاں بلب کیا

تیری عطا کا تیری عنایت کا کیا شمار
تو نے وہی دیا ہے جو ہم نے طلب کیا

بیخود کہیں خلل تو نہیں ہے دماغ میں
آپ اور پھیلے عذرِ جفا اُس نے جب کیا

کیوں پریشاں اس قدر دل ہو گیا
سوچتا ہوں کس پہ مائل ہو گیا

حسن میں جب ناز شامل ہو گیا
ایک پیدا اور قاتل ہو گیا

تھا بہت نادر مرا حرفِ سوال
وعدہ کرنا اُن کو مشکل ہو گیا

میرے سینہ سے نکلتا ہی نہیں
ناوکِ سفاک بھی دل ہو گیا

سامنے سے اب نہیں ہٹتا کبھی
آئینہ بھی اُس پہ مائل ہو گیا

کہتے ہیں عاشق نہیں گر کچھ کہے
بات کا کرنا بھی مشکل ہو گیا

قید ہے زنداں میں ضبطِ عشق کی
نالہ پابندِ سلاسل ہو گیا

تھی نگاہ حسرت آلودہ غضب
میں ترے بسمل سے بسمل ہو گیا

عشق سے پہلے نہ تھا میں بے خبر
آنکھ لگ جانے سے غافل ہو گیا

اُن سے نازک پہ نہ رحم آیا اسے | سخت کیسا وصل میں دل ہوگیا

چاہنے والوں میں اُس کے دھوم ہے
ہم میں یہ **بیخود** بھی شامل ہوگیا

ہر وقت مزاج اُن کا ہم نے تو نیا دیکھا | دُنیا سے الگ پایا عالم سے جُدا دیکھا
شرمانے میں ظالم کے شوخی کا مزا دیکھا | خالی نہ شرارت سے اندازِ حیا دیکھا
فریاد جو کی میں نے دل تھام کے ہو بیٹھے | عاشق کے ستانے کا کچھ تم نے مزا دیکھا
پہلے تو مرے آگے بے پردہ چلے آنا | مُنھ پھیر کے پھر کہنا کچھ کہیے تو کیا دیکھا
جب صاف کیا دل کو عکس اُس کا نظر آیا | اس آئینہ کو ہم نے تصویر نما دیکھا
اُلفت اسے کہتے ہیں یہ جذب محبت ہے | بے آئے مرے گھر میں تو رہ نہ سکا دیکھا
اس پر بھی نہ رحم آیا اُس کو بھی غلط جانا | حالت بھی دکھا دیکھی قصہ بھی سُنا دیکھا
کیوں پھر تو نہ پوچھو گے کچھ حال جُدائی کا | افسانۂ غم سُن کر رونا ہی پڑا دیکھا
مطلب ہی نہیں کُھلتا ہر لفظ ہی بے معنی | خط آپ کا کیا دیکھا قسمت کا لکھا دیکھا
سب اُس کے ہوئے ساتھی اپنا نہ ہوا کوئی | دُنیا میں بھی آ دیکھا محشر میں بھی جا دیکھا

کیوں خیر تو ہے **بیخود** کس فکر میں بیٹھا ہے
ایسا نہ کبھی تجھ کو اے مردِ خدا دیکھا

ہر ایک حسیں دیکھا ہر ماہ لقا دیکھا | انداز مگر سب سے کچھ تیرا جدا دیکھا
کیوں حضرتِ دل اُس پر مرنے کا مزا دیکھا | آغازِ ستم دیکھا انجامِ وفا دیکھا
کچھ اُن کی تسلی سے تسکین نہ ہوئی دل کی | درد اور سوا پایا غم اور سوا دیکھا
ناکامئ عاشق نے مقتل میں کھلایا گل | چاہا تھا جو کچھ تم نے وہ بھی نہ ہوا دیکھا

ہیں نزع میں ہوں کل سی لی تم نے خبر اچھی
آئے بھی تو کیا آئے دیکھا بھی تو کیا دیکھا

تجھ پر نہ کریں نالے تاثیر تو حیرت ہے
بیٹھوں کو اٹھا دیکھا سوتوں کو جگا دیکھا

پھر اپنی طبیعت کا زاہد ہے خدا حافظ
کعبہ میں کسی بت کو گر جلوہ نما دیکھا

جب آنکھ پڑی اپنی اک بات نئی پائی
ان دیکھنے والوں نے تجھ کو ابھی کیا دیکھا

پیتا ہے خدا جانے دن رات میں یہ کتنی
میخانہ کے در پر ہی **بیخود** کو پڑا دیکھا

کون سا ظلم اُس کا اے شورِ فغاں باقی رہا
تو ہی جانے گا اگر اب آسماں باقی رہا

اب زمانے میں نہ کوئی خستہ جاں باقی رہا
ہو چکا یا اور بھی کچھ امتحاں باقی رہا

ہم نے کیوں پوچھا ستم باقی رہا کچھ اور بھی
اُن کو کہنا ہی پڑا مجبور ہاں باقی رہا

صاف میدان کر کے قاتل پھر بھی ہے برہم مزاج
اس صفائی پر بھی رنجش کا گماں باقی رہا

خوب گلشن کو کیا آراستہ صیاد نے
دیکھنے کو بھی نہ کوئی آشیاں باقی رہا

جان لیکر بھی وہ کہتے ہیں غضب تو دیکھئے
بیوفائی کا ابھی تجھ پر گماں باقی رہا

ہم تو بچنے کے نہیں اب تم کمی کرتے ہو کیوں
ہو چکے وہ بھی کہیں جو امتحاں باقی رہا

آج یہ کہکر مرے قاتل نے کھینچی تیغ تیز
تجھ سے سمجھوں گا جو کوئی سخت جاں باقی رہا

دل میں جو کچھ تھا ہمارے آپ سے سب کہدیا
اب فقط کہنے ہی کو رازِ نہاں باقی رہا

اک ہماری سخت جانی نے کئے کیا کیا ستم
وہ تھکے شمشیر ٹوٹی امتحاں باقی رہا

لوگ کہتے ہیں یہاں پہلے کسی کی قبر تھی
مٹ مٹ کر بھی مرا اتنا نشاں باقی رہا

اب کسے تاکیں کسے جھانکیں جوانی ڈھل گئی
وہ دلِ پُر آرزو **بیخود** کہاں باقی رہا

تری گلی میں ہمیں دن تمام کر لینا — قدم قدم پہ ٹھہرنا مقام کر لینا

ہماری آنکھوں میں پھرنے سے تم جو تھک جاؤ — یہ دل بھی گھر ہے تمہارا قیام کر لینا

بگاڑ میں بھی تو انداز ہے لگاوٹ کا — نظر چرا کے وہ اُن کا سلام کر لینا

گئے وہ صبح شبِ وصل مجھ سے یہ کہکر — مرے خیال میں رو رو کے شام کر لینا

ہمیں نے تم کو سکھایا ہمیں سے سیکھے ہو — یہ بات بات میں کچھ اپنا کام کر لینا

دلِ رمیدہ ہوا وہ ہوئے یہ چرخ ہوا — ہنسی نہیں ہے کچھ ایسوں کا رام کر لینا

شراب پینے میں عذرِ نماز کیا زاہد — پڑا ہے وقت بہت یہ بھی کام کر لینا

ہمارا خط انہیں دینا پیامبر پیچھے — ادا زبان سے پہلے پیام کر لینا

ملا کے خاک میں مجھ کو فلک ہوا بدنام — نشاں مٹا کے مرا تم بھی نام کر لینا

دیا جواب یہ اُس بُت نے آرزو کا مجھے — خدا سے طور پہ جا کر کلام کر لینا

سنبھال لیں گے دلِ مضطرب کو ہم اپنے — نگاہِ شوخ کی تم روک تھام کر لینا

رہے نہ حضرت بیخود کبھی بغیر پیئے
گرہ میں دام نہ نکلیں تو وام کر لینا

کیوں سُنیں حال اہلِ مطلب کا — جانتے ہیں وہ مدّعا سب کا

دوست دشمن پہ کچھ نہیں موقوف — اک زمانہ ہے اپنے مطلب کا

بزمِ عشّاق میں تغافل کیا — اک نظر میں ہے فیصلہ سب کا

شکوۂ جور پر کہا اُس نے — ذکر کرتے ہیں آپ یہ کب کا

دل کے دینے میں ہم کو عذر نہیں — آدمی مل گیا اگر ڈھب کا

کیوں کسی پر کسی کو رشک آئے — ایک سا حال ہو اگر سب کا

آج بنتی ہے دم پہ کیا دیکھیں
وعدہ اُن سے ہوا ہی پھر شب کا

سحرِ بابل جو ہو گیا مشہور
چٹکلا تھا یہ اک ترے لب کا

جو گذر جائے دم غنیمت ہے
حال کیا پوچھتے ہو تم اب کا

آئینہ دیکھنا نہ آتا تھا
کشتۂ ناز ہوں ترا جب کا

عیب پوشی اُسی کو زیبا ہے
نام ستار ہے مرے رب کا

کل قیامت بھی آنے والی ہے
کیجئے آج فیصلہ سب کا

اپنے معشوق کو خدا سمجھے
ذکر کیا عاشقوں کے مذہب کا

ہے جو بیخود کو دعوئے اسلام
کیا یقیں آئے رند مشرب کا

معشوق ہمیں بات کا پورا نہیں ملتا
دل جس سے ملائیں کوئی ایسا نہیں ملتا

دنیا میں اگر ڈھونڈیئے تو کیا نہیں ملتا
سب ملتے ہیں اک چاہنے والا نہیں ملتا

عشاق سے یوں آنکھ تمہاری نہیں ملتی
اغیار سے دل جیسے ہمارا نہیں ملتا

رہتی ہو کسر ایک نہ اک بات کی سب میں
ہم کو تو ان اچھوں میں بھی اچھا نہیں ملتا

کچھ حال سُنئے کچھ ہمیں تدبیر بتائے
غمخوار تو کیسا کوئی اتنا نہیں ملتا

کیا مفت میں تم دل کے خریدار بنے ہو
بے خرچ کئے دام یہ سودا نہیں ملتا

جب دیکھئے ہمراہ ہے دشمن کا تصور
ہم سے تو وہ خلوت میں بھی تنہا نہیں ملتا

دل کوئی ملاتا نہیں ٹوٹے ہوئے دل سے
دنیا میں ہمیں جوڑ ہمارا نہیں ملتا

برباد کیا یاس نے یوں خانۂ دل کو
ڈھونڈے سے بھی اب داغ تمنا نہیں ملتا

جو بات ہے دنیا سے نرالی ہے نئی ہے
انداز کسی میں بھی تمہارا نہیں ملتا

آنکھیں کہے دیتی ہیں کہ دل صاف نہیں ہے
ملتا ہو وہ اس رنگ سے گویا نہیں ملتا

کہتے ہیں جلانے کو ہم اغیار کے مُنھ پر
ایسوں سے تو وہ رشکِ مسیحا نہیں ملتا

ظاہر میں ملاقات ہے باطن میں جُدائی
تم ملتے ہو دل ہم سے تمہارا نہیں ملتا

افسوس تو یہ ہے کہ تمہیں قدر نہیں ہے
عاشق تو زمانے میں بھی ڈھونڈا نہیں ملتا

کہنا وہ شرارت سے ترا دل کو چُرا کر
کیا ڈھونڈتے ہو ہم سے کہو کیا نہیں ملتا

بیخود نگہ لطف پہ دے ڈالیے دل کو
جو ملتا ہے سرکار سے تھوڑا نہیں ملتا

یہی نقشہ رہا کچھ دن اگر چشم ستمگر کا
نگاہِ شرم بھی دینے لگے گی کام خنجر کا

یہ گردش ہے نصیبہ کی یہ چکر ہے مقدر کا
کسی کو یاد کیوں رہنے لگا رستہ مرے گھر کا

لہو پانی ہوا کیا کیا دل بیتاب و مضطر کا
مگر ارمان ابتک بھی نہ نکلا دیدۂ تر کا

بہت حسرت نصیبوں کا گلا کاٹا ہی قاتل نے
مجھے بھی دیکھنا ہی آج جوہر اُس کے خنجر کا

نہ جھپکی ہی پلک اپنی قیامت تک نہ جھپکے گی
ترا زانو بھی بن جائے اگر تکیہ مرے سر کا

کبھی مجھ سی بھی خلوت میں ہوا کرتی تھیں کچھ باتیں
کبھی مجھ پر بھی لطف خاص تھا اک بندہ پرور کا

شبِ وعدہ مرے پہلو میں کیوں یہ بیقراری ہی
پڑا تم پر بھی پرچھانواں دل بیتاب و مضطر کا

جفا سے ہی کبھی عبرت وفا پر ہی کبھی حیرت
دکھا کر حال دل ہم نے بنایا اُن کو پتھر کا

تمہاری چال سی کچھ آج بوئے رشک آتی ہی
عدو سے پوچھ کر آئے ہو کیا رستہ مرے گھر کا

نکل سکتی نہیں آواز بھی اب دادخواہوں کی
کسی کی بیقراری نے مٹایا رنگ محشر کا

کہاں قاصد کہاں پیغام سر نامہ ساں کیسا
کبوتر بھی ملا تقدیر سے ہم کو تو بے پر کا

سماتا ہی نہیں جلوہ کوئی اپنی نگاہوں میں
تماشا جب سے دیکھا ہی کسی کے روزنِ در کا

تجسس اُن کو میری چوٹ پر دن رات رہتا ہے
کسی اچھے سے اچھے کا کسی بہتر سے بہتر کا

ابھی تقریرِ واعظ کا اثر ہوتا ہے رندوں پر
چلے ہمراہ دورِ جام کے گرد کر کوثر کا

مزا دینے لگا ہے ہجر میں بھی وصل کا مجھ کو
سماجانا نگاہوں میں کسی کے روئے انور کا

اِدھر دل ہے اُدھر پیکانِ تیر یار سینہ میں
یہ دشمن اور پیدا کر لیا ہم نے برابر کا

دکھایا چاہتی ہے اب مزا راہِ طلب مجھ کو
قدم پیچھے کو کچھ پڑنے لگا ہے میرے رہبر کا

کیا ہے اُس نے وعدہ تو وفا بھی ہو ہی جائیگا
بدلتے ہی بدلتے رنگ بدلے گا مقدر کا

یہ شوخی تھی شرارت تھی کہ اُس کو وہم تھا کیا تھا
بٹھا کر مجھ کو پہلو میں وہ دشمن کی طرف سرکا

مجھے انجامِ الفت پر نظر ہو بھی تو کیونکر ہو
نہیں معلوم بیخود آدمی کو حال دم بھر کا

دوں جگہ تیر کو سینہ میں مری جان ہے کیا
دل میں رکھوں جو اُسے آپ کا ارمان ہے کیا

آپ کے دم میں جو آجائے وہ نادان ہے کیا
واقفِ راز ہے بیخود کوئی انجان ہے کیا

مجھ کو جنت کا نمونہ تو دکھا دیں واعظ
جو زمانہ سے نرالا ہو وہ سامان ہے کیا

خون بہتا نہ ہو جس آنکھ سے وہ آنکھ نہیں
درد کی جس کو نہ لذت ہو وہ انسان ہے کیا

جس نے دیکھا ہو اُسے وہ یہ بتادے مجھ کو
کیسی ترکیب ہے انداز ہے کیا شان ہے کیا

ہم نے اک بت کا جو انداز نرالا دیکھا
منھ سے بیساختہ نکلا کہ تری شان ہے کیا

بندگی کا بھی سلیقہ نہ ہو جس کافر کو
وہ خدائی کرے اللہ تری شان ہے کیا

غیر دبتا ہے دبلے میری بلا دبتی ہے
میرے سر پر بھی کوئی آپ کا احسان ہے کیا

اک ذرا میری طرف آنکھ اُٹھا کر دیکھو
غیر سے بات نہ کی تم نے یہ بہتان ہے کیا

آپ کے وصل کا ارمان کسی کو نہ ہو گا
میں تو واقف بھی نہیں اس سے کہ ارمان ہے کیا

ساتھ دل کا نہ چھٹے گا غم الفت سے کبھی
جان کی طرح سے یہ بھی کوئی مہمان ہے کیا

دست وحشت کو بھی آتی ہے عجب قطع و برید
خوشنما دیکھیے دامن میں گریبان ہے کیا

آپ پروانہ کے جلنے پہ نظر کرتے ہیں
شمع کو دیکھیے پروانے پہ قربان ہے کیا

اُن کی محفل میں جو **بیخود** کو کیا میں نے سلام
کس تعجب سے وہ بولے یہ مسلمان ہے کیا

اب مجھے عشق آپ کا نہ رہا
اس سے پہلے جو دل میں تھا نہ رہا

میرے پہلو میں تو ہی کیا نہ رہا
بیوفا دل کا بھی پتا نہ رہا

ذکرِ دشمن پہ کھوئے جاتے ہو
بات میں چھیڑ کا مزا نہ رہا

دلِ بیتاب نے کیا یہ خجل
کوئی پہلو جواب کا نہ رہا

داغ بن کر جو دل میں رہتا تھا
وہ کسی کا خیال تھا نہ رہا

جی قفس میں لگے نہ لگے
اب ٹھکانا ہی دوسرا نہ رہا

زید کو چاہیے ہے دل کی آنکھ
کام کچھ اس نگاہ کا نہ رہا

کہتے ہیں مجھ سے پوچھ کر مرنا
اب قضا کا بھی آسرا نہ رہا

دل میں تھی اک خلش تمنّا کی
وصل کے بعد وہ مزا نہ رہا

کیوں تمنّا ہوئی اجل کی مجھے
کیا کوئی اور مدّعا نہ رہا

خوب بدلے ہو بزم دشمن میں
ڈھنگ ہی وہ نگاہ کا نہ رہا

کہیں دشمن کا سر نہ کاٹا ہو
آبِ خنجر میں وہ مزا نہ رہا

اُس کی شہرت ہوئی زمانے میں
حُسن پردہ میں بھی چھپا نہ رہا

جوش دیکھا شباب کا **بیخود**
چار دن بھی وہ اتّقا نہ رہا

آپ سے ملنے میں جو کھچتا رہا | منتظر ہیں دل کے آنے کا رہا

دل میں چھپکر وہ ستم آرا رہا | حال میرا مجھ سے بھی اخفا رہا

زندگی بھر عشق کا چسکا رہا | نام پر مرنے کے میں مرتا رہا

ہجر میں مانگی تھی مرنے کی دُعا | وصل کی شب موت کا کھٹکا رہا

رات بھر ناصح نے کھائے میرے کان | مُنھ میں جو کچھ آگیا بکتا رہا

نزع میں بھی تھا اُسی کا انتظار | ہر طرف حیرت زدہ تکتا رہا

کینہ و بغض و حسد شرم و حیا | دیدہ و دل میں ترے کیا کیا رہا

عشق کی نااتفاقی دیکھنا | مجھ سے وہ میں غیر سے کھٹکا رہا

سختیاں دل نے نہ دیکھیں ہجر کی | خون ہو کر بہ گیا اچھّا رہا

کی نہ تھی شوقِ شہادت نے کمی | ہاتھ قاتل کا ذرا اوچھا رہا

سامنے ہوتے تو کُھلتا رازِ عشق | اُن کے پردے میں مرا پردا رہا

بے حجابانہ وہ دل میں آگئے | اب فقط آنکھوں ہی کا پردا رہا

ساتھ میرا کون دیتا راہ میں | مجھ سے پیچھے دو قدم سایا رہا

کچھ سُنا تم نے جو کچھ میں نے کہا | فیصلہ پھر کیا ہوا پھر کیا رہا

ہو چکی تعریفِ دشمن یا نہیں | کہہ چکے یا اور کچھ کہنا رہا

شکریہ میری وفا کا وصل میں | کن اداؤں سے ادا ہوتا رہا

موت بیخود کی فسانہ ہو گئی
شہر میں برسوں یہی چرچا رہا

وعدہ جو برسوں کا تھا وہ آج ایفا ہو گیا | اب کسی سے کیا غرض مطلب ہمارا ہو گیا

دل جگر سب مٹ گئے اُن کی کدورت کیا مٹی
اس صفائی میں بھرے گھر کا صفایا ہو گیا

دل میں آ جاؤ کہ ہے یہ گھر تو پردے کا مکاں
ہم نے آنکھیں بند کر لیں آؤ پردا ہو گیا

بوسۂ دیگر وصل میں کس ناز سے کہتے ہیں وہ
اب خوشامد کس لیے جو تم نے چاہا ہو گیا

تھا بھروسہ مجھ کو دل کا دو گھڑی کی بات ہے
دیکھ کر اُس کو یہ ظالم بھی اُسی کا ہو گیا

دوست کے دھوکے میں اُس نے دے دیا دشمن کو خط
نامہ بر ایسا مرا آنکھوں کا اندھا ہو گیا

پہلے تو مجھ کو اشارے سے بُلایا پھر کہا
خوش نہ ہونا اپنے جی میں مجھ کو دھوکا ہو گیا

وہ عیادت کر کے اُٹھے تھے کہ نکلا دم مرا
وقت پر آئی اجل بیمار اچھا ہو گیا

کر دیا شوقِ شہادت نے کچھ ایسا لوٹ پوٹ
میرے مرجانے کا قاتل کو اچنبا ہو گیا

اس طرح غش کھا کے گل میں اُنکی چوکھٹ پر گرا
وہ بھی گھبرا کر نکل آئے کہ یہ کیا ہو گیا

اُٹھ گیا دُنیا سے قُم سُنتے ہی مرنا تھا مجھے
مفت میں بدنام اعجازِ مسیحا ہو گیا

تم نے دیکھی ہو کسی میں تو بتا دو تم مجھے
اس زمانے میں وفا کا نام عنقا ہو گیا

مجھ کو دشمن سے لڑا دینا تجھے اک کھیل تھا
دو گھڑی کے واسطے یہ بھی تماشا ہو گیا

پھیر کر خنجر مری گردن پہ یہ ارشاد ہے
اب تو حسرت مٹ گئی ارمان پورا ہو گیا

آج مجھ کو مل گئی میری وفاداری کی داد
ان بتوں کے عہد میں نقصان میرا ہو گیا

وصل میں مجبور ہیں وہ کیا کریں ہم کیا کریں
ایک ارماں دل سے نکلا اور پیدا ہو گیا

عشق نے بھی اُس کے کیا کیا رنگ بدلے دیکھنا
اشک آنکھوں میں بنا دل میں تمنا ہو گیا

رشک بھی کیا چیز ہے وہ بدگماں رہنے لگے
اب اُنہیں بھی کچھ مری جانب سے کھٹکا ہو گیا

یادگارِ خلق ہے بیخود ہماری سرگذشت
چار دن کی زندگانی میں بھی کیا کیا ہو گیا

تیشے سے کوئی کام نہ فرہاد سے ہوا
جو کچھ ہوا وہ عشق کی امداد سے ہوا

ایجاد جو ستم ستم ایجاد سے ہوا
پورا ادا نہ خنجرِ فولاد سے ہوا

آنے تو دو وہ اُسے کہیں آئے تو روزِ حشر
تم دیکھنا کہ کیا مری فریاد سے ہوا

نکلی ہر تیغِ شوقِ شہادت کو دو نوید
نا مہرباں وہ شکوۂ بیداد سے ہوا

میری طرف جو زلف سے پھینکا نکال کر
ایسا قصور کیا دلِ ناشاد سے ہوا

اپنے خرامِ ناز کی اُن کو خبر نہیں
کہتے ہیں حشر تیری فریاد سے ہوا

بے حکم یوں کسی کو ستاتا نہیں فلک
مجھ پر یہ ظلم آپ کے ارشاد سے ہوا

اب اُن کی بات بات پہ جاتی ہے میری جان
جو لطف سے ہوا نہ وہ بیداد سے ہوا

اُس ظلم پر نباہ ہمارا ہی کام تھا
یہ قیس سے ہوا ہے نہ فرہاد سے ہوا

بیچین کر کے غیر کو تم کیوں خجل ہوئے
جو کچھ ہوا وہ میری ہی فریاد سے ہوا

کافر بھی اُس کی شان پر ایمان لائے ہیں
کس کس کو فیضِ حسنِ خداداد سے ہوا

جب آگیا خیال مجھے روزِ وصل کا
اک درد سا جگر میں تری یاد سے ہوا

بیخود کی طرح کون تمہیں جان دے سکا
یہ کام عشق میں اُسی ناشاد سے ہوا

دل چُرا لے گئی دزدیدہ نظر دیکھ لیا
ہم نہ کہتے تھے کہ اس چور نے گھر دیکھ لیا

بندہ پرور غمِ فرقت کا اثر دیکھ لیا
داغِ دل دیکھ لیا داغِ جگر دیکھ لیا

دم ہے باقی نہ تغافل کا گلا ہے باقی
قہر کی آنکھ سے یہ کس نے اِدھر دیکھ لیا

قد بھی کم عمر بھی کم مشقِ ستم اور بھی کم
کر چکے قتل مجھے جائیے گھر دیکھ لیا

غیر کی بزم میں میری تو خبر کیا لو گے
ابھی اپنی بھی نہیں تم کو خبر دیکھ لیا

انہی باتیں تو یہ گھبرائی ہوئی رہنے دو
یہ تو کہدو مرے نالوں کا اثر دیکھ لیا

وہ فقط میرے دکھانے کے لئے چھپنا تھا
میں نے بے پردہ اُنہیں غیر کے گھر دیکھ لیا

شکوہ کے ساتھ لگاوٹ بھی چلی جاتی ہے
جب کہا کچھ تو کنکھیوں سے ادھر دیکھ لیا

دادخواہوں پہ نئی حشر میں آفت آئی
صف کی صف لوٹ گئی اُس نے جدھر دیکھ لیا

وہ نظر آگئے دامن پہ لہو کے دھبّے
غیر کے قتل سے لے اور مکر دیکھ لیا

مانگ کر حضرتِ دل بات بھی کھوئی اپنی
نہ ہوا ساقیٔ کم ظرف خبر دیکھ لیا

قتلِ عشّاق پہ لو اور اُٹھاؤ خنجر
جھک گئی بارِ نزاکت سے کمر دیکھ لیا

نہ چھپا تم سے یہ میخانہ کا رستہ **بیخود**
مُنھ چھپائے ہوئے جاتے ہو کدھر دیکھ لیا

حسبِ منشا غیر کے کیوں فیصلا ہونے لگا
حشر کے دن آپ جیسا کیوں خدا ہونے لگا

اک ستمگر سے جو اپنا سامنا ہونے لگا
حالِ دل کیا کیا نگاہوں میں ادا ہونے لگا

وصل کی شب وا جو وہ بندِ قبا ہونے لگا
اُس نے شرما کر کہا سنبھلو یہ کیا ہونے لگا

پھر دکھلائے گی مزے مجھ کو یہ نادانی مری
پھر کسی بدعہد سے عہدِ وفا ہونے لگا

بات بھی کرتا نہ تھا جب تک خفا مجھ سے رہا
مہرباں جب سے ہوا مجھ پر خفا ہونے لگا

اور بھی اک باوفا پر جان اب جانے لگی
لو مبارک ہو تمہارا ہی کہا ہونے لگا

کھینچکر خنجر وہ کہتے ہیں تمہیں دعوی ہے کیا
حشر سے پہلے ہمارا فیصلا ہونے لگا

جلوہ گر ہے عشق کے پردے میں حسنِ دلفریب
مجھ کو دیکھا جس نے وہ اُس پر فدا ہونے لگا

وہ قسم کے بعد بھی شکوے سے باز آتے نہیں
چپکے چپکے مُنھ ہی مُنھ میں پھر گلا ہونے لگا

یاد آیا وصل کی شب کیا کوئی اُن کا ستم
لب تک آکر حرفِ مطلب بھی گلا ہونے لگا

کیا بگاڑا ہے کسی نے اس دلِ بیتاب کا — کس لیے روزِ جزا روزِ جزا ہونے لگا

بھر گیا بابِ قبول ایسا مری فریاد سے — اب رقیبوں کا بھی نالہ نارسا ہونے لگا

وصل کا ارمان کیسا وصل کی کیسی خوشی — جب کوئی نظروں ہی نظروں میں خفا ہونے لگا

تھا فقط میرے دکھانے کے لیے شرم و لحاظ — رفتہ رفتہ سامنے وہ مہ لقا ہونے لگا

عاشقوں پر ظلم کرنا بھی تو کچھ آساں نہیں — خود ادھر سے اب تقاضائے جفا ہونے لگا

کچھ نہ کچھ تو دل کی بھی میرے خطا ہوگی ضرور — بے سبب بے وجہ کوئی کیوں خفا ہونے لگا

تھا دکن کے ہر گلی کوچہ میں اک ماتم بپا
داغ کے قدموں سے جب بیخود جدا ہونے لگا

عیاں نگاہ سے رنج و ملال کس کا تھا — ابھی ابھی ترے دل میں خیال کس کا تھا

یہ نام بیخودِ آشفتہ حال کس کا تھا — یہ ذکر لب پہ ترے مہ جمال کس کا تھا

شبِ فراق میں چمکی ہے رات بھر بجلی — فلک پہ جلوہ فگن یہ جمال کس کا تھا

وہ یک بیک مری آواز سن کے چونک پڑے — خدا ہی جانے کہ دل میں خیال کس کا تھا

تمام عمر رہا آئینہ کو سکتا سا — یہ دل فریب الٰہی جمال کس کا تھا

نظر کہیں ہے مخاطب کسی سے ہیں دل میں — جواب کس کو ملا ہے سوال کس کا تھا

سمجھ لیا تھا تمہیں دل میں بیوفا کس نے — بتا تو دو مجھے تم یہ خیال کس کا تھا

عدو کے دھوکے میں آکر وہ مجھ سے پوچھتے ہیں — فریب کس نے دیا تھا یہ جال کس کا تھا

یہ چال حشر کی کس نے تمہیں سکھائی تھی — قدم قدم پہ یہ دل پائمال کس کا تھا

چمک چمک کے دکھاتا رہا مجھے جلوے — یہ ذرے ذرے میں نورِ جمال کس کا تھا

وہ ہونٹ خشک تھے رخ پر عرق وہ دل پر ہاتھ — عجیب حال یہ روزِ وصال کس کا تھا

وہ بولے زلف میں اُلجھا ہوا جو دیکھا دل
ہمارے سر جو پڑا یہ وبال کس کا تھا
یہ کیا کہا تجھے پہچانتے نہیں ہم تو
وہ اب سے دور برا سب میں حال کس کا تھا

ملا کے خاک میں سرمایۂ دلِ بیخود
وہ پوچھتے ہیں بتاؤ یہ مال کس کا تھا

اُن کے آگے دلِ ناشاد تجھے دیکھ لیا
میرے دشمن مرے جلاد تجھے دیکھ لیا
آنکھ کہتی ہے وفادار سمجھتے ہیں تجھے
مُنھ سے ہوتا ہے یہ ارشاد تجھے دیکھ لیا
اب تو یہ جی میں سمائی ہے وفا ترک کریں
خوب ہم نے ستم ایجاد تجھے دیکھ لیا
یاد آتا ہے وہ مُنھ پھیر کے کہنا اُن کا
ہم سے ہے شکوۂ بیداد تجھے دیکھ لیا
امتحاں اس سے بھی بڑھ کر ہو زمانے میں کوئی
جان دے کر ستم ایجاد تجھے دیکھ لیا
نالہ کیا سانس بھی سینہ کا رہا سینے میں
حشر میں جب دمِ فریاد تجھے دیکھ لیا
دل میں پھرتا ہے مرا نام زباں پہ نہ سہی
بھول جانا بھی نہیں یاد تجھے دیکھ لیا
گل میں ہے جلوہ نما رنگ ترا بو تیری
بلبلیں کرتی ہیں فریاد تجھے دیکھ لیا

ضبطِ الفت کا اسی مُنھ پہ کیا تھا دعوےٰ
بیٹھ بھی بیخودِ ناشاد تجھے دیکھ لیا

ڈھنگ بدلا اُس ستم ایجاد کا
رنگ کچھ جمتا چلا فریاد کا
کنج عزلت کا مزا جاتا رہا
ہو برا اس عالم ایجاد کا
بیخودی میں بھی نہیں بھولے اُسے
واہ کیا کہنا ہماری یاد کا
کہہ تو کچھ سکتے نہیں وہ حشر میں
دل میں دھڑکا ہو مری فریاد کا
کھینچنے کو آئے ہیں تصویر یار
مُنھ تو دیکھو مانی و بہزاد کا

آئے ہو تھامے ہوئے ہاتوں سے دل
تم نے کچھ دیکھا اثر فریاد کا

ہے مری زنجیر کی جھنکار میں
شور پیدا ہر جگہ بادا باد کا

سر سے پا تک چھا رہی ہے بیکسی
دل نہ بھر آئے مرے جلاّد کا

آپ کا دشمن وہ ایسا کون ہے
نام تو لیجے کسی ناشاد کا

دعوئ عشق خدا کرنے لگا
حوصلہ دیکھو تو آدم زاد کا

وہ لئے جاتے ہیں دل کو چھین کر
بیکسی یہ وقت ہے امداد کا

کچھ پر و بازو کے کھلنے میں تھی دیر
رعب بھی کچھ چھا گیا صیاد کا

طور کا قصہ ہے سب پیشِ نظر
ذکر ہے یہ تو تمہاری یاد کا

اے تمنائے شہادت دم تو لے
ہٹنا کیوں پڑ گیا جلاّد کا

اور پل جائیگا کوئی جاں نثار
مشغلہ جاری رہے بیداد کا

بات وہ بیخود ہی کے دم تک رہی
ذکر کیا اُس خانماں برباد کا

حال دل کا بہت خراب رہا
قبر میں بھی تو اضطراب رہا

دل کو پہلو میں اضطراب رہا
زندگی بھر یہی عذاب رہا

دیکھئے کیا قیامت آتی ہے
اور کچھ دن اگر شباب رہا

رازِ الفت نہ چھپ سکا ہم سے
صبر کے ساتھ اضطراب رہا

دل میں جب تک رہا وہ پردہ نشیں
مجھ کو اپنے سے بھی حجاب رہا

وصل میں وہ چھپے رہے ہم سے
مہربانی میں بھی عتاب رہا

دل میں رکھا چھپا کے توبہ کو
لب پہ ساقی پلا شراب رہا

خوب دل کھول کر اُڑا زاہد | میرے ذمّے ترا حساب رہا

ہو لئے جس کے ہو لیے بیخود
یار اپنا تو یہ حساب رہا

میں تصوّر میں جو اُس کا روئے انور لیچلا
اُس نے دی آواز مجھ کو کیا چُرا کر لیچلا

اُس کی محفل میں دلِ بیتاب و مضطر لیچلا
یہ فرشتہ موت کا مجھ کو پکڑ کر لیچلا

حسرتوں کی پوٹ سر پہ داغ دل پر لیچلا
آپ کے کوچے سے کیا کیا بندہ پرور لیچلا

یہ نظر ہے یا قیامت یہ ادا ہے یا غضب
کھینچکر دل کو کوئی سینے سے باہر لیچلا

دیکھئے ہونا ہے کیا اغیار کی محفل میں آج
شوق اُن کو لیچلا مجھ کو مقدّر لیچلا

جب نہ ہاتھ آیا کوئی قاصد تو جوشِ اشک یاس
اُس کے کوچے کی طرف خط کو بہا کر لیچلا

اور تو سامان نہ کچھ مجھ سے فراہم ہو سکا
نذرِ دلبر کے لئے دل لیچلا سر لیچلا

موت لکھی ہے شب وعدہ مری تقدیر میں
مجھ کو اُن کے گھر میں دشمن کا مقدّر لیچلا

تیغ کھچکر رہ گئی خنجر نکل کر رہ گیا
پھیر کر مقتل سے اُن کو خوفِ محشر لیچلا

پھر کوئی جا کر مرے غمخوار کو کرنا خبر
پھر دلِ بیتاب مجھ کو اُس کے در پر لیچلا

ایک تو دل مضطرب اُس پر گرانبارِ الم
تجھ سے یہ کیونکر چلا تو اِس کو کیونکر لیچلا

عمر بھر اشکِ ندامت سے جو تر دامن رہا
ہم کو جنّت میں ہمارا دامنِ تر لیچلا

اُن کے آگے مجھ سے بیخود کچھ کہا جاتا نہیں
حال اپنا آج میں کاغذ پر لکھ کر لیچلا

وہ شرمائے گردن جھکانا کسی کا | وہ رہ رہ کے پھر مسکرانا کسی کا
وہ چھپ چھپ کے راتوں کو آنا کسی کا | وہ نقشِ قدم کو مٹانا کسی کا

نگاہوں میں وہ تاڑ جانا کسی کا
مجھے دیکھ کر مسکرانا کسی کا

رہا داغ اُن کا بس تم کی الفت
نہیں کھیل دل سے بھلانا کسی کا

وہ غیروں کے چمکے وہ یاروں کے چھینٹے
لگانا کسی کا بجھانا کسی کا

وہ باتوں میں اک چھیڑ ذکرِ عدو کی
وہ ہنس ہنس کے مجھ کو رلانا کسی کا

وہ دم بھر بھی پہلو میں میرے نہ تھمنا
وہ دل میں سما کر نہ جانا کسی کا

وہ دشمن کے گھر کی طرف تیز چلنا
مجھے راہ میں چھوڑ جانا کسی کا

وہ ارمان و حسرت کی تازہ مصیبت
وہ پہلے پہل دل لگانا کسی کا

وہ غصّے کی صورت بنا کر بگڑنا
وہ آنکھیں دکھا کر ڈرانا کسی کا

وہ غرفے سے جھک جھک کے مجھے جھانک لینا
وہ چلمن سے جلوہ دکھانا کسی کا

رہے گی دہن میں زباں اپنے جب تک
زباں پر رہے گا فسانہ کسی کا

رقیبوں سے کھُل مل کے باتیں نہ کیوں ہوں
کہ منظور ہے دل جلانا کسی کا

نہ کر یاد بیخود وہ عیشِ گذشتہ
ہمیشہ رہا ہے زمانا کسی کا

عمر بھر میرے ستانے سے سروکار رہا
وصل کے بعد بھی اُن کو وہی انکار رہا

یہ تو تم کہہ چکے تجھ سے نہ سروکار رہا
یہ بتا دو مجھے اب کون وفادار رہا

ہائے وہ شخص کہ جو محوِ رخِ یار رہا
حیف اُس دل پہ کہ جو طالبِ دیدار رہا

دل مرا حشر میں اُس کا جو طرفدار رہا
دو قدم مجھ سے بھی آگے وہ ستمگار رہا

ہجر کی شب دلِ مضطر کی خبر کیا لیتا
میں تو اپنی ہی مصیبت میں گرفتار رہا

میں گرا خاک پہ اُس کو کبھی گرنے نہ دیا
میری آنکھوں میں ترا سایۂ دیوار رہا

مجھ کو صیّاد کی مٹھی سے رہائی نہ ملی
طائرِ رنگِ حنا بن کے گرفتار رہا

شرط ہو جائے کہ ہم پھر نہ چھپیں گے ہرگز
اپنے آپے میں اگر طالب دیدار رہا

اُٹھ کے جانے نہ دیا ہاتھ لگانے نہ دیا
مُنھ سے انکار رہا آنکھ سے اقرار رہا

اُن کے چھپنے کے ہوئے اُن ہی گلے سوتے ہیں
رات بھر بختِ مرا خواب میں بیدار رہا

اپنی کہنی نہ کسی سے نہ کسی کی سُننی
کچھ عجب ذہن میں ترا طالب دیدار رہا

دل دُکھلانے کے ستم سے تو ہوئے ہیں پیماں
لطف کے ساتھ اگر کوئی دلِ آزار رہا

دل میں قاتل کی طرف سے جو کدورت آئی
دل سے کھٹکا ہوا کچھ تیر کا سوفار رہا

بے خطا دیجیے جو چاہیے مجھ کو تعزیر
کوئی تقصیر نہ کی اس کا گنہگار رہا

فتنہ حشر ترا نقشِ قدم تھا گویا
پائمالِ روشِ شوخیٔ رفتار رہا

ناز دشمن تو نہ تھا میں جو اُٹھاتے وہ مجھے
اُن کی محفل میں سبک ہو کے گرانبار رہا

قید میں رنگِ وفا اس نے جمایا ایسا
دل کے پھندے میں ترا گیسوئے خمدار رہا

راہ میں بیخودِ مخمور ٹہلتے ہی رہے
بند جب تک کہ درِ خانۂ خمّار رہا

پسِ فنا جو لحد میں خیالِ یار آیا
نہ حشر تک دلِ مضطر کو پھر قرار آیا

نکل کے گھر سے ترے غش تو لاکھ بار آیا
سنبھالتا ہوا اپنے کو بے قرار آیا

کسی کے وعدے وفا خواب میں ہوئے اکثر
جو ایک بار نہ آیا ہزار بار آیا

مجھے تو وصل میں بھی ہو گی زندگی دشوار
ہر اک ادا پہ تری دل جو بار بار آیا

دکھا تو دیتے ہم آئینہ رشک تو یہ ہے
اگر تمہیں بھی ہماری طرح سے پیار آیا

شبِ وصال جو وہ مَن گئے تو ہم روٹھے
ہمیں تو دل کے تڑپنے ہی میں قرار آیا

ہماری خاک میں بھی رنگ ہے محبت کا
کہ اُس کی چال پہ مٹتا ہوا غبار آیا

شب فراق اثر کا پتا کہیں نہ ملا
فلک پہ جا کے بھی نالہ مرا پکار آیا

کھلائے ابر بہاری نے پھول گلشن میں
ہماری خاک پر آیا تو اشک بار آیا

خدا گواہ ہے دیکھا نہ بدگمان دل سا
تری قسم کا بھی اس کو نہ اعتبار آیا

شب فراق بہت دل نے آفتیں دیکھیں
نظر تجھے بھی کچھ اے چشم انتظار آیا

خوشی نے قتل کی جمنے دیا کہیں نہ قدم
ادھر زمین سے اُن کا گناہگار آیا

سُنا جو اُس نے کہ آتی ہیں قبر میں حوریں
ہمارے ساتھ لحد میں خیال یار آیا

سُنائی میں نے بھی اُس کو پتہ کی کچھ ایسی
بنی نہ بات بگڑ کر وہ منھ ہزار آیا

ملی جو آہ کی فرصت کبھی دکھا دیں گے
کہ دل کو تھامے ہوئے کوئی بیقرار آیا

اُدھر کسی کی نگاہیں اشارے کرتی ہیں
پکارتا ہے ادھر سے دل فگار آیا

یہ کس نے داد تغافل کی حشر میں چاہی
کہ موںھ چھپائے ہوئے کوئی بیقرار آیا

چلا تو شوق میں بیخود پھرا تو محو جمال
نہ بے قرار گیا میں نہ بے قرار آیا

گھٹائیں اُٹھتی ہوئی آسماں پہ جب دیکھیں
پیئے بغیر نہ بیخود کو پھر قرار آیا

دل ملا کر وہ بیوفا نہ ملا
دل لگانے کا کچھ مزا نہ ملا

اب بتاؤں تجھے کہ کیا نہ ملا
کوئی معشوق باوفا نہ ملا

ڈھونڈ مارا تمام دُنیا کو
ہم کو اُس کا کہیں پتا نہ ملا

ہم سکھاتے وفا کے ڈھنگ اُسے
ہم سے وہ دشمن آشنا نہ ملا

توڑ کر بت سے کعبہ جاتا ہوں
کیا کروں گا اگر خدا نہ ملا

صُلح کے بعد یہ ہوا معلوم
اُن کو بھی مجھ سا دوسرا نہ ملا

ہو چکا بس ملاپ اب اُن سے
دل ہی تو ہے ملا ملا نہ ملا

کیا ہوا بن کے اُڑ گیا قاصد
کہیں اُس کا نشانِ پا نہ ملا

وہ ستمگار پھر غنیمت ہے
کوئی اتنا بھی دوسرا نہ ملا

غم دیا، سم دیا مقدّر نے
نہ ملا تو، تو ہم کو کیا نہ ملا

ہو چکیں بس مذاق کی باتیں
سچ کہو دل مرا ملا نہ ملا

بے نیازی کی شان تو دیکھو
بندگی کا ہمیں صلا نہ ملا

غم لکھا تھا مرے مقدّر میں
نہ دیا آپ نے تو کیا نہ ملا

رازِ دشمن مجھی سے کہنا تھا
کوئی تجھ کو مرے سوا نہ ملا

جلوے سے پہلے غش ہوئے موسیٰ
اِک نظر بھی تو دیکھنا نہ ملا

شکوہ کرنا نہ تھا بڑے چوکے
روٹھنے کا اُسے بہانہ ملا

حُسن کمیاب تھا ہوا نایاب
ایک کے بعد دوسرا نہ ملا

اُس نے لاکھوں غلام مول لئے
کوئی بیخودؔ سا باوفا نہ ملا

اور تو تم سے کیا نہیں ہوتا
ایک وعدہ وفا نہیں ہوتا

جب خیال آپ کا نہیں ہوتا
درد دل سے جُدا نہیں ہوتا

آپ لائے ہیں ہم پیام اپنا
دوسرے سے ادا نہیں ہوتا

وہ خفا ہو گیا تو ہو جائے
بت کسی کا خدا نہیں ہوتا

میری قسمت کو کیوں بُرا کہیئے
آپ چاہیں تو کیا نہیں ہوتا

فتنہ گر شوخ ہیں تری آنکھیں | شرم کا حق ادا نہیں ہوتا

دل نے کچھ اُس سے کہہ دیا ہوگا | بے سبب وہ خفا نہیں ہوتا

بے وفا ہے شباب بھی لیکن | آپ سا بیوفا نہیں ہوتا

غیر سے کیا بگڑ کے آئے ہو | آج میرا گلا نہیں ہوتا

ہم سے دل کھول کر ملا کیجے | شرم میں کچھ مزا نہیں ہوتا

بات سُننے میں کیا قباحت ہے | ہر سخن مُدّعا نہیں ہوتا

عشق کے داغ سب برابر ہیں | ان میں چھوٹا بڑا نہیں ہوتا

مجھ سے میری سی تجھ سے تیری سی | دل کسی سے بُرا نہیں ہوتا

بیوفا کہتے ہو زمانے کو | سب جہاں ایک سا نہیں ہوتا

تلخ تر ہیں رقیب کی باتیں | زہر اتنا بُرا نہیں ہوتا

درد سے آشنا نہ ہو جب تک | آدمی کام کا نہیں ہوتا

کچھ ادا کچھ حجاب کچھ شوخی | نیچی نظروں میں کیا نہیں ہوتا

جب کہا میں نے وعدہ ہو جائے | مُسکرا کر کہا نہیں ہوتا

تم سماتے ہو کس طرح اس میں | دل تو کچھ بھی بڑا نہیں ہوتا

دل محبّت سے بھر گیا بیخود
اب کسی پر فدا نہیں ہوتا

مشغلہ دل کے لیے یہ شبِ تار اچھا تھا | تارے گننے سے جفاؤں کا شمار اچھا تھا

اگلے وقتوں میں نہ ہوتی تھیں جفائیں ایسی | اُس زمانے میں کچھ اچھوں کا شعار اچھا تھا

خلد میں کب وہ ملی خوابِ گراں کی راحت | پڑے رہنے کے لیے کنجِ مزار اچھا تھا

جان پڑ جاتی تھی ٹھوکر سے تنِ بیجس میں
پائمالوں کے لئے کوچۂ یار اچھا تھا

تیر نظروں کے چلے غیر پہ زخمی نہ ہوا
جس پہ ترکش کئے خالی وہ شکار اچھا تھا

کوئی دیوانہ ہوں میں آپ کو یوسف جو کہوں
اُس میں یہ بات کہاں ای وہ ہزار اچھا تھا

زخمِ دل کے لئے مرہم ہے نمک سے بڑھ کر
چارہ گر سے تو وہی ظلم شعار اچھا تھا

سیر کو وہ دلِ پُر داغ کی کاش آ جاتے
آج اس باغ میں کچھ جوشِ بہار اچھا تھا

میرے مُردے پہ اُسے لائے بھی احباب تو کیا
جیتے جی کام جو آتا کوئی یار اچھا تھا

جاں نثاروں کو ترے موت ہی کچھ بہتر تھی
بیقراروں کے لئے صبر و قرار اچھا تھا

اپنی محفل سے بھلا کس کو نکالا تم نے
چار غیروں سے تو بیخودؔ زار اچھا تھا

ہر وفا پیشہ بُرے کو بھی بھلا سمجھے گا
ظلم کو ناز تغافل کو حیا سمجھے گا

عرضِ حالِ دلِ بیتاب سے تھی اور غرض
یہ نہ سمجھے تھے وہ اس کو بھی گلا سمجھے گا

اُس سے اظہارِ وفا عشق میں نادانی ہے
قدر جس کو نہیں عاشق کی وہ کیا سمجھے گا

آپ کے لُطف کو نادان ہی جو لطف کہے
یہ گنہگار تو اس کو بھی جفا سمجھے گا

ہے ابھی جورِ جوانی میں مرا دل زاہد
چار دن بعد بُرا اور بھلا سمجھے گا

وہ مرا شکوۂ بیداد خدا کے آگے
وہ ترا ناز سے کہنا کہ خدا سمجھے گا

طائرِ رنگِ حنا دل تو نہیں کچھ اپنا
تیری مُٹّھی میں جو یہ اپنی قضا سمجھے گا

بزمِ دشمن میں نہیں چھیڑ سے خالی ہر بات
ان کنایوں کو ہمارے کوئی کیا سمجھے گا

کی اگر تو نے میں پرسش میں کمی بیش عدو
تیر سے دل ترے خنجر سے گلا سمجھے گا

ایسے بھولے کہ سمجھتے رہے بیداد کو داد
یہ نہ جانا کہ کوئی روزِ جزا سمجھے گا

جس نے پامال کئے زیرِ قدم دل لاکھوں
وہ مرے خون کو بھی رنگِ حنا سمجھے گا

خط میں لکھنے کو تو لکھدی ہی شکایت دل کی
سوچ اب یہ ہے کہ وہ دیکھئے کیا سمجھے گا

یاد ہے حضرتِ بیخود کا یہ کہنا مجھ کو
خوب سمجھے گا جو اپنے کو بُرا سمجھے گا

یہ جوشِ جنوں رنگ لانے لگا
گریباں تک اب ہاتھ جانے لگا

لہو اشک کے ساتھ آنے لگا
جگر دل سے پہلے ٹھکانے لگا

محبّت کا پیغام آنے لگا
طبیعت کوئی گُدگُدانے لگا

وہ مُنہ پھیر کر مُسکرانے لگا
تغافل میں بھی لطف آنے لگا

چُھپائے سے چُھپتا نہیں داغِ دل
ستارہ سا اک جگمگانے لگا

دیئے ہیں محبّت میں تونے وہ رنج
کہ ظالم خدا یاد آنے لگا

عدو نے لیا جس گھڑی اُس کا نام
کلیجہ مرے مُنہ کو آنے لگا

یہ رشکِ محبّت بھی ہے یادگار
مرا غم رقیبوں کو کھانے لگا

دیا لطف توبہ نے مے سے سوا
وہ چھاتی پہ چڑھ کر پلانے لگا

یہ نوبت ہی میری کہ اب چارہ گر
مرا حال مجھ سے چھپانے لگا

الٰہی یہ محشر میں آتا ہی کون
کہ ہر فتنہ آنکھیں بچھانے لگا

کہا حال اُس کا نہ قاصد نے کچھ
یہ اپنا ہی قصّہ سُنانے لگا

رہِ شوق میں جب چلے میرے ساتھ
قدم خضر کا ڈگمگانے لگا

ہوا تازہ جنت میں بھی عشقِ حور
یہ داغِ کہن گُل کھلانے لگا

عبث اُس کو بیخود نہ بدنام کر
وہ ایسے کو کیوں مُنہ لگانے لگا

دل کو ہے اضطراب یہ کیسا
رنگ لایا شباب یہ کیسا

دے کے گالی وہ عرض مطلب پر
پوچھتے ہیں جواب یہ کیسا

ہم کہاں اور بزم غیر کہاں
نظر آیا ہے خواب یہ کیسا

مجھ سے ہوتا ہے وصل کا انکار
ہے دہن لاجواب یہ کیسا

آپ کو ہے غرورِ طاعت و زہد
شیخ صاحب ثواب یہ کیسا

دل کا دینا تو کچھ گناہ نہیں
بندہ پرور عتاب یہ کیسا

حشر میں چھٹ گیا الگ کوئی
ہوگیا انتخاب یہ کیسا

دلِ بیتاب چھپ نہیں سکتا
ساتھ ہے اک عذاب یہ کیسا

عشق نے کھوج کھو دیا دل کا
گھر ہوا ہے خراب یہ کیسا

بوسے گِن گِن کے مجھ کو دیتے ہو
بھول جاؤ حساب یہ کیسا

جان دینے میں عذر ہے **بیخود**
عشق خانہ خراب یہ کیسا

دل صبر سے خوگر شبِ ہجراں میں نہ ہوگا
وہ کام بتاؤ گے جو امکاں میں نہ ہوگا

کیوں آپ کا نقشہ دلِ ویراں میں نہ ہوگا
کیوں آپ سا یوسف مرے زنداں میں نہ ہوگا

دیتا ہے مزا خارِ تمنا کا کھٹکنا
یہ لطف تو قاتل ترے پیکاں میں نہ ہوگا

پہلو میں رہے یہ دلِ بیتاب سلامت
اب خیر سے کیا کیا شبِ ہجراں میں نہ ہوگا

محرومیٔ تقدیر کا قاتل سے گلا کیا
حصہ مرے زخموں کا نمکداں میں نہ ہوگا

جو حال ہوا عشق کے داغوں سے ہمارا
عالم یہ کبھی سروِ چراغاں میں نہ ہوگا

تم جس کو سنا کرتے ہو ہنگامۂ محشر
کیا وہ مری فریاد کے ساماں میں نہ ہوگا

کیوں تیر ہے جھلکی میں تری وقت نظارہ
جو اس میں ہے کیا جنبش مژگاں میں نہ ہوگا

اُس گیسوئے پیچاں کو صبا لاکھ بگاڑے
شامل وہ مرے حال پریشاں میں نہ ہوگا

مرجائے تڑپ کر دل مضطر تو بلا سے
نالہ تو ہوا ہے غم پنہاں میں نہ ہوگا

مے اپنے بھی حصہ کی پلادی تجھے زاہد
اب نام مرا دفتر عصیاں میں نہ ہوگا

باقی ہے ابھی اس تن مجروح میں قاتل
وہ دم جو ترے خنجر براں میں نہ ہوگا

کیوں مجھ کو مٹا کر وہ کریں اُس کی تلافی
اُلفت کا نشاں اب دل ویراں میں نہ ہوگا

قاتل بھی مرے نام کی دیتا ہے نیازیں
مجھ سا تو کوئی گنج شہیداں میں نہ ہوگا

باقی ہے ابھی وصل کی حسرت تجھے بیخود
مرنے کا ارادہ شب ہجراں میں نہ ہوگا

عالم وہاں بھی اُس کا خریدار ہو گیا
میدان حشر مصر کا بازار ہو گیا

مرنا فراق یار میں دشوار ہو گیا
پاس وفا بھی جان کا آزار ہو گیا

ساقی کو منہ دکھانے کے قابل نہیں رہا
زاہد سے مل کے میں تو گنہگار ہو گیا

میں بیٹھ تو گیا تھا کلیجے کو تھام کر
اُٹھنا تمہاری بزم سے دشوار ہو گیا

عالم کو انقلاب دم حشر بھی رہا
میرا گواہ اُن کا طرفدار ہو گیا

محو خیال یار رہے ہم تو کیا رہے
قسمت تو اُس کی ہے جسے دیدار ہو گیا

جب ضبط ہو سکی نہ خوشی جان چل بسی
اقرار وصل بھی مجھے انکار ہو گیا

کیا کہہ دیا یہ آپ نے چپکے سے کان میں
دل کا سنبھالنا مجھے دشوار ہو گیا

سوتے میں آج اُن سے ملاقات ہو گئی
میرا نصیب خواب میں بیدار ہو گیا

احسان مانتا ہوں نزاکت کا آپ کی
جانا مرے خیال سے دشوار ہو گیا

پھرلے رہی ہی بل کی وہ زلفِ سیاہ فام
پھر کوئی نامراد گرفتار ہوگیا
خلوت میں یا تو میں ہی تھا یا ایک آئینہ
یا اُن کا دیکھنا مجھے دشوار ہوگیا

بیخود یہ دردِ عشق کا کیا ذکر تھا ابھی
کیا تو بھی اس بلا میں گرفتار ہوگیا

زمانے میں جسے دیکھا اسی کا مبتلا نکلا
وہ اس بیگانگی پر بھی تو صورت آشنا نکلا
حسینوں میں حسین ایسا نہ کوئی دوسرا نکلا
ہزاروں میں جو نکلا تو وہی کافر ادا نکلا
نظر ملتے ہی دل تڑپا زباں سے مرحبا نکلا
عدو کے گھر سے وہ نکلے کہ میرا مدعا نکلا
الٰہی عشق میں یہ رشک پیدا ہوگیا کیسا
کہ وہ آئینہ رد تو آپ اپنا مبتلا نکلا
تمہارے ہاتھ خالی جیب خالی زلف خالی تھی
نہ تھے تم چور دل کے تو ادھر دیکھو یہ کیا نکلا
گھڑی بھر اور رُک جاتا دمِ رخصت تو کیا تھا
دلِ بیتاب تم سے بھی زیادہ باوفا نکلا
زمیں سے آسماں تک آسماں سے عرشِ اعظم تک
ہمیں ہم تھے جدھر دیکھا نہ کوئی دوسرا نکلا
یہاں سے تو بہت سمجھا بجھا کر اُس کو بھیجا تھا
خدا جانے وہاں پیغامبر کے منہ سے کیا نکلا
مری نظروں سے وہ میرے ہی دل میں چھپ کے بیٹھے ہیں
زمانہ سے نرالا اُن کا اندازِ حیا نکلا
قیامت میں دلِ شیدا بھی اُن کی سی لگا کہنے
جسے اپنا سمجھتے تھے وہ بیاسا خون کا نکلا
سُنائی کس کے آنے کی خبر بادِ بہاری نے
کہ ہر غنچہ کے منھ سے بے تکلف مرحبا نکلا
کریں گے ضبطِ غم کیونکر ابھی سے جب یہ حالت ہے
لہو گر تھم گیا آنکھوں سے اشک سرمہ سا نکلا
جسے ہم دل سمجھتے تھے خزینہ ہے وہ الفت کا
جسے تم داغ کہتے تھے وہ اک نقشِ وفا نکلا

کیا ہے آج میخانہ سے عزمِ کعبہ **بیخود** نے
جسے سب جانتے تھے رندِ مشرب پارسا نکلا

دل میں چھپ کر بھی جو اُن کا کوئی ارماں آیا
ساتھ ہی چشمِ تصور میں نگہباں آیا

بزمِ دشمن سے وہ یوں سر بگریباں آیا
کوئی جانے کہ بہت دل میں پشیماں آیا

رنجِ فرقت نے ٹھہرنے نہ دیا پہلو میں
نالہ کے ساتھ ہی باہر دلِ نالاں آیا

دل میں ہو آٹھ پہر اُس رخِ رنگیں کا خیال
دشتِ غربت میں مرے ساتھ گلستاں آیا

عشق نے کام دیا شمع سے بڑھ کر مجھ کو
قبر میں بھی تو خیالِ رُخِ تاباں آیا

ہل گیا عرش زمیں کانپ گئی حشر اُٹھا
نالہ کش کون سوئے گورِ غریباں آیا

سادہ دل ہو ابھی تم چھینتے ہو دل مجھ سے
دل رُبائی کا طریقہ نہ مری جاں آیا

فتنہ برپا نہ ہو محشر میں الٰہی کوئی
لوگ کہتے ہیں وہ غارت گرِ ایماں آیا

تھم گیا نالۂ دل سے مرے ہل ہل کے فلک
میں سمجھتا تھا کہ اب گنبدِ گرداں آیا

بیخودی پردہ بنی اُس کا تجلّی چلمن
آنکھ کے سامنے کب جلوۂ جاناں آیا

جوشِ وحشت میں کسی نے نہ دیا ساتھ اپنا
شورِ زنجیر مگر تا درِ زنداں آیا

اُس نے دیوانہ سمجھ کر نہ کیا مجھ سے حجاب
چاک ہو کر تو بڑے کام گریباں آیا

مجھ کو جنت پہ بھی دوزخ کا گماں گذریگا
یاد جس وقت عذابِ شبِ ہجراں آیا

اُس کے وعدہ نے تو برسوں ہی گھلایا بیخود
ہم سمجھتے تھے کہ اب دم میں وہ ناداں آیا

سُنتے سُنتے وصل کی شب دل پریشاں ہو گیا
غیر کا ذکرِ وفا اوچھے کا احساں ہو گیا

گھٹتے گھٹتے بھی تو ارماں آفتِ جاں ہو گیا
تیغ سے خنجر بنا خنجر سے پیکاں ہو گیا

جب کبھی پورا کسی ظالم کا پیماں ہو گیا
عمر بھر کا رنج و غم خوابِ پریشاں ہو گیا

چاک جب تک ہو نہ جائے ٹھیک بنتا ہی نہیں
آپ کا دامن بھی کیا میرا گریباں ہو گیا

یہ پریشانی بھی گویا اختیاری بات ہے
بیٹھے بیٹھے دل نے جب چاہا پریشاں ہوگیا

آدمیت جب نہ ہو اچھا ہوا کوئی تو کیا
مجھ سے مل کر وہ پری وش آخر انساں ہو گیا

اُن کو گھر جانیکی جلدی مجھ کو مرنے کا خیال
صبح سے پہلے یہاں کچھ اور ساماں ہوگیا

خود بخود رُکتے ہیں دشمن یہ تماشا ہے نیا
رشک میرا کیا درِ جاناں کا درباں ہوگیا

نازکی نے کی ہویدا اک ادائے جاں گسل
اب ہمارا قتل کرنا اُن کو آساں ہوگیا

بیخودِ وحشی سے یہ ہرگز نہ تھی ہم کو اُمید
کس طرح سے جمع دیوانہ کا دیواں ہوگیا

آپ ہیں بے گناہ کیا کہنا
کیا صفائی ہے واہ کیا کہنا

اُس سے حالِ تباہ کیا کہنا
جو کہے سُن کے واہ کیا کہنا

حشر میں یہ انہیں یہ نئی سوجھی
بن گئے داد خواہ کیا کہنا

عذر کرنا ستم کے بعد تمہیں
خوب آتا ہے واہ کیا کہنا

تم نہ روکو نگاہ کو اپنی
ہم کریں ضبطِ آہ کیا کہنا

تجھ سے اچھے کہاں زمانے میں
واہ اے رشکِ ماہ کیا کہنا

غیر پر لطفِ خاص کا اظہار
مجھ سے ٹیڑھی نگاہ کیا کہنا

غیر سے مانگ کر ثبوتِ وفا
بن گئے خود گواہ کیا کہنا

دل بھی لیکر نہیں یقینِ وفا
ہے ابھی اشتباہ کیا کہنا

بل بے چتون تری معاذ اللہ
اُف رے ٹیڑھی نگاہ کیا کہنا

ان گنوں پر نجات کی اُمید
بیخودِ روسیاہ کیا کہنا

پھر دل ترے خیال میں مدہوش ہو گیا
ناصح سے جو سنا تھا فراموش ہو گیا

تھی بیخودیٔ شوق شبِ وعدہ غش نہ تھا
کھٹکا ذرا ہوا کہ مجھے ہوش ہو گیا

میں کیوں بتاؤں کون ہمیں تو اپنے دل سے پوچھ
وعدہ تو میں نہ تھا کہ فراموش ہو گیا

کام آ گئیں جنون میں یہ آوارہ گردیاں
رستہ تری گلی کا فراموش ہو گیا

کس کا فسانہ تھا کہ چمن میں ہر ایک گل
سُننے کے واسطے ہمہ تن گوش ہو گیا

بہتی پھری جو حشر میں کشتی گناہ کی
دریائے مغفرت کو اگر جوش ہو گیا

تمہید تھی یہ کس لئے اب تم سے کیا کہوں
مطلب زباں تک آ کے فراموش ہو گیا

وہ تو سُنا کے بھی نہ مجھے بخشتا کبھی
ایسی ہی بات تھی کہ جو خاموش ہو گیا

سر کیا کٹا کہ عشق کا جھگڑا ہی چک گیا
اب میں تو ہر طرح سے سبکدوش ہو گیا

لکھ لو ہماری آج کی یہ بات ہمنشیں
سُن لینا حشر میں کوئی روپوش ہو گیا

اک وہ کہ جن کا ذکر ہے تیری زبان پر
اک میں کہ تیرے دل سے فراموش ہو گیا

بیخود کو اور بات سے کیا کام ہجر میں
تیرا ہی ذکر تھا اُسے جب ہوش ہو گیا

تم ہی سوچو کہ بھلا غیر ہو کیونکر اپنا
نہ تم اپنے نہ دل اپنا نہ مقدر اپنا

اور مطلب نہیں اے چشمِ فسوں گر اپنا
یہ بنا غیر کو کر لیتی ہے کیونکر اپنا

نامہ بر یہ تو کہی بات پتے کی تو نے
ذکر اُس بزم میں رہتا تو ہی اکثر اپنا

دل میں رہ جائیگی اب شوقِ شہادت کی ہوس
آبِ حیواں میں بجھاتے ہیں وہ خنجر اپنا

آئینہ دیکھ کے خورشید پہ کرتے ہیں نظر
پھر چھُپا لیتے ہیں وہ چہرۂ انور اپنا

قابلِ رشک ہے اُس شخص کی قسمت یارب
جس کے قابو میں ہو دل پاس ہو دلبر اپنا

چھوڑ بیٹھیں اُسے ہم ناصح مشفق کیونکر — اس میں نقصان سمجھتے ہیں سراسر اپنا
دوست دشمن سے محبت ہیں ہے یکساں ہمیں ربط — حال کھلنے نہیں دیتے ہیں کسی پر اپنا
پھر کوئی تازہ قیامت نہ ہو برپا یارب — آج ٹھیرا ہوا ہے کچھ دل مضطر اپنا
کیا منائیں اُنہیں ہے اب تو زمانہ اُلٹا — صلح ہوتی ہے جو لڑتا ہے مقدر اپنا
اُس کے چہرے سے بھلا ماہ کو نسبت کیا ہے — مُنھ تو دیکھے یہ ذرا آئینہ لیکر اپنا
آپ کو رنج ہو آپ کے دشمن روئے — ہیں پشیمان ہوا حال سُنا کر اپنا
اُس کے کوچے سے نکلتے ہی ہوئے ہوش یہ گم — ڈھونڈتا پھرتا ہوں ملتا ہی نہیں گھر اپنا
کیا اِسی وجہ سے تم ہم کو بُرا کہتے ہو — ہم بُرا چاہتے رہتے ہیں جو اکثر اپنا

دیکھکر بیخودی شوق یہ بیخود سے کہا
یہی حالت ہے تو جا ہوگے ہمیں سر اپنا

اب کے اگر رقیب سے وہ دلستاں ملا — ہم دیں گے خاک میں تجھے اے آسماں ملا
اُس بے نشاں کا اپنے ہی دل میں نشاں ملا — ہم جس کو ڈھونڈتے تھے وہ یوں ناگہاں ملا
پھر یہ ستم اُٹھانے کو مجھ سا کہاں ملا — مجکو مٹا کے کیا تجھے اے آسماں ملا
ہم نے نہ کہدیا تھا کہ دشمن ہے بیوفا — ہم سے ذرا نگاہ دم امتحاں ملا
زنجیر نے اسیر کا ہم کو پتا دیا — حلقوں میں زلف یار کے دل کا نشاں ملا
نادان کچھ تو لطف شب وصل بھی ملے — سینہ سے سینہ اور زباں سے زباں ملا
لٹتے اُمید وصل پہ تجھ کو منا کے ہم — ہم کو پتا ہی تیرا نہ عمر رواں ملا
اللہ رے تصرف چشم سیاہ مست — بخت سیہ کو بھی مرے خواب گراں ملا
تلوار ٹوٹ جائے تھکیں ہاتھ تو سہی — تم یاد تو کرو کہ کوئی سخت جاں ملا

بعدِ فنا بھی اُس نے ستم میں کمی نہ کی / کس کس طرح سے خاک میں بے نشاں ملا

اے جذبِ دل نہ کاوشِ زخمِ جگر مٹے / ہاں پھر دہانِ زخم سے نوکِ سناں ملا

جاگے جو اب نصیب مرا کیا بعید ہے / سوتا ہوا کسی کا مجھے پاسباں ملا

کیوں دل تڑپ کے سینے سے باہر نکل گیا / حیران ہوں یہ کون مجھے ناگہاں ملا

ظالم کہیں وہی تو نہ تھا بیخودِ حزیں
تیری گلی میں کل ہمیں اک نیم جاں ملا

سنا ہے جب سے شہرہ یار کی جادو بیانی کا / دلِ بیتاب ہے مشتاق پیغامِ زبانی کا

ستا لیتے نہیں جب تک نہیں چین سے رہتے ہیں / ادا کس منہ سے کیجے شکر اُن کی مہربانی کا

ابھی غم ہے ابھی شادی ابھی رونا ابھی ہنسنا / تماشا دید کے قابل ہے اس دنیائے فانی کا

نہ وہ دم خم نہ وہ کس بل نہ وہ تیزی نہ وہ برش / کیا دم بند اُس ابرو نے تیغِ اصفہانی کا

ہوا جب ہم کو شوقِ دید اُن کی چھیڑ تو دیکھو / سُناتے ہیں ہمیں در پردہ نغمہ لن ترانی کا

نزاکت نے نکلنے دی نہ منہ سے بات بھی پوری / گلا کرنے وہ بیٹھے تھے ہماری ناتوانی کا

شبِ غم کے تصور ہی سے گھبرانے لگا ہے دل / ابھی ہے سامنا باقی بلائے آسمانی کا

تری اُلفت رفیقِ غم ہے میں بھی کتنا منصف ہوں / کہ بخشا اُس کو عہدہ دردِ دل کی پاسبانی کا

مرے لب سے جو موزوں ہو کے نکلے میری دو نالے / سخنور اُس کو مطلع سمجھے دیوانِ فغانی کا

قدم اُس در پہ رکھا تھا کہ دامن رشک نے پکڑا / نہیں تھا تو بھی دشمن علاج اس بدگمانی کا

ہوا خاموش کیوں ناصح کہے جا کچھ نہ کچھ منہ سے / مزا آتا ہے ہم کو تیری باتوں میں کہانی کا

خدا نے اُس کی باتوں میں عجب تاثیر بخشی تھی
مزا بیخود ہی کے دم تک ہے معجز بیانی کا

کیا بتاؤں تمہیں میں حشر کے دن کیا ہوگا
ہو رہیگا مری قسمت میں جو ہونا ہوگا

میں نے پوچھا تھا مجھے وصل تمہارا ہوگا
مسکرا کر یہ کہا تیرا کلیجا ہوگا

یا تو میں ہی نہیں یا وصل تمہارا ہوگا
آج پورا مری تقدیر کا لکھا ہوگا

جلوۂ عام سے کیا رشک نہ ہوگا، ہوگا
کوئی تو حشر میں عاشق بھی تمہارا ہوگا

اُس نے مے پی ہے مرے ہوش اُڑے جاتے ہیں
کیا خبر تھی مجھے یوں نشہ دوبالا ہوگا

یہ تو میں بھی نہیں کہتا ہوں کہ سنئے میری
یہ بتا دیجئے کب تک یونہیں کیا کیا ہوگا

لیجئے لیجئے دل آپ نہ بوسہ دیجے
آپ نے مجھکو بھی اپنا ہی سا سمجھا ہوگا

روز کہدیتے ہو تم آج نہیں کل آنا
کل قیامت میں بھی کیا وعدۂ فردا ہوگا

مجھ کو اتنا نہ شبِ وعدہ کئے جا بیتاب
دم تو لے اے دلِ مضطر کوئی آتا ہوگا

دل تو لیتے ہو مگر یہ بھی رہے یاد تمہیں
جو ہمارا نہ ہوا کب وہ تمہارا ہوگا

پھر نہ دوں گا تمہیں لینا ہی تو اس دم لیلو
چار دن بعد اگر دل کا تقاضا ہوگا

لاکھ تدبیر ہو تدبیر سے ہونا کیا ہے
چارہ گر داغِ محبت کہیں مٹتا ہوگا

یوں ستاتا مجھے یہ چرخ کی جرأت کب تھی
کچھ کسی اور کا بھی اس میں اشارا ہوگا

مل ہی جائیگا وہاں بھی کوئی مرنے والا
اُن کو جنت میں نہ کیا حسن کا دعوا ہوگا

کچھ خدا کا ہمیں دیدار وہاں ہوگا نصیب
کچھ یہاں جلوہ کسی بت نے دکھایا ہوگا

اپنے مطلب کا نہیں تو ہے اُنہیں کے ڈھب کا
تجھ سے ایدل نہ کوئی کام ہمارا ہوگا

آپ وعدہ تو کریں حشر بھی کچھ دور نہیں
کل تو ہوگا یہ اگر آج نہ ایفا ہوگا

لی اگر اُس نے شبِ وعدہ تلاشی دل کی
جل کے پوشیدہ کہاں داغِ تمنا ہوگا

سونگھ کر رہ گئے بوتل کو جناب زاہد
ہم تو سمجھے تھے کہ کچھ اور ارادا ہوگا

ایک دل کہتا ہے ہاں حشر میں کیجے فریاد
ایک دل کہتا ہے وہ مفت میں رسوا ہوگا

عشق کے نام سے بھی ہم تو خبردار نہیں
ہم سے پہلے کبھی اس بات کا چرچا ہوگا

قیس کی دشت نوردی کا وہ قصہ سُن کر
کہتے ہیں عشق نہ ہوگا اُسے سودا ہوگا

اپنی تصویر بھی تم اپنے مقابل رکھ دو
میں اُسے چاہوں گا دونوں میں جو اچھا ہوگا

موت سے خوش ہوں کہ فرقت سے رہائی ہوگی
حشر سے شاد ہوں دیدار تمہارا ہوگا

میں جو کہتا ہوں کہ **بیخود** ہے تمہارا شیدا
مُنھ بنا کر وہ یہ کہہ دیتے ہیں ہوگا ہوگا

کیا کیا مرے دل پر شبِ ہجراں نہیں ہوتا
میرا ہی جگر ہے کہ پریشاں نہیں ہوتا

اُلفت کا ہر اک شخص کو ارماں نہیں ہوتا
یہ کام مری جان کچھ آساں نہیں ہوتا

ہاں آپ کہیں غیر بھی ہو جاتا ہے اپنا
میں تو یہ کہے جاؤں گا ہاں ہاں نہیں ہوتا

رُکتی ہے زباں وعدہ پہ ہر بار کسی کی
دشوار کچھ ایسا ہے کہ آساں نہیں ہوتا

ناکامِ تمنّا کوئی ہم سا بھی نہ ہوگا
پورا ہی کسی بات کا ارماں نہیں ہوتا

آپ اپنی تمنّا کی خلش پوچھئے دل سے
ایسا تو کھٹکتا ہوا پیکاں نہیں ہوتا

وہ غیر ہے جس پر ترے الطاف ہیں لاکھوں
وہ میں ہوں جو شرمندۂ احساں نہیں ہوتا

مر کر بھی تو ارمان رہے خانۂ دل میں
برباد ہوئے پر بھی یہ ویراں نہیں ہوتا

کچھ درد کی لذّت سے نہ آگاہ ہو جب تک
انساں نہیں کہتے اُسے انساں نہیں ہوتا

اتنی بھی کسی بات پہ یوں ہٹ نہیں کرتے
اتنا بھی بس انکار مری جاں نہیں ہوتا

ہے جوشِ جنوں میں بھی یہ اخفائے محبّت
سینہ کی طرح چاک گریباں نہیں ہوتا

دیکھی نہ سُنی ایسی قیامت کی جُدائی
دل میں بھی تو کوئی شبِ ہجراں نہیں ہوتا

جنّت سے غرض کیا ہمیں واعظ یہ بتا دے
ہوتا ہے وہاں کوچۂ جاناں نہیں ہوتا

انکار بھی دیتا ہے مزا عہدِ وفا کا
کہنا اسی انداز سے پھر ہاں نہیں ہوتا

احباب جدائی میں نہ دیں مجھ کو تسلّی
میں غیر کا منّت کشِ احسان نہیں ہوتا

بیخود کے گناہوں کی تو گنتی ہی نہیں ہے
اب بھی تو یہ کمبخت پشیماں نہیں ہوتا

آپ کا ارشاد یہ ہے دل ترا جاتا رہا
میں تو یوں سمجھا ہوں جینے کا مزا جاتا رہا

ربط دشمن سے اگر لے دل برا جاتا رہا
رنج کی کیا بات ہے جاتا رہا جاتا رہا

آنکھ میں جب تک حیا تھی ان سے تھی چشمِ امید
وہ سہارا مٹ گیا وہ آسرا جاتا رہا

غیر کے مرنے سے اتنا تو ہوا ہے فایدہ
وہ تمہارا ہر گھڑی کا روٹھنا جاتا رہا

کیا ہوا وہ آپ کا عہدِ وفا یادش بخیر
یہ تو میرا دل نہ تھا جو مٹ گیا جاتا رہا

میں نے دل کو صبر کا خوگر بنایا جبر سے
آپ سمجھے درد اس کا بے دوا جاتا رہا

پوچھتے تھے روز مجھ سے عشق تیرا کیا ہوا
آج ان سے میں نے جل کر کہہ دیا جاتا رہا

تم وہی شوخی وہی چتون وہی صورت وہی
شرم آنکھوں نے چرا لی اور کیا جاتا رہا

چال اچھی چل گیا ان کا لبِ پیماں شکن
دو ہی باتوں میں سب دل کا گلا جاتا رہا

مجھ کو مطلب ان سے کیا میں وضع کا پابند تھا
بے غرض بے واسطہ بے مدّعا جاتا رہا

اپنی صورت سے ڈرے وہ حال میرا دیکھ کر
بن سنور کر آئینہ کا دیکھنا جاتا رہا

اور ہی دل سے وہ بن بیٹھے تھے میرے سوگوار
ان کو یہ افسوس ہے رنگِ حنا جاتا رہا

ساتھ جائیگی ہمارے یاد اس کی قبر میں
اور جو کچھ دل میں تھا اس کے سوا جاتا رہا

اور کیا تھا دو گھڑی کا لطفِ صحبت ان سے تھا
غیر کے ڈر سے وہ ہنسنا بولنا جاتا رہا

مٹتے مٹتے داغ حسرت دل سے آخر مٹ گیا
رفتہ رفتہ سوز الفت کم ہوا جاتا رہا

غم نہیں کعبہ میں مجھ کو کچھ خدا کے فضل سے
صرف اتنا ہے بتوں کا سامنا جاتا رہا

اُن سے وہ بیخود کا مرنا پہلے تو چھپکے رہے
پھر یہ بولے بات کرنے کا مزا جاتا رہا

پھر ذرا غیر کو بُرا کہنا
ہم سے بیٹھے ہو واہ کیا کہنا

بار ہے دل کی بات کا کہنا
آپ کی نازکی کا کیا کہنا

یہ نرالی ہے شوخی تقریر
آ گیا آپ کو بُرا کہنا

کل ہوئیں اُن سے دیر تک باتیں
یاد آیا نہ مدعا کہنا

وہ ابھی عاشقی سے کیا واقف
ایسی باتوں کا اُن سے کیا کہنا

کل کا غصہ ابھی نہیں اُترا
آج پھر روٹھنا بُرا کہنا

غیر پر ڈھال کر نہ کچھ کہئے
میں سمجھتا ہوں آپکا کہنا

بزم دشمن میں جا کے دیکھی سیر
نہ سنا آپ نے مرا کہنا

غیر کی جان کو دعائیں دو
آ گیا تم کو بیوفا کہنا

وہ اُدھر ہم سے روٹھے بیٹھے ہیں
نہیں سنتی ادھر قضا کہنا

جس پہ دشمن کی جان جاتی ہو
اُس ادا کو نہ تم ادا کہنا

کاٹ ڈالوں زبان خنجر سے
نہیں سنتا وہ بیوفا کہنا

قیس سے تم اگر ملو بیخود
میری جانب سے بھی دعا کہنا

چلنا انہیں دشوار دم مشق ستم تھا
پڑتا تھا جہاں پاؤں تہ دل زیر قدم تھا

دُہرا شبِ فرقت میں مجھے رنج و الم تھا
اُن کو بھی مری چاہ تھی یہ اور ستم تھا

وہ دل کو لیا چاہتے تھے مکر و دغا سے
وہ عہدِ وفا وصل کی شب عین ستم تھا

احباب دمِ نزع اُسے لائے تو ہوتے
گو بند زباں تھی مگر آنکھوں میں تو دم تھا

دیکھی نہ سُنی ہم نے تو یہ حشر خرامی
شاکی تری رفتار کا ہر نقشِ قدم تھا

غش تک تو رہا رنج جُدائی سے افاقہ
جب ہوش ہوا پھر وہی ہم تھے وہی غم تھا

یہ رتبہ کہاں کوہکن و قیس نے پایا
وہ ہم نے کیا عشق میں جو کام اہم تھا

کھویا مجھے دُنیا سے تری آؤ بھگت نے
ثابت یہ ہوا وہ بھی اک اندازِ ستم تھا

یہ کون گیا تھا ترے کوچے سے نکل کر
میرا دلِ بیتاب تھا جو نقشِ قدم تھا

افسانۂ غم سُن کے وہ فرماتے ہیں مجھ سے
یہ ہم نہیں سمجھے تجھے کس بات کا غم تھا

جاتے ہی ترے پھر نہ رہا صبر یہ وتابو
آنکھیں تھیں مری ورنہ ترا نقشِ قدم تھا

دل لے گئے وہ چھین کے بیخود سے شبِ وصل
پوچھے کوئی اُن سے یہ ستم تھا کہ کرم تھا

گھر میں اللہ کے قیام کیا
حق تو یہ ہے بُتوں نے کام کیا

کم نگاہی نے اُس کی کام کیا
آپ مارا قضا کا نام کیا

میرے دشمن ملیں رقیبوں سے
دوستی کو تری سلام کیا

تیغ لیکر وہ گھر سے جب نکلے
پڑ گئی دھوم قتلِ عام کیا

وصل کی آرزو میں جان گئی
ہجر نے کام ہی تمام کیا

کہدیئے اُن سے بھید سب دل کے
جان جوکھوں کا ہم نے کام کیا

غیر سے جب کبھی ہوئیں باتیں
ہم نے مُنھ پھیر کر کلام کیا

کبھی پھرتے رہے وہ آنکھوں میں — کبھی دل میں مرے قیام کیا

دمِ رخصت یہ چھیڑ تو دیکھو — اُس نے جھک کر مجھے سلام کیا

شکوے غیروں سے ہیں محبت کے — تم نے اس خاص کو بھی عام کیا

گھر سے چل کر یہیں تم آئے ہو — یا کہیں اور بھی قیام کیا

چلتے چلتے اُڑا لیا دل کو — سحر اُس نے دمِ خرام کیا

اس قدر ظلم ایسی جی داری — اس نزاکت پہ قتلِ عام کیا

معجزہ تھا یہ اُن کے بسمل کا — دہنِ زخم سے کلام کیا

مے نہ پی ہجرِ یار میں بیخود
اور توبہ کا تو نے نام کیا

وہ ترچھی نظر قہر ڈھاتی ہے کیا کیا — وہ بانکی ادا دل لبھاتی ہے کیا کیا

وفا دیکھیے رنگ لاتی ہے کیا کیا — محبت ابھی گل کھلاتی ہے کیا کیا

یہ مرنے سے تم پر ڈراتی ہے کیا کیا — اجل مجھ کو آنکھیں دکھاتی ہے کیا کیا

وہ کچھ مسکرانا وہ کچھ چھپ جانا — جوانی ادائیں سکھاتی ہے کیا کیا

وہ گھبرا کے دیتے ہیں جس دم تسلی — ہنسی اُن کے رونے پر آتی ہے کیا کیا

ستمگر غضب کی ہے تصویر تیری — نگاہوں میں یہ کھائے جاتی ہے کیا کیا

تمنا سی شاطر نہ دیکھی نہ دیکھیں — تصور میں نقشے جماتی ہے کیا کیا

ہر اک گھر میں ہیں تیری صورت کے چرچے — دلوں پر یہ سکے بٹھاتی ہے کیا کیا

پیامی سے میرے تو ناخوش ہوئے وہ — صبا دیکھیے گل کھلاتی ہے کیا کیا

نہ دیکھا تھا جو بزمِ دشمن میں دیکھا — محبت تماشے دکھاتی ہے کیا کیا

پسِ پردہ شاید وہ بیٹھے ہوئے ہیں
صدا لن ترانی کی آتی ہے کیا کیا

وہاں بات پر لب ہلانا ہے مشکل
سخن میں زباں پکڑی جاتی ہے کیا کیا

تری پردہ داری کے قربان جاؤں
یہ میری خطائیں چھپاتی ہے کیا کیا

تری ہوشیاری کا قائل ہوں میں بھی
ارادے مرے تاڑ جاتی ہے کیا کیا

نہ دنیا کا غم تھا نہ عقبیٰ کا کھٹکا
جوانی مجھے یاد آتی ہے کیا کیا

نہیں کو تری کوئی ہاں ہم سے پوچھے
یہ دکھا ہوا دل دکھاتی ہے کیا کیا

ابھی ابتدا ہے محبت کی بیخود
یہ آئندہ دیکھیں دکھاتی ہے کیا کیا

ردیف بائے موحدہ

گویا زبانِ حال سے ہے آپ کا شباب
یہ شوخیاں یہ حسن یہ نام خدا شباب

آنکھوں میں نشہ حسن کا چھایا ہوا شباب
ہو خیر اپنی جان کی دیکھا ترا شباب

انگڑائی لینے میں جو پڑی آرسی پر آنکھ
کہتے ہیں اپنے عکس سے وہ دیکھنا شباب

وہ اپنے عاشقوں سے خفا ہیں کسی سے کیوں
ان کو ہے یہ گمان کریگا وفا شباب

اتنی سی عمر میں تو یہ فتنے بپا کئے
ڈھاتا ہے قہر دیکھیے کیا آپ کا شباب

جو بات تیرے حسن میں ہے لاجواب ہے
انداز، ناز، غمزہ، کرشمہ، ادا، شباب

وہ جوش مٹ گیا وہ امنگیں بھی مٹ گئیں
تم کیا گئے کہ ہاتھ سے جاتا رہا شباب

آنکھوں سے ٹپکی پڑتی ہیں بدمستیاں تری
اللہ رے ترا جوش پہ آیا ہوا شباب

حوروں سے کون آنکھ ملاتا ہی خلد میں
میری نگاہ میں ہی کسی شوخ کا شباب

ہر بات کے لیئے ہی مری جان ایک وقت
اب تم حیا کو چھوڑ دو اب آگیا شباب

اس عشق عاشقی کے مزے ہم سے پوچھیے
دولت مٹائی، رنج سہے، کھو دیا شباب

کہتے ہیں اسکو وعدہ، جوانی ہی اس کا نام
آتا رہا وہ شوخ یہاں چل بسا شباب

کیا خواب تھا خیال تھا آیا چلا گیا
سوتے سے اُٹھ کے صبح جو دیکھا نہ تھا شباب

اب کیا دہرا ہے مجھ میں تری یاد کے سوا
ارمانِ دل تو لُوٹ کے سب لے گیا شباب

راز و نیاز عاشق و معشوق دیکھنا
یوسف کے ساتھ قید زلیخا کا تھا شباب

دونو کا اعتبار مری آنکھ میں نہیں
معشوق بیوفا ہی تو اُس سے سوا شباب

لاکھوں حسین اپنی نظر سے گذر گئے
کیا کیا بہارِ حُسن دکھاتا رہا شباب

اب چرخ پیر دلغ ہی اب آنکھ کیوں ملے
ہم جانتے ہیں آپ کو تو لے اُڑا شباب

ہر گُل کی پنکھڑی پہ یہ لکھا ہوا ملا
کیسا بے ثبات عمر ہی کیا بیوفا شباب

دو رنگ روپ ہے نہ وہ جوش و خروش ہی
جاتی رہی بہار ہوا ہو گیا شباب

لاکھوں پہ دل نثار ہوا بے مبالغہ
آفت میں مبتلا ہے جبتک رہا شباب

رہتا ہے پیشِ چشم تصور میں رات دن
میرے گلے کا ہار بنا آپ کا شباب

اپنی بھی شکل تم کو لڑکپن کی یاد ہے
بیخود سے پوچھتے ہو ترا کیا ہوا شباب

مشکل سے بعد مرگ ہوئی ہی لحد نصیب
مجھ سا بھی عشق میں کوئی ہوگا نہ بدنصیب

پوری نہ ہوئیں جب بھی مرے دل کی خواہشیں
ہوتی اگر نعیب نے عمرا بدنصیب

آوارہ بوئے گل کی طرح سے ہی سگی روح
ہوگا نہ حشر تک بھی پھر ایسا جسد نصیب

فرماتے ہیں وہ سروِ صنوبر کو دیکھ کر
ان کو بھلا کہاں ہے یہ بوٹا سا قد نصیب

لازم ہے داغِ دل طلبِ وصل کے لئے
دولت یہ وہ نہیں کہ جو ہو بے سند نصیب

کہتے ہیں وقتِ نزع وہ پہلو میں بیٹھ کر
تجھ کو یونہیں وصال رہے تا ابد نصیب

جنت میں بھی مزار بنا ہے کہیں بھلا
اُس کی گلی ہیں کیوں ہو کسی کو لحد نصیب

تائید ہے خدا کی جو وہ بُت ہے مہرباں
ہوتی ہے کس کو عشق میں ایسی مدد نصیب

کیا کام فوجِ رنج و الم کا مزار میں
منزل یہ وہ نہیں کہ جہاں ہو رسد نصیب

ڈوبے تمام عمر رہے ایک رنگ میں
دریائے عشق کو نہوا جزر و مد نصیب

بیخود ترے نصیب ہیں آرام گر نہ تھا
آئی نہ تجھ کو موت بھی کمبخت بد نصیب

مل جاتا ہے رنجش کے لئے کوئی سبب خوب
ہے روٹھنے کا وصل کی شب آپکو ڈھب خوب

کہنا ہی پڑا نذر ہے تعریف پہ دل کی
ہاتھ آیا ہے ظالم کے یہ اندازِ طلب خوب

واقف نہیں کیا تیری بُرائی سے زمانہ
کیوں شکل تری دیکھ کے کہدیتے ہیں سب خوب

جو عضو ہے بے مثل ہے سانچے میں ڈھلا ہے
قد خوب کمر خوب دہن خوب ہے لب خوب

برچھی ہے کلیجے کے لئے دل کیلئے تیر
کہنا وہ ستمگر کا دمِ قہر و غضب خوب

دل توڑ کے میرا مجھے دیتے ہیں تسلّی
آتا ہے اُنہیں رحم ستا لیتے ہیں جب خوب

یہ تو کہیں وہ اپنے کو سمجھے ہوئے کیا ہیں
اس جور پہ اس ظلم پہ ہے دل کی طلب خوب

محشر میں کسی کی بھی نہ کچھ پیش چلے گی
فریادِ ستم کیجئے دل کھول کے اب خوب

کی بات بھی ہم سے نہ کبھی آنکھ ملا کر
ظالم کو سکھایا ہے کسی نے یہ ادب خوب

محفل میں نیا کون ہے شرم آتی ہے جس سے
کُھل کھیلی ہے زاہد سے تو اب بنتِ عنب خوب

بیخود کا کبھی نام جو سنتے ہیں کسی سے
فرماتے ہیں دیوانہ نے پایا ہے لقب خوب

اک فقط دل ہی نہیں ہجر میں تنہا بیتاب
درد فرقت سے ہے ہر عضو ہمارا بیتاب

ہم کو دیکھا تھا کسی نے کبھی اتنا بیتاب
دل ہے کچھ آج تو اندر سے ہمارا بیتاب

بات کرتے نہیں وہ ہم سے سنبھلتا نہیں دل
کہیں تمکین کی یہ صورت کوئی اتنا بیتاب

دوڑ کر میں جو شب وصل گرا قدموں پر
اُس نے غصّہ سے کہا دیکھ کر اچھا بیتاب

کیا کروں ہجر میں کس کس کو سنبھالوں یا رب
مضطرب سینہ میں دل دل میں تمنّا بیتاب

ضعف سے اب تو ہے کروٹ بھی بدلنی دشوار
جسم میں تاب و تواں تھی تو کبھی تھا بیتاب

آنکھ میں دل ہیں نظر میں نہیں ٹکتا دم بھر
کس قدر ہے کوئی شوخ ستم آرا بیتاب

جب کہا میں نے کہ بیتاب ہے کیتنے تم بھی
اُس نے شوخی سے کہا تیرا کلیجا بیتاب

شوقِ نظّارہ میں نکلا تھا فلک پر خورشید
ہو گیا دیکھ کر اُس کا رُخِ زیبا بیتاب

غیر کے خط سے پریشان نہ ہو تم دل میں
چین کرتا ہے شب و روز وہ کس کا بیتاب

اُس کی قدرت کے تماشے نظر آتے ہیں نئے
حیلہ جو آپ سا کوئی، کوئی ہم سا بیتاب

انہیں پاتو ہے تو لگ جاتی ہے دلمیں مرے آگ
میرے آگے کبھی بجلی کو نہ کہنا بیتاب

وصل میں چین ہے مجھ کو نہ جدائی میں قرار
کوئی مجھ سا تو زمانے میں نہ ہوگا بیتاب

وہ مرا تھام کے دل بزم عدو سے اُٹھنا
اور کہنا وہ کسی شوخ کا اتنا بیتاب

کھو دیئے برقِ تجلّی نے بھی کچھ ہوش و حواس
اور کچھ پہلے سے تھے حضرت موسیٰ بیتاب

دیکھے معشوق بھی عاشق بھی ہزاروں ہم نے
آپ سا شوخ زمانے میں نہ ہم سا بیتاب

میکشو حضرتِ زاہد کی ہے نیّت میں فساد
ہو گئے دیکھتے ہی ساغر و مینا بیتاب

میرے ہمراہ نظر بنتا ہے مرا سایہ بھی
اور ہو گا شب فرقت میں کوئی کیا بیتاب

مضطرب دیکھ کے بیخود کو کہا ظالم نے
آج سے ہم نے رکھا نام تمہارا بیتاب

ردیف بائے فارسی

عاشق سمجھ رہے ہیں مجھے دل لگی سے آپ
واقف نہیں ابھی مرے دل کی لگی سے آپ

دل بھی کبھی ملا کے ملے ہیں کسی سے آپ
ملنے کو روز ملتے ہیں یوں تو سبھی سے آپ

سب کو جواب دیں گی نظر حسب مدعا
سن لیجے سب کی بات نہ کہیے کسی سے آپ

مرنا مرا علاج تو بیشک ہے سوچ لوں
یہ دوستی سے کہتے ہیں یا دشمنی سے آپ

ہو گا جدا یہ ہاتھ نہ گردن سے وصل میں
ڈرتا ہوں اڑ نہ جائیں کہیں نازکی سے آپ

زاہد خدا گواہ ہے ہوتے فلک پر آج
لیتے خدا کا نام اگر عاشقی سے آپ

اب گھورنے سے فایدہ بزم رقیب میں
دل پر چھری تو پھیر چکے بے رخی سے آپ

دشمن کا ذکر کیا ہے جواب اس کا دیجیے
رستہ میں کل ملے تھے کسی آدمی سے آپ

شہرت ہے مجھ سے حسن کی اس کا مجھے ہے رشک
ہوتے ہیں مستفیض مری زندگی سے آپ

دل تو نہیں کسی کا تجھے توڑتے ہیں ہم
پہلے چمن میں پوچھ لیں اتنا کلی سے آپ

میں ہی وفا ہوں غیر نہایت وفا شعار
میرا سلام لیجے ملیں اب اسی سے آپ

آدھی تو انتظار ہی میں شب گذر گئی
اس پر یہ طرہ سو بھی رہینگے ابھی سے آپ

بدلا یہ روپ آپ نے کیا بزم غیر میں
اب تک مری نگاہ میں ہیں اجنبی سے آپ

پردے میں دوستی کے ستم کس قدر ہوئے
میں کیا بتاؤں پوچھیئے یہ اپنے جی سے آپ

اے شیخ آدمی کے بھی درجے ہیں مختلف
انسان ہیں ضرور مگر واجبی سے آپ

مجھ سے صلاح لی نہ اجازت طلب ہوئی
ہے وجہ روٹھ بیٹھے ہیں اپنی خوشی سے آپ

بیخودؔ یہی تو عمر ہے عیش و نشاط کی
دل میں نہ اپنے توبہ کی ٹھانیں ابھی سے آپ

لب کو جنبش ہوئی کچھ سر بھی ہلا آپ ہی آپ
اپنی باتوں کا وہ لیتے ہیں مزا آپ ہی آپ

بات وہ دل کی مرے تاڑ گیا آپ ہی آپ
بے کہے عشق کا سب بھید کھلا آپ ہی آپ

تیرے دیدار کو آنکھیں تو ترستی ہی رہیں
دل نے لوٹا ترے جلوہ کا مزا آپ ہی آپ

اُس بُرے وقت میں کوئی بھی نہ پھٹکے گا قریب
عرصۂ حشر میں ہونگے بخدا آپ ہی آپ

نہ مرے دل کا اشارہ نہ صبا کی تحریک
بڑھ کے قدموں پہ گری زلف رسا آپ ہی آپ

دیکھ کر اُن کو مری شکل ہنسی آتی ہے
کیا سبب اس کا جو پوچھا تو کہا آپ ہی آپ

باریابی سے مری خاک تو محروم رہی
کوچۂ یار میں ہو آئی صبا آپ ہی آپ

غمِ جاوید نے دوزخ کو بھی حصہ نہ دیا
زہر بار اُس نے مرے دل کو کیا آپ ہی آپ

غیر کا دخل نہ تھا نیند کو آنے نہ دیا
رات بھر وہ مری آنکھوں میں پھرا آپ ہی آپ

لے لیا زلفِ مسلسل کا کسی کی بوسہ
کیا کروں کھیل گئی سر پہ قضا آپ ہی آپ

چودھویں سال میں رکھتے ہی قدم نام خدا
شوخیاں کرنے لگی اُن کی حیا آپ ہی آپ

بادۂ عیش کے ساغر میں ہوئے غیر شریک
جامِ الفت ترے عاشق نے پیا آپ ہی آپ

بدگماں حسن کی جانب سے بھی وہ رہنے لگے
اُڑتے دیکھا ہے جو کچھ رنگِ حنا آپ ہی آپ

دین خالی ہے نہ ہے آپ سے دنیا خالی
جس طرف دیکھیے ہیں جلوہ نما آپ ہی آپ

دل ہیں بیخود کے ہے یارانِ طریقت سے ملال
اب تو اُڑتی ہے مئے روح فزا آپ ہی آپ

ردیف تائے فوقانی

بات کرنے میں گذرتی ہی ملاقات کی رات
بات ہی کیا ہے جو رہ جاؤ یہیں رات کی رات

اس شبِ تار میں جانیکی اجازت کیا خوب
اور پھر اُس پہ یہ طرہ ہی کہ برسات کی رات

تکیہ خشتِ خم مے فرشِ زمیں بسترِ خواب
چین سے کٹتی ہی رندانِ خرابات کی رات

عالمِ نور بنا کلبۂ احزاں اپنا
یہ شبِ قدر ہے یا اُن کی ملاقات کی رات

سرد مہری نے تری مجھ کو رُلا رکھا ہی
کبھی جاڑے میں بھی آجاتی ہی برسات کی رات

یوں وہ قابو میں نہ آئیں گے شبِ وصل کبھی
تھم ذرا اے دلِ بیتاب یہ ہی گھات کی رات

حور کے شوق میں تڑپا کیے ہم تو واعظ
کہیے کس طرح کٹی قبلۂ حاجات کی رات

غیر کا ذکر کبھی ختم بھی ہوگا کہ نہیں
یہ شبِ وصل ہی یا حرف و حکایات کی رات

تھی شبِ ہجر بلا جان بچی لاکھوں پائے
خیر سے کٹ گئی صد شکر یہ آفات کی رات

ذکرِ تقصیر گذشتہ نہیں تعزیر سے کم
یہ ملاقات کی شب ہے کہ مکافات کی رات

عیش و عشرت ہی کبھی رنج و مصیبت ہے کبھی
کوئی اس کام کا دن ہی کوئی اُس بات کی رات

اور مہماں ہی دو چار گھڑی کا بیخود
آپ آرام کریں آج یہیں رات کی رات

بر پا نہ ہو کیونکر سرِ بازار قیامت
گفتار قیامت تری رفتار قیامت

ڈھائیں گے ترے طالبِ دیدار قیامت
نالوں سے اُٹھائیں گے یہ سو بار قیامت

دشمن ترے ہمسائے میں آ کر نہیں ٹھہرا
اب رہنے لگی ہے پسِ دیوار قیامت

جب فاتحہ کو آئے وہ ٹھکرا گئے مدفن
آئی مرے مرقد پہ کئی بار قیامت

شوخی تری دم لینے کی فرصت نہیں دیتی
ہے کیسی مصیبت میں گرفتار قیامت

پامال وہ کرتے ہیں اگر حشر بپا ہو
چلتے ہوئے ہیں فتنۂ رفتار قیامت

اچھا نہیں اُس شوخ کا بازار میں آنا
اک روز دکھائیگا یہ بازار قیامت

آئینہ تو خادم ہی سے ہاں ٹوٹ گیا تھا
معلوم نہ تھا توڑیں گے سرکار قیامت

مرتا ہوں جدائی میں خبر تک نہیں ہوتی
تم سے بھی زیادہ ہو دل آزار قیامت

تو گوشۂ دامن میں بھی جمع کئے جا
ہو جائیگی فتنوں کی خریدار قیامت

تو حشر اُٹھائیگا یہ ہم جان چکے ہیں
ہوگی تری ٹھوکر سے نمودار قیامت

انصاف کبھی ہم نے تو ہوتا نہیں دیکھا
دیکھی ہے ترے کوچہ میں سو بار قیامت

دل خاک ہوا حسرتِ دیدار میں **بیخود**
آئی بھی اگر اب تو ہے بیکار قیامت

مری نظر میں ہے دلّی کا ہر مکان جنّت
کہاں یہ شہر بھلا واعظو کہاں جنّت

بنا ہے رشکِ جناں اس کا ہر گلی کوچہ
دکھا رہی ہے زمیں زیرِ آسماں جنّت

یہاں کی نزہت و رفعت کا پوچھنا کیا ہے
ہر ایک نخل ہے طوبےٰ ہر اک مکاں جنّت

بتانِ ماہ جبین اور چاوڑی بازار
یہ بالیقین ہیں حوریں یہ بے گماں جنّت

ہوئی ازل میں جو دنیا و دیں کی زیبائش
یہاں یہ شہر بنایا گیا وہاں جنّت

جو دوزخی بھی یہاں آئے جنّتی بن جائے
اسی جگہ تو ہے بس زیرِ آسماں جنّت

یہی تو مسجدِ جامع ہے دیکھ اے گردوں
اسی کے گرد تو پھرتی ہے ہر زماں جنّت

یہاں کے شوق میں ہوتے ہیں لوگ آوارہ
کہ ڈھونڈتے ہیں مزے کے لئے جواں جنّت

جو بھول جاتے ہیں رستہ تو خضر کہتے ہیں
چلو دکھائیں تمہیں چل کے مہرباں جنّت

نہیں زمانہ میں اس شہر کا جواب کہیں
کرے جو ہمسری اسکی تو ایک ہاں جنّت

مکاں مکاں پہ فدا ہو مکیں مکیں پہ نثار
مقابلے میں اُتر آئے گر یہاں جنّت

دکھاتے سیر تجھے ہم بتوں کے کوچے کی
ترے نصیب میں زاہد مگر کہاں جنّت

ق

اُٹھا کے ہاتھ خدا سے دعا کرو **بیخود**
صلے میں پائے الٰہی یہ مدح خواں جنّت

نہ یہ آنکھیں نہ یہ نقشہ نہ یہ بھولی صورت
تجھ سے ملتی ہی نہیں حور و پری کی صورت

کس کی قسمت میں ہو تم یہ تو بتا دو مجھ کو
کس کے کام آئیگی دنیا میں یہ پیاری صورت

کیوں بگڑتا ہے وہی صبر مجھے بھی دیگا
جس نے دی ہے بت کافر تجھے ایسی صورت

وہ مجھے بھول گئے اور یہاں ہے یہ حال
ہر گھڑی سامنے آنکھوں کے ہے اُنکی صورت

ہیں تو انسان ہوں دے کوئی فرشتوں کو فریب
گوری رنگت یہ قیامت ہے وہ بھولی صورت

بن گئے دیکھ کر آئینہ مجھی سے تم بھی
سچ تو یہ ہے کہ بُری ہوتی ہے اچھی صورت

ہنستے دشمن سے جو اُس غنچہ دہن کو دیکھا
بند رہنے لگا دل اپنا کلی کی صورت

میری صورت سے ہوا آپ کو کس بات کا شک
مسکرا کر جو ابھی آپ نے دیکھی صورت

آئینہ رکھ کے مقابل یہ ہوا حکم مجھے
اس سے پوچھو کہ یہ کیوں تکتا ہے میری صورت

دل کے ہمراہ مری جان بھی وہ لیجائیں
سوچتا ہوں نکل آئے کوئی ایسی صورت

کہہ دیا دیکھ کر اُس شوخ نے لیلٰی کی شبیہ
جس پہ دیوانہ تھا مجنوں وہ یہی تھی صورت

دل تو کیا عشق میں ہستی بھی مٹا بیٹھے ہم
آئینہ میں نظر آتی نہیں اپنی صورت

اُن کو بیخودؔ نے جو چھیڑا تو وہ ہنس کر بولے
ہم سے کیا ہنسنے کا منہ ہے تری روتی صورت

ردیف تائے ہندی

آگیا دم میں جو وہ رشکِ مسیحا جھٹ پٹ
ہو گیا عشق کا بیمار یہ اچھا جھٹ پٹ

اور ملئے کفِ افسوس عدو کے غم میں
اُڑ گیا دیکھئے تو رنگِ حنا کیا جھٹ پٹ

نزع میں چھوڑ کے جاتے ہو مجھے یاد رہے
مرنے والے کو کہیں بھول نہ جانا جھٹ پٹ

جب کہا میں نے ہنسی سے کہ مرا دم نکلا
اُس نے گھبرا کے مری نبض کو دیکھا جھٹ پٹ

ذبح کے بعد یہ افسوس رہا قاتل کو
رقصِ بسمل کا ہوا ختم تماشا جھٹ پٹ

بھولتا ہوں کوئی دزدیدہ نظر کی شوخی
دل اُڑا لے گئی پہلو سے یہ کیسا جھٹ پٹ

نوجوانی میں بہت عشق سے نفرت تھی مجھے
آگیا سامنے تقدیر کا لکھا جھٹ پٹ

میرے غمخوار کی کچھ عمر بڑھا دے یارب
میرا افسانۂ غم ختم نہ ہو گا جھٹ پٹ

دلِ پُرسوز میں مہمان کو راحت نہ ملی
ڈوب کر سینہ سے پیکان نکل آیا جھٹ پٹ

ہے محبت میں سنبھلنے کو زمانہ درکار
ہو چکا ہم سے مریضوں کا مداوا جھٹ پٹ

اُس نے پوچھا تھا تسلی تجھے کب ہے درکار
میری قسمت کہ مرے منہ سے نکلا جھٹ پٹ

اُن کے چہرے سے صبا نے تو اُلٹ دی تھی نقاب
بن گئی رخ کی ضیا بیچ میں پردا جھٹ پٹ

وہ یہ فرماتے ہیں بیخودؔ سے پتے کی سُن کر
ہو گیا آج تجھے نشۂ صہبا جھٹ پٹ

ردیف ثائے مثلثہ

عشق میرا مرے دشمن کو جتاتے ہو عبث
جلنے والے کو مری جان جلاتے ہو عبث

ہمصفیران قفس گل کا وہ جوبن نہ رہا
قیدِ صیاد سے اب چھوٹ کے جاتے ہو عبث

ہم تو پیدا ہی ہوئے چال پہ مٹنے کیلئے
نقشِ پا جان کے تم ہم کو مٹاتے ہو عبث

کوئی تقصیر مری کوئی سبب کچھ بھی نہیں
تم کو تو اس کا مزا ہے کہ ستاتے ہو عبث

ذکرِ دشمن کا شبِ وصل کوئی موقع تھا
جاؤ بیٹھے رہو بس جان جلاتے ہو عبث

چشمِ مشتاق سے جب ہے تمہیں پردہ منظور
پھر جھلک اپنی یہ ہر شئے میں دکھاتے ہو عبث

تم سے بہتر ہے کہاں باغِ جہاں میں کوئی گل
سیر کے واسطے گلزار میں جاتے ہو عبث

پند گو میں بھی سمجھتا ہوں کہ ہے عشق برا
یہی کہنے کیلئے روز تم آتے ہو عبث

جان قربان ہے تم پر ابھی مر جاتا ہوں
اتنی سی بات پہ تم روٹھ کے جاتے ہو عبث

گدگداؤ نہ مجھے چھیڑ کے تم ذکرِ عدو
چٹکیاں لیکے کلیجے میں ہنساتے ہو عبث

ہاتھ اب اس سے اٹھاؤ نہ جیے گا بیمار
تم دعا کیلئے اب ہاتھ اٹھاتے ہو عبث

کس کی طاقت جو کرے ناز و ادا کی تعریف
جب بگڑ کر وہ کہیں ہم کو بناتے ہو عبث

حلقۂ زلف نہیں حلقۂ آغوش ہے یہ
کسمساتے ہو عبث زور جتاتے ہو عبث

تم کو دنیا میں ہے انکار وہاں مل جانا
میری تقدیر کے لکھے کو مٹاتے ہو عبث

بند آنکھیں رہیں بیخود ابھی مکاری سے
اس کے قدموں پہ ہی سر ہوش میں آتے ہو عبث

ردیف جیم تازی

کس کے آنے کا انتظار ہے آج
کہ نظر در پہ بار بار ہے آج

ظلم سے لب پہ جانِ زار ہے آج
تم پہ قرباں یہ جاں نثار ہے آج

حالتِ شوق کیا بیاں کیجے
وعدہ کل کا تھا انتظار ہے آج

کھائے جاتی ہے ہر نگاہ کرم
اِس ستم کا بھی کچھ شمار ہے آج

زندہ کرتا ہے پھر کوئی مجھ کو
اک قیامت سرِ مزار ہے آج

کل کی باتیں وہ کل کے ساتھ گئیں
بات کرنی بھی ناگوار ہے آج

روزنِ در میں گڑ گئیں آنکھیں
کس بلا کا یہ انتظار ہے آج

ضبطِ رنج و الم کئے نہ بنی
نالہ پھر لب پہ بار بار ہے آج

ہے خبر گرمِ آمدِ گل کی
تر زباں باغ میں ہزار ہے آج

کون آیا ہے فاتحہ پڑھنے
روشنی کچھ سرِ مزار ہے آج

اب وہ غفلت نہیں ہے بیخود کو
کل کی نسبت تو ہوشیار ہے آج

مجھ سے خفا ہیں کیا مرے اک مہرباں آج
یا ربّ وہ زمیں ہے نہ وہ آسماں آج

آیا ہے میری قبر پہ وہ بدگماں آج
کل ہی مٹا تھا مٹتا ہے میرا نشاں آج

برسوں کے بعد وہ جو ہوئے مہرباں آج
میں دیکھتا ہوں سر پہ نیا آسماں آج

ہے موت جوشِ شوق ہوا امتحاں آج
وعدہ ہے کل کا اُن سے نکلتی ہے جاں آج

ملنی ہے کل تو حشر میں اس جھوٹ کی سزا
تم وعدہ کر کے اور بدل لو زباں آج

پہلے پہل بندھی ہے تمہاری کمر سے تیغ
ہوگا ضرور قتل کوئی نوجوان آج

پردہ اٹھا کے سامنے آجاؤ بیدھڑک
ہونا ہے کل جو حشر میں ہے میری جان آج

دشمن کے راز دار ہو تم اب کھلا ہمیں
یہ تو سنائی تم نے نئی داستان آج

برسوں گذر گئے ہیں کہ دل کا پتہ نہیں
تم ڈھونڈتے ہو سینہ میں اس کا نشان آج

دیکھوں تو بزم ناز سے مجھ کو اٹھاؤ تم
ہوجائے نازکی کا بھی امتحان آج

کل تک تو محو حسن تھا کھلتا نہیں یہ بھید
اپنے پہ ہوگیا مجھے اس کا گمان آج

کس نے نقاب رخ سے الٹ دی ہے وصل میں
ہے رشک کوہ طور ہمارا مکان آج

لے آئیگا یہ ناقہ لیلےٰ کو راہ پر
مجنوں کا جذب شوق بنا ساربان آج

خنجر کسی کا مدح میں دل کی ہے تر زباں
مجھ کو ملا نصیب سے یہ قدردان آج

جب تم سے واسطہ نہیں پھر کیا کسی سے کام
میری طرف سے مر گیا سارا جہان آج

جو ہم کو کچھ کہے گا بہت کچھ سنے گا وہ
اچھی طرح سے کھول دو غیروں کے کان آج

پہنچا ہوں میں فلک پہ کسی کی تلاش میں
میرے لئے زمین بنا آسمان آج

میں نامراد ہجر میں کیا بات کر سکوں
وہ لے گئے ہیں کاٹ کے گویا زبان آج

بیخود کہیں نہ شب کو سدھارے ہوں خلد میں
پیر مغان کی بند ہے اب تک دکان آج

موت ہے اس درد فرقت کا علاج
کب مسیحا سے ہوا میرا علاج

کہتے ہیں سن کر مسیحا کا علاج
ہم کریں گے آج سے تیرا علاج

کھینچ مارا تیر اک سفاک نے
دل کی بیتابی کا پوچھا تھا علاج

لاکھ کہیے ان سے عرض مدعا
وہ تو سنتے ہی نہیں اس کا علاج

دل مرا مضطر نہ ہو ممکن ہے یہ
آپ کی شوخی کا لیکن کیا علاج

سیکڑوں بیمار غم ہجراں نصیب
چل بسے کس کی دوا کس کا علاج

زہر غم نے کر دیا مجھکو تمام
کوئی دنیا میں نہ تھا اس کا علاج

وصل کی شب روٹھ کر وہ چل دیئے
تھا دل مضطر یہی تیرا علاج

مر گئے تقدیر سے یا جی بچے
عشق میں کیسی دوا کیسا علاج

زہر کھلوایا فلک نے عشق میں
یہ نکالا ڈھونڈ کر اچھا علاج

چارہ سازی کی عبث تکلیف ہے
اب ہمارا موت سے ہوگا علاج

موت کے ساماں ہیں وعدہ کی شب
یہ ہماری جان ہی لیگا علاج

اُن سے مل آنا تو بیخود سہل تھا
آپ کی اس بیخودی کا کیا علاج

ردیف جیم فارسی

فرقت کی شب ہزار ہیں تشویش فکر سوچ
میرے گلے کا ہار ہیں تشویش فکر سوچ

عاشق کو بیشمار ہیں تشویش فکر سوچ
ایک روز میں ہزار ہیں تشویش فکر سوچ

اُن کا خیال حشر کا کھٹکا وفا کا غم
کیا کیا نہ مزار ہیں تشویش فکر سوچ

اب وہ خفا ہیں مجھ سے اب اُن سے ہی بگڑ گئی
اب میرے غمگسار ہیں تشویش فکر سوچ

کل اُن کے قہقہے تھے خوشی تھی سرور تھا
یاروں کے آج یار ہیں تشویش فکر سوچ

پہلو میں یہ ہیں اور وہ ہیں اس کے آس پاس
اس دل کے جاں نثار ہیں تشویش فکر سوچ

اُس سے اُمید رکھ وہ بڑا کارساز ہے
ہو جو جان زار ہیں تشویش و فکر سوچ

مجبور ہوں نصیب سے کچھ بس نہیں مرا
گو مجھ کو ناگوار ہیں تشویش و فکر سوچ

اُلفت میں اُس کی آن ہے نہ دب کر رہونگا میں
گردن پہ کیوں سوار ہیں تشویش فکر سوچ

زخمی کیا رقیب کا تم نے نظر سے دل
میرے جگر کے پار ہیں تشویش فکر سوچ

مٹتے نہیں مٹائے سے کوشش ہزار کی
کس درجہ پائدار ہیں تشویش فکر سوچ

فرقت میں اُس کی میرا پنپنا محال ہے
دشمن یہ تین چار ہیں تشویش و فکر سوچ

برسوں سے ہوں فراق میں آشفتہ حال میں
مدت کے یار غار ہیں تشویش فکر سوچ

رہتے ہیں رات دن جو دل داغدار میں
اس باغ کی بہار ہیں تشویش و فکر سوچ

بیخود شراب پی کے خدا سے بگاڑ لی
اب کیوں سیاہ کار ہیں تشویش فکر سوچ

ردیف ہائے حطی

روٹھتے ہی اُن کے پیدا ہو گئے آثارِ صبح
تیغ بُرّاں سے زیادہ تیز تھی رفتارِ صبح

کیوں ڈرے جاتے ہو رکھے ہیں کہاں آثارِ صبح
نورِ عارض سے تمہارے سرد ہی بازارِ صبح

ہجر ساقی میں صبوحی رنگ لائی ہے نیا
ساغرِ مے بن گیا ہے دیدۂ خونبارِ صبح

زلف کے پھندے سے نکلا دل تو عارض نے لیا
تھا مریضِ شام پہلے اب ہے یہ بیمارِ صبح

وہ عنایت کی نظر وہ لُطف کی باتیں کہاں
اُن کے چہرہ سے عیاں ہونے لگے آثارِ صبح

کس کا یہ دستِ دُعا دستِ زلیخا بن گیا
چاک کس نے کر دیا یہ دامنِ زرتارِ صبح

تیرہ بختی بھی ملی ہے مجھ کو آہ سرد بھی
دیکھنی ہی حشر کے دن گرمیٔ بازار صبح

وعدہ کرنا سہل ٹھہرا بھول جانا سہل تر
یاد رکھے شام تک اُن کی بلا اقرار صبح

وہ دم رخصت شرارت سے یہ نچو کے کہہ گئے
دیکھنا یہ ماہ ہے یا خنجر خونخوار صبح

کر رہی ہی خواب سے بیدار غنچوں کو نسیم
منعقد ہونے کو ہے گلزار میں دربار صبح

وصل میں یہ کہہ کے اُس نے ڈال لی مُنھ پر نقاب
اب نہ ہوگا حشر سے پہلے تجھے دیدار صبح

پہلے آنیکی قسم تھی اب سبق جانیکا ہے
شام کی صحبت سے کچھ بڑھنے لگی تکرار صبح

کیا خبر تھی رنگ لائیگی سیہ بختی مری
شام پر ٹالیں گے مجھ کو کرکے وہ اقرار صبح

چلتے چلتے پوچھنا مطلب ترا حاصل ہوا
یاد آئیگا قیامت تک یہ استفسار صبح

دیکھ لی ہی نرگس مخمور ساقی خواب میں
مست دن بھر کے لئے تو ہوگئے میخوار صبح

میرے داغ دل سے حاصل ہی ضیا خورشید کو
میری آہ نیم شب سے غازۂ رخسار صبح

چاند سورج دو مجاور ہیں ہماری قبر کے
مونس شب ایک ہے ان میں تو اک غمخوار صبح

چین سے گذری محبت میں نہ بیخود ایک شب
ہجر میں تھا وصل کا غم وصل میں انکار صبح

رات بھر گردش تھی اُن کے پاسبانوں کی طرح
پاؤں میں چکر تھا میرے آسمانوں کی طرح

بے نشاں سمجھے ہو تم اپنا دہن اپنی کمر
مٹنے والا ہی یہ دل بھی بے نشانوں کی طرح

دل میں ہیں لیکن انہیں دل سے غرض مطلب نہیں
اپنے گھر میں رہتے ہیں وہ میہمانوں کی طرح

نام پر مرنے کے مرتے ہیں مگر مرتے نہیں
کون جی سکتا ہی ہم سے سخت جانوں کی طرح

بیٹھے جاتے ہو مرے دل کی طرح ہر گام پر
کس سے سیکھے ہو یہ چلنا ناتوانوں کی طرح

کون ہی وہ جو نہیں ہی چاہنے والا ترا
عشق اب رہنے لگا سینوں میں جانوں کی طرح

کچھ نئی ہے حسن والوں کی بھی یا رب آن بان
ہے الگ دنیا سے ان بانکے جوانوں کی طرح

اے دلِ غمگیں وہ آئیں گے مبارک ہو تجھے
وہ چلا آتا ہے قاصد شادمانوں کی طرح

دل کے دینے کا کہیں چرچا نہ کرنا دیکھنا
لیکے دل سمجھا رہے ہیں مہربانوں کی طرح

حال پرسی پرسشِ روزِ جزا سے کم نہیں
پوچھے جاتے ہیں وہ مجھ کو بدگمانوں کی طرح

دل جو کچھ کہتا ہے کرتے ہیں وہی **بیخود** مگر
سن لیا کرتے ہیں سب کی بے زبانوں کی طرح

آیا تمہارا دل بھی جو مجھ پر مری طرح
پھر دیکھنا ستاؤ گا میں بھی اسی طرح

جاہل ہے دل بھی ناصحِ مشفق تری طرح
میں کیا کروں کہ یہ نہیں سنتا کسی طرح

آنکھوں میں پتلیوں کی طرح رات بھر پھرے
بیتاب و بیقرار تھے وہ بھی مری طرح

لیتا ہے دل میں دستِ تسلی سے چٹکیاں
کرتا ہے ظلم وہ بتِ کافر نئی طرح

یا رب ہمارے دل کو بچانا شبِ وصال
پیچھے پڑی ہیں اس کی نگاہیں بری طرح

اب نام بھی وفا کا نہ لوں گا تمام عمر
مجھ سے خطا ہوئی مجھے بخشو کسی طرح

یہ ہے غلط گمان کہ شکوہ سنا نہیں
میں جانتا ہوں جان کے ظالم نے دی طرح

دشمن نے پاس رہ کے بگاڑیں سب عادتیں
خوب آزما لی وضع تری دیکھ لی طرح

وصل آپ کا نہیں تو مری جان بھی نہیں
امید زندگی کی ہے بس ایک ہی طرح

کیا قہر ہو گیا جو کہیں ہاتھ چھو گیا
یہ جرم پھر معاف بھی ہوگا کسی طرح

اس کی نگاہِ ناز کبھی چوکتی نہیں
کرتی نہیں خطا یہ کبھی تیر کی طرح

دشمن زمانہ، یار مخالف، فلک عدو
الفت میں زندگی تو ہے دو بھر سبھی طرح

پھر آ گیا قرار دلِ بے قرار کو
پھر ایک بار دیکھ لو مجھ کو اسی طرح

تصدیق اس کی آپ سے کرنی ضرور ہے ‏ ‏ میں نے سُنا ہے قصۂ دشمن کئی طرح

بیخود فراقِ یار میں آئی نہ موت بھی
کمبخت یہ بھی ٹال گئی دے گئی طرح

ردیف خائے معجمہ

پھولوں سے لد رہی ہے اک یاسمن کی شاخ ‏ ‏ جس پر نگاہ کیجیے ہے لاکھ من کی شاخ

سمجھے ہوئے ہوں تیغ کو اک بانکپن کی شاخ ‏ ‏ مقتل کو جانتا ہوں تری انجمن کی شاخ

صیاد کوئی دن کے فقط ہیں یہ چہچہے ‏ ‏ ڈھونڈیگی عندلیب کو اک اک چمن کی شاخ

گلبرگ بن گئیں کفِ رنگیں کی مچھلیاں ‏ ‏ نازک کلائی اُسکی نہیں یاسمن کی شاخ

بجلی نے مجھ پہ گر کے چمن کو جلادیا ‏ ‏ تھی شاخِ آشیاں مری نخلِ کہن کی شاخ

دیتے ہیں عاشقوں پہ وہ ترجیح قیس کو ‏ ‏ مجنوں میں ایک بڑھ گئی دیوانہ پن کی شاخ

محوِ جمال ہیں کسی گل پیرہن کے گل ‏ ‏ مشتاق دید ہے کسی نازک بدن کی شاخ

دیکھی ہے جب سے کاکلِ خمدار یار کی ‏ ‏ بل کھارہی ہے رشک سے کیا کیا ہرن کی شاخ

بولے وہ میری آہ شرر بار دیکھ کر ‏ ‏ کس باغ کے یہ پھول ہیں کس چمن کی شاخ

ٹیڑھی نکالی مانگ نکالی جو زلف میں ‏ ‏ نکلی ہے سادگی میں نئی بانکپن کی شاخ

کیونکر نہ مونھ سے پھول جھڑیں بات بات ‏ ‏ غنچہ ترا دہن ہے زباں ہے دہن کی شاخ

دیتا ہے بانکپن کی ادا ظالموں کو چرخ ‏ ‏ پیدا ہوئی کجی کے لیے کرگدن کی شاخ

آنکھوں سے اشکِ سرخ ٹپکتے ہیں رات دن ‏ ‏ غربت میں گل کھلاتی ہے یادِ وطن کی شاخ

پھر دل میں یادِ یار سے اک آگ لگ اُٹھی
سر سبز پھر ہوئی مرے رنج و محن کی شاخ

تجھ پر ہر ایک تیری ادا ختم ہو گئی
لیلیٰ کے حُسن میں یہ کہاں بانکپن کی شاخ

گنتا ہوں میں قفس میں قفس کی جو تیلیاں
میری نظر میں ہے ابھی اک اک چمن کی شاخ

رکھیں بچا کے بادِ خزاں سے بہارِ حُسن
گل اس سلیقہ کے ہیں نہ ہر اس چلن کی شاخ

پھانسا ہے سبز باغ دکھا کر رقیب کو
ہے لطف بارور ہو فریب و فتن کی شاخ

بیخود پیا ہے خونِ جگر اس زمین میں
کس طرح بارور نہ ہو نخلِ سخن کی شاخ

ردیف دال مہملہ

آنکھوں کے بوسے ملتے ہیں ترچھی نظر کے بعد
پیتا ہوں میں شراب بھی خونِ جگر کے بعد

مل جائے وہ تو اُس کی بلائیں ضرور لوں
میں ڈھونڈنے چلا ہوں دُعا کو اثر کے بعد

روشن ہے جس کے جلوے سے قندیل عرش کی
اتنا تو سوجھتا نہیں کوئی بشر کے بعد

وہ تیر سے چھدا تو یہ خنجر کی نذر ہے
مہمان کوئی دم کا ہے دل بھی جگر کے بعد

پہلے ہوا ہے مجھ سے نزاکت کا امتحان
باندھی ہے اُس نے قتل پہ ہمت کمر کے بعد

نکلی یہ جان یا کوئی کانٹا نکل گیا
راحت ملی ہے آج مجھے عمر بھر کے بعد

نازل ہوئی ہے وعدہ کی شب شام ہی سے تو
آنا تھا لے اجل تجھے اُس بے خبر کے بعد

پہلو میں ہم کھڑے ہیں مقابل ہے آئینہ
پڑتی ہے اُن کی آنکھ ادھر بھی اُدھر کے بعد

تربت میں اب مجھے ہے قیامت کا انتظار
آئیگی یہ بلا بھی تو اُس فتنہ گر کے بعد

میں اپنے گھر کو جاؤں سدھاریں وہ اپنے گھر
کس کام کی ہے موت جو آئی سحر کے بعد

پیہم خلش وہ خار تمنّا کی اب کہاں
اُٹھتی ہے دل میں ہُوک پہر دو پہر کے بعد

پیش آئیں راہِ عشق میں وہ سخت منزلیں
رہزن کی ہے تلاش مجھے راہبر کے بعد

اُن میں کہاں یہ ناز یہ شوخی یہ بانکپن
حوروں سے کیا ملے کوئی اُس سیمبر کے بعد

سب حسرتوں کا آکے یہیں جمگھٹا ہوا
آباد اپنا گوشۂ تربت ہے گھر کے بعد

بیخود سے وضعدار کہاں اب جہان میں
مجھ سے بھی ملنے آئے تھے کل دوپہر کے بعد

اپنا تو چارہ گر سے گیا ہے نہ جائے درد
سر مبتلائے درد ہے دل مبتلائے درد

جو زندگی میں تھے وہی مرکز بھی پائے درد
چھوڑا نہ ساتھ درد نے دیکھی وفائے درد

دل میں نہیں کسی کا گذارا سوائے درد
آباد ہے فراق میں مہمان سرائے درد

ناصح خدا کے واسطے میری نہ جان کھا
دیوانہ ہوں جو تجھ سے کہوں ماجرائے درد

میں قدر دان درد ہوں مجھ سے پوچھیے
انساں نہیں ہے وہ جو نہ ہو آشنائے درد

کیا کیجیے دل میں ضبط کی طاقت نہیں رہی
بے اختیار مُنھ سے نکلتا ہے ہائے درد

سُننے کے واسطے کوئی ہمدرد چاہیے
کہنا ہے ہجر میں مجھے کچھ ماجرائے درد

آنکھیں نکالیے نہ دلِ بے قرار پر
انصاف شرط ہے کوئی کب تک چھپائے درد

برسوں کے جو رفیق تھے وہ بھی نہ کام آئے
اپنا ہوا نہ ہجر میں کوئی سوائے درد

آنے نہ دی کبھی جگر و دل پہ کوئی چوٹ
جھیلے ہیں اپنی جان پہ ہم نے پرائے درد

دم بھر میں بھول جائیے یہ ساری شرارتیں
گر وصل ہو نصیب تو قابو میں آئے درد

رہبر کی ٹھوکروں سے بھی کھائی ہے دل نے چوٹ
حاصل ہوا نہ عشق میں کچھ بھی سوائے درد

مژگاں کی یاد اور ہی کچھ رنگ لائیگی
کہدو کہ ہاتھ اب مرے دل سے اُٹھائے درد

دل میں بجائے داغ کوئی آرزو رہے
پہلو میں ہو کوئی ستم آرا بجائے درد

وہ زار ہوں کہ جس کو صبا گرد میں اڑائے
وہ ناتوان ہوں جسے اُٹھ کر اُٹھائے درد

بیخود شب فراق شب وصل تو نہیں
آجائے تجھکو نیند جو آئے مبتلائے درد

ہر رشک سے دل مضطر سنگ آمد و سخت آمد
یہ بوجھ اُٹھے کیونکر سنگ آمد و سخت آمد

پوچھے جو وہ بت ہنس کر عاشق ہو کہو کس پر
کیا حال کہوں پتھر سنگ آمد و سخت آمد

گردن نہ کٹی پوری اللہ رے مجبوری
چلتا ہی نہیں خنجر سنگ آمد و سخت آمد

چاہت بھی بُری تیری فرقت بھی بُری تیری
تو سب سے بُرا خود سر سنگ آمد و سخت آمد

قسمت کی شکایت پر دشمن کی حکایت پر
منھ پھیر لیا ہنس کر سنگ آمد و سخت آمد

اُن کا تو کہاں آنا قاصد بھی نہیں آتا
کر صبر دلِ مضطر سنگ آمد و سخت آمد

اظہار محبت بھی سمجھا ہے غلط کوئی
یہ بھی تو نہیں باور سنگ آمد و سخت آمد

سمجھے جو مرا مطلب اُس شوخ کو کیا مطلب
آیا بھی یہ دل کس پر سنگ آمد و سخت آمد

آتی ہو اُسے کیسی برچھی سی چبھو دینی
ہر بات میں ہر پھر کر سنگ آمد و سخت آمد

انکار محبّت سے کہتا یہ شرارت سے
ہم کو تو نہیں باور سنگ آمد و سخت آمد

جو ہے وہ ترا شاکی اس طرح کی سفاکی
جاری ہو زبانوں پر سنگ آمد و سخت آمد

دُنیا میں جسے دیکھا روتا ہی ہوا پایا
کہتا ہی سُنا اکثر سنگ آمد و سخت آمد

تا روز جزا بیخود ہو دیکھئے کیا بیخود
ہے دور بہت محشر سنگ آمد و سخت آمد

یادِ مژگاں میں تڑپتا ہوں نہیں آتی ہی نیند
میں تو سنتا تھا کہ سولی پر بھی آجاتی ہی نیند

دل کو مضطر دیکھ کر آنکھوں سے اُڑ جاتی ہی نیند
لاکھ بدلوں کروٹیں فرقت میں کب آتی ہی نیند

اس کا شکوہ کیا شبِ وعدہ جو اُڑ جاتی ہی نیند
تم نے ترسایا ہی مجھ کو تم کو ترساتی ہی نیند

تیرے کُشتے پاؤں پھیلا کر نہ سوئیں کس طرح
تیغ اُٹھنے بھی نہیں پاتی کہ آجاتی ہی نیند

دیدۂ دل میں نہیں ہی خوابِ غفلت کو جگہ
بند ہیں آنکھیں مگر آنے نہیں پاتی ہی نیند

بیٹھے بیٹھے جو شبِ وعدہ جھپک جاتی ہی آنکھ
اُن کے آنیکی خبر دینے مجھے آتی ہی نیند

بزمِ دشمن میں نہیں جاگے قسم کھاتے ہو تم
ہیں خمار آلودہ آنکھیں تم کو جھٹلاتی ہی نیند

وصل میں عرضِ مصائب پر بلا الزام یہ
آپ کی باتوں سے میری تو اُڑی جاتی ہی نیند

عشقِ دشمن میں بنے تھے ہم تمہارے رازدا
تم کو ہم سے پوچھنا تھا کیوں نہیں آتی ہی نیند

سوتے سوتے آگیا ہی کس کی شوخی کا خیال
دل تپاں سینے میں ہی آنکھوں میں گھبراتی ہی نیند

کوئی مشتاقِ تمنا ہی تو کوئی حیلہ جُو
مجھ کو پھسلاتی ہی قسمت اُن کو بہلاتی ہی نیند

آ کے پھر جاتی ہی پلکوں تک نئی شوخی ہی یہ
ہجر میں معشوق بن کر مجھ کو ترساتی ہی نیند

سو گیا وعدے کی شب میں سو گئے میرے نصیب
زندگی بھر اب نہ آئیگی قسم کھاتی ہی نیند

ہو طلب اُس کی تو پھر انسان چوکنا رہے
ہر قدم پر ٹھوکریں طالب کو کھلواتی ہی نیند

ہجر میں کیا کیا تڑپ کر جاگ کر گذری ہی عمر
موت ہے مجھ سی خجل آنکھوں سے شرماتی ہی نیند

آنکھ لگنی ہجر میں **بیخود** بہت دشوار ہے
اُن کی آنکھوں کے تصور میں اُڑی جاتی ہی نیند

مجھ کو نہ دل پسند نہ وہ بیوفا پسند
دونوں ہیں خود غرض مجھے دونوں ہیں ناپسند

یہ دل ہی تو ہے جو تمہیں اب ہی ناپسند
معشوق کر چکے ہیں جسے بارہا پسند

جنس وفا کو کرتے ہیں اہلِ وفا پسند — دشمن کو کیا تمیز ہے دشمن کی کیا پسند

جنّت کی کوئی حور نظر پر چڑھی نہیں — دنیا میں مجھ کو ایک پریزاد تھا پسند

روندی کسی نے پائے حنائی سے میری نعش — تھی زندگی میں مجھ کو جو بوئے حنا پسند

وہ بدنصیب ہے جسے آیا پسند تُو — قسمت تو اُس کی ہے جسے تو نے کیا پسند

چڑتے ہیں وہ سوال سے یہ ہم سمجھ گئے — ہے اس لئے اُنہیں دلِ بے مدّعا پسند

صورت بھی پیشِ چشم ہے سیرت بھی پیشِ چشم — دم بھر میں تو پسند ہے دم بھر میں ناپسند

تجھ کو غرورِ زہد ہے شرمِ گنہ مجھے — زاہد کسے خبر کہ خدا کو ہو کیا پسند

چوٹیں چلیں گی خوب برابر کی جوڑ ہے — تو ہے اداشناس تو میں ہوں ادا پسند

ہر پھر کے اُن کی آنکھ عدو سے لڑے نہ کیوں — فتنہ کو کرتی ہے نگہ فتنہ زا پسند

میں خود سکھا رہا ہوں ستم کی ادا اُنہیں — دنیا میں کب ہوا کوئی مجھ سا جفا پسند

رکھ دیں گے آئینہ کے برابر ہم اپنا دل — یا تو یہ ناپسند ہوا اُن کو یا پسند

کس درجہ سادہ لوح ہیں عاشق مزاج بھی — جو ڈھب پہ چڑھ گیا وہ انہیں آ گیا پسند

میرا ہی کیا قصور یہ مجھ پر ستم ہے کیوں — آنکھوں نے دیکھا آپ کو دل نے کیا پسند

انکار سن چکے ہیں طلبگار کیوں بنیں — ملتا نہیں کوئی تو ہے بے فائدہ پسند

بیخود تو مر مٹے جو کہا اُس نے ناز سے
اِک شعر آ گیا ہے ہمیں آپ کا پسند

سینے میں ضعفِ دل سے ہوئی میری آہ بند — کل سے ہے اس غریب مسافر پہ راہ بند

کیا محتسب کے ڈر سے ہوئے ہیں گناہ بند — رہتا ہے رات دن جو درِ خانقاہ بند

وہ چہچہے کہاں وہ کہاں انبساط دل — کچھ بات کی تو ہو گئی دم بھر کو آہ بند

پاس اپنے خواب میں بھی اُسے دیکھتے ہیں ہم
آنکھوں کے ساتھ کب ہے ہماری نگاہ بند

مژگاں ہیں اُس کی تیر کلیجہ کے واسطے
دل کے لیئے ہے حلقہ زلف سیاہ بند

قسمت ہماری وصل میں بن بن کر بگڑ گئی
کرتا ہے جور کب فلک کینہ خواہ بند

سُنسان بتکدہ بھی ہی ویران طور بھی
ہے تیرے عہد میں تو ہر اک جلوہ گاہ بند

یہ مدرسہ نہیں ہی یہ رندوں کی بزم ہی
رکھیں یہاں زبان مشیخت پناہ بند

اے محتسب ہے دختر رز کا قصور کیا
کب تک رہیگی شیشہ میں یہ بیگناہ بند

میں تو خدا گواہ ہے بندہ ہوں عشق کا
کیونکر ہوا بتوں سے مری رسم و راہ بند

آنکھیں تو کھولو دیکھو تو لو صبح ہو گئی
کب تک رہیگی شرم سے چشم سیاہ بند

سُنوا رہی ہے میری فغاں گالیاں مجھے
رکھتی ہے میرے منہ کو بھی خیر خواہ بند

تیری گلی میں کافر و دیندار جمع ہیں
برسوں ہوئے کہ دیر و حرم کی ہی راہ بند

یوں دل میں آہ و نالہ و فریاد بند ہیں
ہو جس طرح سے قلعہ میں کوئی سپاہ بند

بیخود جو تو ہنسا بھی تو آنسو نکل پڑے
رونا کبھی ہوا نہ ترا رو سیاہ بند

اللہ رے وہ روئے پر انوار محمدؐ
تھا عرش پہ بھی جلوۂ رخسار محمدؐ

آنکھوں کو میسر رہے ہے دیدار محمدؐ
کانوں کو ملے لذت گفتار محمدؐ

ہیں دین کے ساماں بھی دنیا کے بھی اسباب
دیکھے کوئی یہ وسعت دربار محمدؐ

شاہوں کو شرف اُن کی غلامی سے ہی حاصل
کس شان کی سرکار ہی سرکار محمدؐ

اک شمع تجلی ہے سراپا قد زیبا
جبرئیل ہیں پروانۂ رخسار محمدؐ

اللہ کی قدرت کا تماشا نظر آئے
ہو جائے اگر خواب میں دیدار محمدؐ

اعجازِ مسیحی کا یہاں دخل نہیں ہے
اچھا نہ ہو عیسیٰ سے بھی بیمارِ محمدؐ

طوبےٰ کی طرف آنکھ اُٹھا کر بھی نہ دیکھوں
مل جائے اگر سایۂ دیوارِ محمدؐ

دیدارِ خدا کا ہوں محمدؐ سے طلبگار
اللہ سے ہوں طالبِ دیدارِ محمدؐ

اب تک بھی تو باقی ہے مدینہ میں وہ خوشبو
تھے مشک فشاں گیسوئے خمدارِ محمدؐ

آتی تھی صدا پردہ سے معراج کی شب میں
یہ رُتبۂ عالی ہے سزاوارِ محمدؐ

اعجاز ہے دیتی ہے فنا کام بقا کا
مر کر بھی تو مرتا نہیں بیمارِ محمدؐ

سایہ تو رہا عرش پہ حضرت تھے زمیں پر
دیکھے کوئی یہ تیزیٔ رفتارِ محمدؐ

کیا تاب بشر کی ہے جو پھر عرض کرے کچھ
جب خالقِ اکبر ہو خریدارِ محمدؐ

حسّانؓ کی طرح اس کا بھی لڑ جائے مقدّر
بیخودؔ بھی بنے شاعرِ دربارِ محمدؐ

ردیف دال ثقیلہ

تیغ پر ہے ناز قاتل کو جوانی پر گھمنڈ
سامنے آئے جسے ہو سخت جانی پر گھمنڈ

حضرتِ زاہد کو ہے تسبیح خوانی پر گھمنڈ
ہم گنہگاروں کو تیری مہربانی پر گھمنڈ

پھولتا ہے کس لئے دم بھر کی ہے تیری نمود
اے حباب اچھا نہیں اک بوند پانی پر گھمنڈ

آج دیکھیں غیر اُٹھیں بزم سے پہلے کہ ہم
اُن کو تجھ پر ناز ہم کو ناتوانی پر گھمنڈ

ہے ابھی سب کچھ ابھی جھپکی پلک کچھ بھی نہیں
کیجئے کیا خاک اس دنیائے فانی پر گھمنڈ

خالِ عارض کا معمّہ بھی نہ تم سے حل ہوا
بس اسی منہ سے کیا تھا نکتہ دانی پر گھمنڈ

دُون کی لینے لگے سب آ کے اُسکی بزم میں
ہے زبانِ شمع کو بھی گلفشانی پر گھمنڈ

عیش دنیا کے نگاہوں میں سماتے ہی نہیں
مجھ کو ہو کیونکر نہ رنج جاودانی پر گھمنڈ

بھول کر بھی اب کسی سے بات وہ کرتے نہیں
بڑھ گیا ایسا دہن کی بے نشانی پر گھمنڈ

پیری وصد عیب تو بیخود مثل مشہور ہے
اور کر لیجے ابھی کچھ دن جوانی پر گھمنڈ

ردیف ذال معجمہ

جیب میں رکھ لیا اُس شوخ نے پڑھ کر کاغذ
کاش ہوتا مرے خط کا دلِ مضطر کاغذ

میں نے کھینچی ورقِ دل پہ تمہاری تصویر
میرے نزدیک تو ہے سب سے یہ بہتر کاغذ

خط میں لکھی ہے جہاں زلفِ سیہ کی تعریف
سادہ چھوڑا نہ وہاں بال برابر کاغذ

مدعا یہ ہے کہ دل کو ترے پامال کریں
اُس نے بھیجا ہے جو مٹھی میں مسل کر کاغذ

اب وہ اخبار کا پرچہ بھی جلا دیتے ہیں
اب اُنہیں خط ہی مرا سوجھتا ہے ہر کاغذ

نامہ آیا تھا ابھی اُن کا ابھی تار آیا
چلے آتے ہیں بُلاوے کے برابر کاغذ

خط کی تحریر سے ہے فتنہ اُٹھانا منظور
عطر فتنے میں جو بھیجا ہے بسا کر کاغذ

خط کتابت نہ ہو غیروں سے یہ ممکن ہی نہیں
اُڑتے پھرتے ہیں ترے کوچہ میں اکثر کاغذ

دل کو زخمی کئے دیتی ہے کسی کی تحریر
بن گیا آج تو میرے لئے خنجر کاغذ

باتیں تحریریں ہوتی ہیں خریداروں سے
پاس محفل میں بھی رکھتا ہے وہ خودسر کاغذ

ایسے تنگ آئے ہیں اب وہ مری تحریروں سے
کوستے ہیں کہ نہ ہو تجھ کو میسّر کاغذ

خط میں تحریر ہے کچھ حال گراں جانی کا
ڈر یہ ہے توڑ نہ دے بال کبوتر کاغذ

لکھدیا اُس نے اگر وصل کا وعدہ بیخود
لطف دے گا مئے انگور سے بڑھ کر کاغذ

میں نے باندھا نہیں حب کا اسی ڈر سے تعویذ
کہ چھپیگا نہ ستمگر کی نظر سے تعویذ

غیر کی بزم میں مجھ سے نہ ملی آنکھ اُنکی
مجھ کو خالی نظر آتا ہے اثر سے تعویذ

نامہ بر مان کہا تیرا اگر ڈرتا کیا ہے
باندھ لے نامے کے ہمراہ کمر سے تعویذ

اب کئی روز سے اس بات کا چرچا ہے وہاں
باندھ جاتا ہے کوئی پردۂ در سے تعویذ

ڈال دو اس کو گلے میں نظرِ بد کے لیے
لکھ کے لایا ہوں یہ میں خونِ جگر سے تعویذ

سبز کُھنی میں جو میں شام کو باندھ آیا تھا
جا پڑا اُڑ کے کہیں بادِ سحر سے تعویذ

نقش ہو دل پہ ہر اک شخص کے صورت جسکی
کم ہے تاثیر میں اُس شعبدہ گر سے تعویذ

شوقِ تسخیر بھی ہو پاسِ نزاکت بھی اُنہیں
تول کر باندھتے ہیں وہ گُلِ تر سے تعویذ

شب کو بیخود یہ نئی سیر نظر آئی ہے
بن کے پروانہ جلا سوزِ جگر سے تعویذ

ردیف رائے مہملہ

دور ہیں تجھ سے جو یہ تیرے وطن میں ہوکر
خار کھائے ہوئے ہیں پھول چمن میں ہوکر

فکر تھی ترکِ وطن کی جو وطن میں ہوکر
روح کو چین نہ تھا میرے بدن میں ہوکر

نگہتِ گل سے کہا گل نے چمن میں ہوکر
بے وطن ہم ہوئے جاتے ہیں وطن میں ہوکر

آپ کچھ خوش بھی ہوئے غیر سے دم بھر نہ بنی
رات کو دیکھ لیا میری جلن میں رہکر

تجھ کو جھٹلائے بھلا میری زباں کی یہ مجال
شوخیاں سیکھ گئی تیرے دہن میں رہکر

کشتہ دستِ حنائی تو ترا لائیگا رنگ
رنگ دیگا یہ کفن کو بھی کفن میں رہکر

فکرِ گلچیں ہے خلشِ خار خزاں کا کھٹکا
چین دم بھر نہ ملا گل کو چمن میں رہکر

دور سے کھینچ کے لے آتی ہے پروانوں کو
شمع نے پاؤں نکالے ہیں لگن میں رہکر

اے زباں تو بھی طرفدار اُنہیں کی نکلی
پاس میرا نہ کیا میرے دہن میں رہکر

سختیاں رنجشِ احباب کی دیکھیں میں نے
قدر غربت کی ہوئی مجھ کو وطن میں رہکر

قیس کو مکتب لیلےٰ میں سبق مل جائے
پھر بڑا نام اُچھالے گا یہ بن میں رہکر

تیرے غصے کو ابھی غیر نے دیکھا کیا ہے
تیغ بن جاتا ہے ماتھے کی شکن میں رہکر

لوٹ کر خاک میں جھڑتے ہی کہا پھولوں نے
اپنی ہستی کو نہ بھولیں گے چمن میں رہکر

گلفشانی کے وہ انداز جو دیکھے نہ سُنے
شمع نے سیکھ لئے بزمِ سخن میں رہکر

واہ اِس نقطۂ موہوم سے کیا پھول جھڑے
معجزہ بن گئی گالی بھی دہن میں رہکر

خوش دلی بھی ہے زمانے میں کوئی شئے یارب
اس کو ہم بھول گئے رنج و محن میں رہکر

یہ غزل گوئی اُسی کا تو صلا ہے بیخود
کی ہے اُستاد کی خدمت جو دکن میں رہکر

مرتا رہا جو عمر بھر اک گلعذار پر
چڑھتے ہیں پھول شمع کے میرے مزار پر

منھ آئے جس قدر وہ مرے رازدار کے
ڈھلتی چلی گئی نگہ سحر مسار پر

نکلا کبھی نہ حرف تسلّی زبان سے
آنکھیں نکالتے ہو دلِ بے قرار پر

افسوس تھا کہ قہر تھا کیا تھا کسے خبر
ملتے رہے وہ ہاتھ مرے اضطرار پر

رکھتا ہوں بعد مرگ بھی الفت کے دو گواہ
حسرت مزار میں ہے اور اسی مزار پر

صیاد دیکھتا ہی نہ رہ جائے تو سہی
کیسا قفس، قفس میں کھلیں ایک بار پر

شرما کے ذکر غیر پہ پیسا کئے وہ دانت
کچھ بھی نہ بس چلا مگر شرمسار پر

شوخی نگاہ میں ہے شرارت مزاج میں
گرتی ہیں بجلیاں دلِ امیدوار پر

اُس سنگدل کی آنکھ سے آنسو ٹپک پڑے
رحمت کا ہے نزول ہمارے مزار پر

قسمت کے رنج کیا ہیں ستم آسماں کے کیا
بھاری ہے ایک عشق تمہارا ہزار پر

مارا ہے مجھ کو شوق شہادت نے جان سے
بے قتل کے بھی خون رہا تیغِ یار پر

ہم اُن کے جھینپنے کی ادا دیکھتے رہے
آنکھیں گڑی رہیں نگہِ شرمسار پر

کیا خاک فصل گل میں اُٹھے کوہسار سے
پتھر پڑے ہیں دامنِ ابرِ بہار پر

ہم وہ شہید ناز ہیں حوریں بہشت سے
آتی ہیں فاتحہ کو ہمارے مزار پر

تیشہ نے کوہکن کا بہایا نہیں لہو
کندہ کیا ہے نقشِ وفا کوہسار پر

شوخی سے یہ ملا طلبِ وصل پر جواب
تجھ کو زبان دے کوئی کس اعتبار پر

میں دیکھتا ہوں دام کے پھندوں کو بار بار
صیاد دیکھتا ہے مرے بار بار پر

ڈھونڈے سے بھی ملی نہ وفا جب کہیں اُنہیں
آئے چراغ لے کے ہمارے مزار پر

غافل نہ مجھ کو چاکِ گریباں سے جاننا
وحشت میں بھی نظر ہے مری تار تار پر

آنکھوں میں دم ہے ہاتھوں میں دل، دل میں اضطراب
کیا قہر ہے نہ آئے جو اس انتظار پر

دی اُس نے اپنے ہاتھ سے مٹی پسِ فنا
یوں خاک ڈال دی مرے دل کے غبار پر

بیخود کو خوفِ نارِ جہنم نہیں رہا
بھولا ہوا ہے رحمتِ پروردگار پر

مٹ گیا غمِ ہستی اُس پہ مبتلا ہوکر
عشق نے اثر بخشا درد کی دوا ہوکر

کس قدر ملی راحت عشق میں فنا ہوکر
کیا مزے اُڑائے ہیں جسم سے جدا ہوکر

ملتے ہی نگاہوں کے کام ہوگیا اپنا
لوگ جیتے ہیں کیونکر آپ پر فدا ہوکر

حُسن تیری خلقت سے بچ رہا تھا کچھ باقی
وہ بھی تیرے چہرہ پر چھا گیا ادا ہوکر

سو طرح کی آفت ہے لاکھ طرح کی ایذا
پھنس گئے مصیبت میں قید سے رہا ہوکر

کم نہ تھا قیامت سے دن تری جُدائی کا
حشر کو بھی رہنا تھا آج ہی بپا ہوکر

رنج ہجر سے فرصت مر کے ہو گئی مجھ کو
کوسنا رقیبوں کا لگ گیا دعا ہوکر

شکوہ کر سکے کوئی نکتہ چیں سے کیا طاقت
رہ گیا غنیمت ہے شکر کا گلا ہوکر

کیا خبر تھی یہ مجھ کو زندگی بسر ہوگی
موت کی تمنّا میں یار سے جدا ہوکر

آپ کے ستم سہ کر میں تو بیوفا ٹھہرا
آپ ہی دکھا دیجے مجھ کو باوفا ہوکر

دل رہا نہ قابو میں دیکھ کر اُنہیں تنہا
یہ ستم نیا ڈھایا شوق نے سوا ہوکر

جان سے گذر کر بھی آپ کو دکھا دیں گے
ایک دن رہیگا یہ آپ کا کہا ہوکر

جُرم کی خجالت سے بن رہی تھی کیا مجھ پر
کھو دیا مزا سارا آپ نے خفا ہوکر

عشق کی کدورت نے صاف کر دیا دل کو
آئینہ کو چمکایا زنگ نے جلا ہوکر

ظلم کا گلا بیخودؔ اس طرح نہ کرنا تھا
بات کا مزا کھویا تو نے بے مزا ہوکر

خدا وقت ایسا نہ ڈالے کسی پر
اجل بھی تو روئی مری بیکسی پر

نہ دیکھا کوئی اور تجھ سا نہ دیکھیں
نظر حشر میں بھی پڑیگی تجھی پر

خدا جانے دم بھر میں کیا کر گذرتے
اگر زور چلتا ہمارا کسی پر

بناؤ، بگاڑو، ہنساؤ، رُلاؤ
مدار اپنا ہے سب تمہاری خوشی پر

تری یاد تیری طلب میں جو گذرے
مجھے رشک آتا ہے اُس زندگی پر

جلانا نہ تھا طور کو میرے ہوتے
یہ بجلی تو گرنی تھی یارب مجھی پر

اُٹھا دوں جو راز محبت کے پردے
فرشتے بھی مرنے لگیں آدمی پر

قفس میں ہمیں جن کا تھا کچھ بھروسہ
گرے ٹوٹ کر آج اپنے وُہی پر

عجب طرح پلٹا ہے اپنا مقدّر
کہ ہر دوست آمادہ ہے دشمنی پر

شب وصل کہنا یہ اُن کا غضب ہے
کہ ہم بھی تو مرنے لگے ہیں کسی پر

مجھے دیکھتے وہ نہ یوں پاس آکر
گماں اُن کو مرنے کا گذرا غشی پر

نہیں لگتی دم بھر کی بھی دیر بیخود
بُرا وقت آتے ہوئے آدمی پر

بیچئے آئے کوئی کیا دلِ شیدا لیکر
دام دیتے ہی نہیں آپ تو سودا لیکر

خوب فیاض بنے مال پرایا لیکر
دیدیا غیر کو میرا دلِ شیدا لیکر

چار دن بھی تو نہ رکھا دلِ شیدا لیکر
آپ نے ہم سے بھی کمبخت کو کھویا لیکر

قتل کے بعد نزاکت سے جو تھک جاتے ہیں
بیٹھ جاتے ہیں وہ کشتے کا سہارا لیکر

غیر کا قتل کچھ ایسا تو نہیں ہے مشکل
چھوڑ دو ہاتھ کوئی نام ہمارا لیکر

سانس کے ساتھ جو ہوتی ہے کھٹک سینے میں
ضعف سے درد بھی اُٹھتا ہے سہارا لیکر

غیر سے تو جو محبت میں تمہیں کام بھی دے
کیا کرو گے دلِ ناکام ہمارا لیکر

وہ ستم کیش وہاں کیا نہ ملے گا ہم کو
حشر میں جائیں گے تقدیر کا لکھا لیکر

ہم سمجھتے ہیں اُنہیں دوست کہ ہیں کھیلے
جانتے ہی نہیں دینا جو کسی کا لیکر

کوئی کچھ لیکے چلا ہے کوئی کچھ لے کعبہ کو
جائیں گے ہم ترے ملنے کی تمنا لیکر

وہ گرا نبارِ محبت ہوں نہیں چل سکتا
دو قدم بھی تو مری خاک بگولا لیکر

لڑکھڑاتے ہیں قدم دم بھی چڑھا جاتا ہے
گر نہ پڑنا کہیں دشمن کا جنازا لیکر

آسماں خاک ہی میں کیوں نہ ملائے ہم کو
ہم رہیں گے دلِ مرحوم کا بدلا لیکر

آگیا مجھ کو نظر اپنی وفا کا انجام
میں نے تلوار کو قاتل سے جو دیکھا لیکر

اب تو بیخود کو یہ دعوی ہے بقولِ استاد
آدمی عشق کرے نام ہمارا لیکر

بنی تصویرِ ماتم کی خوشی بے انتہا ہوکر
وہ آئے اپنے وعدے پر مگر میری قضا ہوکر

رہے اغیار کے حلقے میں تم سا مہ لقا ہوکر
چلو تیر قضا بن کر کھچو تیغ ادا ہوکر

کھلا ہے عرض جو کچھ وہ رسیگا دیکھنا ہوکر
تمہاری بزم سے اُٹھتے ہیں ہم دستِ دعا ہوکر

نباہی ہم نے تم سے بیوفا سے باوفا ہوکر
دکھادے اب کوئی دنیا میں ایسا دوسرا ہوکر

مریضِ غم کو ہے اے ناتوانی آسرا تیرا
رہی جاتی ہے اب آہِ رسا بھی نارسا ہوکر

وہ میری التجا میری خوشامد میری مایوسی
وہ مجبوری سے اُن کا مسکرا دینا خفا ہوکر

محبت کے قدم آئے تصور کے جمے نقشے
رہ گئی اب مرے دل میں نئی دنیا بنا ہوکر

مٹایا نقشِ پا کی طرح اُس نے میری ہستی کو
ہمیشہ جس کے قدموں میں رہا رنگِ حنا ہوکر

مری ہمت پہ وہ آئے ہیں یہ الزام دینے کو
وفا کا تو نے دعوی کیوں کیا تھا بیوفا ہوکر

قیامت کیا نہ آجائے قیامت کیا نہ ڈھا جائے
نکل آئے جو وہ پردے سے میرا مدعا ہوکر

رگِ گردن سے قرب اُس کو ہے دل انساں مقام اُس کا
وہ کب بندے سے اپنے دور رہتا ہے خدا ہوکر

مٹے جاتے ہیں اُن کے دیکھنے پر دیکھنے والے
نکلتی ہے نظر بھی آنکھ سے ناز و ادا ہوکر

بگڑنا اُس کا غصّے میں بھی شوخی سے نہیں خالی
مزے کی بات کہہ جاتا ہے ظالم بے مزا ہو کر

وصال و ہجر دونوں ایک ہیں اہل بصیرت کو
رہے تم دل کے اندر میرے پہلو سے جُدا ہو کر

اُسے ملنے میں کیا ہے دوست دشمن سب سے ملتا ہے
کسی سے بیوفا بن کر کسی سے باوفا ہو کر

خودی بھی اک ہوائے خودنمائی ہے حباب آسا
جو عاقل ہے وہ اس پھندے سے نکلیگا فنا ہو کر

وہ قابو پاکے میرا کھینچنا آغوش میں اُن کو
وہ چپکے چپکے اُن کا کوسنا مجھ کو خفا ہو کر

ہمیں معنی تو سمجھا دے ذرا بیخود کے اے بیخود
یہ تو نے نام کیا رکھا ہے اپنا پارسا ہو کر

دلِ بے آرزو میں عشق کا ارمان پیدا کر
مرے سینے میں یارب اور بھی اک جان پیدا کر

جوانی اُن کی کہتی ہے نئی اک شان پیدا کر
نگاہِ شرم میں بھی تیر کا پیکان پیدا کر

مری محرومیٔ قسمت سے تو واقف ہے تو یارب
وہیں پامال کر دے دل میں جو ارمان پیدا کر

عدو کا حال کہتے ہیں جو اُن سے ہیں یہ تاکید یں
ہماری بات سُننے کیلئے تو کان پیدا کر

عدو کے دل میں کھٹکے میری آنکھوں میں سما جائے
نگاہِ ناز میں یہ بات میری جان پیدا کر

بگڑنا، مُنھ بنانا، روٹھ جانا اس سے کیا حاصل
ادا دل چھین لینے کی کوئی نادان پیدا کر

دکھانا ہے تجھے ایدل اگر نیرنگ اُلفت کا
نرالا ساری دُنیا سے کوئی ارمان پیدا کر

حیا غمّاز ہے رازِ محبّت کھول دیتی ہے
نگاہِ شرم میں شوخی ترے قربان پیدا کر

الٰہی فصل گل پر بھی خزاں کا حکم جاری ہے
چمن میں پھول پیدا کر تو نافرمان پیدا کر

کھٹکتی ہے مرے سینے میں یارب آرزو اُسکی
نکل جائے یہ دل کی پھانس وہ سامان پیدا کر

نہ ہو جامے سے باہر واعظِ خودبیں سے کہہ دینا
بنا ہے جس کی صورت پر اُسی کی شان پیدا کر

بتوں کو جب کیا تھا اُس نے پیدا ہم کو کہنا تھا
بنا دے آدمی ان کو نہیں انسان پیدا کر

لگی ہیں دل کی لو میں شمع کی بیحد تفاوت ہے
تمیزِ عشق پروانے سے اے نادان پیدا کر

کسی کے حُسن کی ہر آن دل کو چھین لیتی ہے
نیا پہلو میں یارب ایک دل ہر آن پیدا کر

سوالِ وصل پر اُس نے گھرک کر یہ کہا مجھ سے
سلیقہ بات کرنے کا ذرا نادان پیدا کر

ہمارا دل ترا گھر ہے اسے آباد رکھ یارب
یہ لڑتی ہیں بتوں سے آنکھیں زبان پیدا کر

زباں اُستاد کی **بیخود** تو ہو مضمون **مومن** کا
بیاں **غالب** کا ہو اشعار کی یہ شان پیدا کر

نہ جانا حضرتِ زاہد کبھی ترک عبادت پر
ہمارا بخش دینا منحصر ہے اُس کی رحمت پر

عدو کے قتل کا بیڑا تو تم سے اُٹھ نہیں سکتا
قیامت کے اُٹھانے کا ہے دعویٰ اس نزاکت پر

اگر میں چاہتا ہوں وصل کا وعدہ کبھی اُن سے
وہ کہہ دیتے ہیں موقوف رکھو اپنی قسمت پر

کہیں ایسا نہ ہو افلاک سے عیسیٰ اُتر آئیں
کہ اب مرنے لگا ہے اک زمانہ تیری صورت پر

کیا جو اپنے ہاتھوں سے بھلا افسوس کیا اُس کا
وہ کیوں بیٹھے ہوئے ہیں سر جھکائے میری تربت پر

محبت کے اثر سے اُن کا دل بھی اب نہیں خالی
ذرا سا مُنہ نکل آتا ہے فرقت کی شکایت پر

پتے کی سُن کے مجھ سے گالیاں ملنے لگیں مجھ کو
تصدق اس خجالت کے یہ طُرّہ ہے ندامت پر

کرے کیا کوئی اب اُن سے شکایت شوخ چشمی کی
فدا ہیں آپ اپنے جی سے وہ اپنی شرارت پر

سوالِ وصل پر اُن سے نیا فقرہ چلا میں نے
مسافر ہوں نظر کرنی پڑیگی میری غربت پر

پھنسا کر دل کسی سے پھنس گئے ہم تو مصیبت میں
کہ مرنا بھی ہے اپنا منحصر اُن کی اجازت پر

جہاں اُس بزم میں پہنچا نظر پڑنے لگی میری
کبھی اپنے مقدر پر کبھی غیروں کی قسمت پر

ترے آوارۂ دشتِ طلب پر خضر مرتے ہیں
مسیحا جان دیتے ہیں ترے بیمارِ اُلفت پر

زمانہ حضرتِ **بیخود** کبھی یکساں نہیں رہتا
کہیں گذری ہے دُنیا میں کسی کی ایک حالت پر

الٰہی اس قدر مجبوریاں ایسی محبت پر
نہ اُن پر زور چلتا ہے نہ قابو ہے طبیعت پر

نظر کرتا ہوں میں گذری ہوئی جب اپنی حالت پر
مرے آنسو ٹپک پڑتے ہیں دشمن کی مصیبت پر

ابھی اے اہلِ محشر ہے کسی کا سامنا باقی
قیامت اور برپا ہونے والی ہے قیامت پر

کہیں میرا مقدر بخت دشمن سے نہ بدلا ہو
وہ کہتے ہیں کہ رشک آتا ہے ہم کو تیری قسمت پر

مجھے جب دیکھتے ہیں غیر سے ارشاد ہوتا ہے
بہت ریجھے ہوئے ہیں آجکل یہ میری صورت پر

وہ آئے تھے بہت ہی بن سنور کر فاتحہ پڑھنے
گری ہیں بجلیاں کیا کیا ہمارے سنگِ تربت پر

دعا کے ساتھ میرے لب سے کیا کیا کچھ نہیں نکلا
چڑھائی آج کس کس کی ہوئی بابِ اجابت پر

وطن کو چھوڑ کر میری طرح کیا یہ بھی نکلی ہے
اداسی کس قدر چھائی ہوئی ہے شامِ غربت پر

اسے تاکا اسے جھانکا ادھر دیکھا ادھر دیکھا
نظر کرتے چلو تم نیچی نظروں کی شرارت پر

نہ چھوڑو غیر کے کہنے سے یہ بنتا ہوا سودا
مرے دل کو بھی تو دیکھو نظر کرتے ہو قیمت پر

ہوا کرتی ہے اب مجھ سے شکایت دردِ الفت
نصیبِ دشمناں عاشق ہوئے ہیں اپنی صورت پر

گھلا کر پھر وہی صورت بنا دی جوشِ گریہ نے
پھر اٹھا اک ذرا پانی ترے بیمارِ الفت پر

ستم سہنے کی بیخود اب کوئی حد بھی رہی باقی
ملایا خاک میں پتھر پڑیں ایسی محبت پر

وہ بیٹھنا مرا تری محفل میں سب سے دور
وہ بیقراریاں دلِ مضطر کی اب سے دور

آئے مری زباں پہ کیونکر سوالِ وصل
اخلاق سے بعید ہے پاسِ ادب سے دور

جنت عطا ہو یا مجھے دوزخ نصیب ہو
تیرے کرم سے دور نہ تیرے غضب سے دور

آسودگی پسند نہیں اس کے مبتلا
منزل کا ہر نشان ہے راہِ طلب سے دور

میں جا کے بزمِ یار میں تصویر بن گیا
رکھا مجھے نصیب نے عیش و طرب سے دور

اقرار کی قسم ہے تو انکار ہی سہی
مُہرِ سکوت تو ہو کہیں اُن کے لب سے دور

زلفِ سیہ کی یاد کا فرقت میں کام کیا
رکھا ہے ہم نے روزِ جُدائی کو شب سے دور

آتا نہیں ہے ہوش مجھے چار چار دن
رہنے لگا ہے وہ بُتِ مغرور جب سے دور

غیروں سے بزمِ ناز میں ہیں گرم جوشیاں
بیٹھے ہوئے ہیں چاہنے والے ادب سے دور

مُنھ سے نکل نہ جائے کوئی بات راز کی
بیخود کو چاہیئے رہے دنیا میں سب سے دُور

نہ بیٹھو اس طرح تم نعش پر پھر آن بن بن کر
کہیں دم آ نہ جائے مجھ میں پھر ارمان بن بن کر

رہیں گے دل میں کب تک تیر یوں مہمان بن بن کر
رہیں ارمان بن بن کر رہیں یہ جان بن بن کر

نگاہِ شوخ نے کشتے کو بسمل کر دیا دیکھو
رگوں میں دوڑتی پھرتی ہے شوخی جان بن بن کر

نہ آتے ہوں جسے انداز پورے دلربائی کے
وہ یوں بیٹھے مرے آگے خدا کی شان بن بن کر

ترے دل میں مری جانب سے جتنے رنج پنہاں تھے
ترے سینے پہ اُبھرے ہیں مرے ارمان بن بن کر

یہ کہنا تو ذرا دیکھو اجی تم کس کے عاشق ہو
مجھے پکا کوئی کرتا ہے کیا نادان بن بن کر

مجھے معلوم تو ہو کون بیٹھا ہے پسِ پردہ
یہ کس کے واسطے جاتے ہیں آخر پان بن بن کر

نکلنا دل سے مشکل ہے بتوں کا حضرتِ زاہد
کہ یہ کافر سمائے ہیں مرا ایمان بن بن کر

عدو کے ذکر پر کہنا یہ کس کا ذکر کرتے ہو
بنا ناخوب آتا ہے تمہیں انجان بن بن کر

نہ نکلے بات بھی مُنھ سے یہ حکمِ ضبطِ الفت ہے
رہیں چھالے زباں میں حلق کے دربان بن بن کر

پریشاں ہو کے کس آشفتہ سر کی لڑ گئی قسمت
تری زلفیں بکھر جاتی ہیں کیوں ہر آن بن بن کر

بھلا میخانے میں نوعِ بشر کا کام کیا زاہد
اُترتے ہیں ملایک چرخ سے انسان بن بن کر

ترقی اور ہوتی زیب و زینت اور ہو جاتی
یہیں سے خلد میں جاتا اگر سامان بن بن کر

اُنہیں گذری ہوئی باتوں کا بیخودؔ تجھ کو رونا ہے
بگڑ جاتے ہیں کھیل ایسے بہت نادان بن بن کر

کب تک کریں گے جبر دلِ ناصبور پر
موسیٰ تو جا کے بیٹھ رہے کوہِ طور پر

کوئی مجھے بتائے کہ اب کیا جواب دوں
وہ مجھ سے عذر کرتے ہیں میرے قصور پر

طالب ہیں جو ترے اُنہیں جنت سے کیا غرض
پڑتی نہیں ہے آنکھ شہیدوں کی حور پر

جلوہ دکھائیے ہمیں بس عذر ہو چکا
جلنے کے واسطے نہیں آئے ہیں طور پر

زاہد بھی اس زمانے کے عاشق مزاج ہیں
جیتے ہیں اُس کو دیکھ کے مرتے ہیں حور پر

گھر کر گئیں نہ دل میں مری خاکساریاں
نازاں تھے آپ بھی بہت اپنے غرور پر

بخشے گئے نہ ہم سے جو دو چار بادہ خوار
بھنکیں گی مکھیاں ہیں شرابِ طہور پر

کچھ شوخیوں کے رنگ بھی بیتابیوں میں ہیں
کس کی نظر پڑی ہے دلِ ناصبور پر

زاہد کی طرح ہم کو بھی جنت کی ہے تلاش
اپنا بھی آگیا ہے دل اک رشکِ حور پر

رکھے کہیں یہ شوق رہائی مجھے نہ قید
تڑپا اگر نہیں تو رہیں گے ضرور پر

بیخودؔ نہ ڈھونڈ کوئی وسیلہ نجات کا
یہ منحصر ہے رحمتِ ربِّ غفور پر

دل کا سودا کیا ہوا اُن سے بنی ہے جان پر
اب یہ ضد ہے دیتے ہیں بوسہ ترے ایمان پر

کانپتا ہے چرخ ہلتی ہے زمیں فریاد سے
ہے تعجب جوں نہیں چلتی تمہارے کان پر

عشق کا صدمہ کسی کے دل سے اُٹھ سکتا نہیں
کھیل جاتا ہے کوئی ناشاد اپنی جان پر

ہم کسی کے واسطے اللہ سے کیونکر لڑیں
زور چل سکتا نہیں انسان کا انسان پر

دل میں یہ مجمع سمائے کس طرح وعدے کی شب
حسرتوں پر حسرتیں ارمان ہے ارمان پر

وصل میں ملنی ہے مجھ کو داد میرے صبر کی
جانتا ہوں وہ ستم توڑیں گے میری جان پر

ظلم کرنا بھی تو پورا خیر سے آتا نہیں
دل کا آجانا غضب ہے آپ سے نادان پر

ہم نے زاہد تجھ سے دیکھے ہیں بہت جنت پرست
اور ہی ایمان لائیں گے ترے ایمان پر

اُس بت کافر کو اتنا سنگدل سمجھا نہ تھا
کیا کروں میں پڑ گئے پتھر مری پہچان پر

داورِ محشر سے ہم لیکر رہیں گے آپ کو
کھیل جائیں گے قیامت میں بھی اپنی جان پر

صبر کر اے حسرتِ پرواز کچھ دن اور بھی
پھوٹتی آتی ہیں کلیاں ہیں ابھی ہیجان پر

دن دہاڑے پوچھتے پھرتے ہو میخانے کی راہ
بات یہ پھبتی نہیں بیخود تمہاری شان پر

فصلِ گل آئی مری وحشت کا ساماں دیکھکر
کھل گئے غنچے مرا چاک گریباں دیکھکر

چاک سینہ کر لیا دل کو پریشاں دیکھکر
ہم کو پھر کچھ بھی نہ سوجھا داغِ ہجراں دیکھکر

دل دیا تھا ہم نے تو اے سنگدل آتش مزاج
آدمی تجھ کو سمجھ کر تجھ کو انساں دیکھکر

اُس نے ابرو کے اشارے سے لگایا دل پہ تیر
مجھ کو حیرت ہو گئی خنجر میں پیکاں دیکھکر

جب اُٹھا کر وادیٔ الفت میں رکھتا ہوں قدم
کان میں آواز آتی ہے کہ ناداں دیکھکر

دل میں بھالے بن کے چبھتی ہیں قفس کی تیلیاں
جی بھر آتا ہے بلبل کا گلستاں دیکھکر

تشنۂ دیدار لاکھوں میں بھی چھپ سکتا نہیں
تاڑ لیگا دور ہی سے مجھ کو درباں دیکھکر

زندگی میں دل کے مرجانے کا غم جاتا رہا
آگیا کچھ صبر سا گورِ غریباں دیکھکر

شرمِ ناکامی نے آخر کو تراشا اتہام
دل زلیخا کا پھٹا یوسف کا داماں دیکھکر

عشق میں ویران سا ویران تھا یا وحشتِ بیخود
مجھ کو دل یاد آگیا سُونا بیاباں دیکھکر

حُسن یکتا پر اُنہیں کیونکر نہ ہو ناز و غرور
دل میں وہ اترا رہے ہیں مجھ کو حیراں دیکھکر

تیر بھی اپنا نہ کھینچا اُس بت بدکیش نے / ڈر گیا وہ میرے دل میں نور ایماں دیکھکر

اُس کے جلوے کا دلِ مشتاق ادنیٰ ہی یہ وصف / آدمیت سے گذر جاتا ہے انساں دیکھکر

نیچی نظریں تھیں تو مشتاقوں میں کچھ جھگڑا نہ تھا / تم نے یہ فتنے اُٹھائے ہیں مری جاں دیکھکر

جام و مینا پھر سنبھالا بیخود میخوار نے
توبہ رخصت ہوگئی ابر بہاراں دیکھکر

ہر بات مرے لب پر آتی ہے گلا ہوکر / غم دل میں سمایا ہے کیا جانئے کیا ہوکر

پھر دردِ محبت کی رہتی نہ خلش باقی / مٹنا تھا مرے دل کو قسمت کا لکھا ہوکر

اغیار کے کوچہ میں دیکھا نہ مجھے اُس نے / میں ساتھ رہا اُس کے نقشِ کفِ پا ہوکر

کیا کھیل ہی سمجھا تھا وعدے سے پلٹ جانا / دل ٹوٹ گیا اپنا پیمانِ وفا ہوکر

جو بات نہ کہنی تھی غصے نے اُگلوا دی / شرمائے بہت دل میں وہ مجھ پہ خفا ہوکر

پہلے ہی قدم پر ہے انداز قیامت کا / آئیں گے مرے گھر تک کیا جانئے کیا ہوکر

ہر شے میں نظر ہم کو آتی ہی جھلک اُس کی / چھپ جاتا ہے پردے میں وہ جلوہ نما ہوکر

تم مجھ میں ہو چھپکر میں تم میں ہوں پنہاں / آنکھوں میں نظر بن کر شوخی میں حیا ہوکر

اس طرح سے لیتے ہیں جنت کو ترے عاشق / محشر میں دکھا دیں گے ہم تجھ پہ فدا ہوکر

اس گلشن ہستی میں لگتا نہیں دل اپنا / آئے ہیں خدا جانے ہم کس سے جدا ہوکر

وہ بام پہ بھی اپنے اس ڈر سے نہیں آتے / توقیر نہ گھٹ جائے انگشت نما ہوکر

ہونے دو ستم اُن کے کرنے دو جفا اُن کو
گھبراتے ہو کیوں بیخود پابندِ وفا ہوکر

دے محبت تو محبت میں اثر پیدا کر / جو ادھر دل میں ہے یارب وہ اُدھر پیدا کر

دودِ دل عشق میں اتنا تو اثر پیدا کر
سر کٹے شمع کی مانند تو سر پیدا کر

پھر ہمارا دلِ گم گشتہ بھی مل جائے گا
پہلے تو اپنا دہن اپنی کمر پیدا کر

کام لینے ہیں محبت میں بہت سے یارب
اور دل دے ہمیں اک اور جگر پیدا کر

تھم ذرا اے عدم آباد کے جانے والے
رہ کے دنیا میں ابھی زادِ سفر پیدا کر

جھوٹ جب بولتے ہیں وہ تو دعا ہوتی ہے
یا الٰہی مری باتوں میں اثر پیدا کر

آئینہ دیکھنا اِس حُسن پہ آسان نہیں
پیشتر آنکھ مری میری نظر پیدا کر

صبح فرقت تو قیامت کی سحر ہی یارب
اپنے بندوں کے لئے اور سحر پیدا کر

مجھ کو روتا ہوا دیکھیں تو جھلس جائیں رقیب
آگ پانی میں بھی اے سوزِ جگر پیدا کر

مٹ کے بھی دوریِ گلشن نہیں بھاتی یارب
اپنی قدرت سے مری خاک میں پر پیدا کر

شکوہ دردِ جُدائی پہ وہ فرماتے ہیں
رنج سہنے کو ہمارا سا جگر پیدا کر

دن نکلنے کو ہے راحت سے گذر جانے دے
روٹھ کر تو نہ قیامت کی سحر پیدا کر

ہم نے دیکھا ہے کہ مل جاتے ہیں لڑنے والے
صُلح کی خُو بھی تو اے بانیِ شر پیدا کر

مجھ سے گھر آنے کے وعدے پر بگڑ کر بولے
کہہ دیا غیر کے دل میں ابھی گھر پیدا کر

مجھ سے کہتی ہے کڑک کر یہ کمان قاتل کی
تیر بن جائے نشانہ وہ جگر پیدا کر

کیا قیامت میں بھی پردہ نہ اُٹھیگا رُخ سے
اب تو میری شبِ یلدا کی سحر پیدا کر

دیکھنا کھیل نہیں جلوہ دیدار ترا
پہلے موسیٰ سا کوئی اہلِ نظر پیدا کر

دل میں بھی ملتا ہے وہ کعبہ بھی اُسکا ہے مقام
راہ نزدیک کی اے عزمِ سفر پیدا کر

ضعف کا حکم یہ ہے ہونٹ نہ ہلنے پائیں
دل یہ کہتا ہے کہ نالے میں اثر پیدا کر

نالے بیخود کے قیامت ہیں تجھے یاد رہے

ظلم کرنا ہے تو پتھر کا جگر پیدا کر

ردیف رائے ہندی

شب امید ہے اے دل نہ بیوفا سے بگاڑ
جھلک رہا ہے مجھے اُسکی ہر ادا سے بگاڑ

ہوا ہے جب سے کسی زود آشنا سے بگاڑ
مری اثر سے ہے اَن بن مرا دُعا سے بگاڑ

وہ ایک پل میں بدلتا ہے کروٹیں سو سو
ابھی سلوک ابھی زود آشنا سے بگاڑ

یہ کمسنی کی ادائیں بھی اک قیامت ہیں
ابھی ہے ربط حیا سے ابھی حیا سے بگاڑ

عدو کو دیکھ کے تو نے ادھر جو دیکھ لیا
دلوں میں پڑ گئے باہم اسی ادا سے بگاڑ

دکھا کے آئینہ باہم لڑا دیا ہم سے
کہ چشم شوخ کا اُن کی ہوا حیا سے بگاڑ

کبھی فسانۂ فرہاد و قیس ہم سے سُنو
پڑے ہوئے ہیں محبت میں ابتدا سے بگاڑ

بہارِ حسن کی اُن کے بہار مجھ تک تھی
بناؤ سے اُنہیں نفرت ہوئی حنا سے بگاڑ

اجل نہ آئیگی ہم جانتے ہیں دشمن کو
کہ اس نصیب کے ہیٹے کا ہے قضا سے بگاڑ

زباں ہلانے میں بن کر بگڑ گئی قسمت
کہ اُن میں مجھ میں پڑا حرفِ مُدعا سے بگاڑ

مرا نصیب نہیں کچھ یہ خال کاجل کا
مری بلا سے بنا تو مری بلا سے بگاڑ

بنی کسی سے نہ اُلفت میں ایک دن اپنی
ہماری خاک کا بھی ہو گیا صبا سے بگاڑ

ہمارا کون ہے اُس کے سوا زمانے میں
کہ اک اُسی سے تعلق ہے ماسوا سے بگاڑ

بگڑ کے آئے ہو اب تم مجھے بناتے ہو
ہوا تمہارا عدو کا مری بلا سے بگاڑ

اُسی کے لطف و کرم پر ہے منحصر سب کچھ
بتوں کے عشق میں بیخود نہ تو خدا سے بگاڑ

ردیف زائے منقوطہ

ہے وصل میں بھی اُن کی وہی بے رُخی ہنوز
آنکھوں میں شرم ہے نہ لبوں پر ہنسی ہنوز

سو زخم کھا کے بھی ہے ہوس تیر کی ہنوز
قاتل کھلی نہیں مرے دل کی کلی ہنوز

مجنوں کے حالِ زار پہ افسوس ہے نہیں
لائی نہیں ہے رنگ مری عاشقی ہنوز

وہ شمع ہوں کہ ختم ہو گھُل گھُل کے جس کی عمر
مجھ کو مٹا رہی ہے میری زندگی ہنوز

اُلٹے ہوئے نقاب وہ بیٹھے ہیں دیر سے
پردہ بنی ہوئی ہے مری بیخودی ہنوز

زاہد ہے وصف حور کا تیری زبان پر
دیکھا نہیں ہے تو نے کوئی آدمی ہنوز

یہ کیا ستم ہے وصل میں بھی جل رہا ہوں میں
ظالم بجھی نہیں مرے دل کی لگی ہنوز

کیسی اُمید کس کی تمنا کہاں کا وصل
سیدھی طرح وہ کرتے نہیں بات بھی ہنوز

مدّت ہوئی ہے یار کا دیکھے ہوئے جمال
لیکن گئی نہیں مری خود رفتگی ہنوز

خلوت میں آئینہ ہے نہ عاشق نہ غیر ہے
شیدا ہیں اپنے حُسن کے وہ آپ ہی ہنوز

آوازِ گریہ آئی کہاں سے مزار میں
کیا مجھ کو رو رہی ہے مری بیکسی ہنوز

اچھا مٹا کے ہم کو مٹاؤ ہماری قبر
مدِّ نظر ہمیں ہے تمہاری خوشی ہنوز

سمجھے ہیں آپ تیرِ نظر دل میں چھد گیا
نکلی نہیں ہے منہ سے تو دشمن کے سی ہنوز

روزِ ازل سے وہ مرے دل میں مقیم ہیں
میں اُن کی آنکھ میں ہوں مگر اجنبی ہنوز

دن زندگی کے چارہ و تدبیر میں کٹے
بیخود کے دردِ دل میں نہیں ہے کمی ہنوز

کہہ رہا ہے یہ تری تیغِ ادا کا انداز
ساری دنیا سے نرالا ہے جفا کا انداز

سادگی میں یہ چھپن شرم میں ایسی شوخی
یہ قیامت کی ادائیں یہ بلا کا انداز

تم دُعا مانگتے ہو کیوں مری صحت کیلئے
جینے دیگا نہ مجھے دستِ دُعا کا انداز

چھین لی حور کی آنکھ اُس نے پری کی شوخی
چال فتنہ کی اُڑائی ہے قضا کا انداز

تم تو خوگر ہو رقیبوں کی دغا بازی کے
تم نے دیکھا ہی نہیں اہلِ وفا کا انداز

ہے نیا گل کوئی اس باغ میں کھلنے والا
کہے دیتا ہے ابھی سے یہ صبا کا انداز

جان دینے لگیں حوریں یہ تماشا ہے نیا
دیکھ کر خلد میں تیرے شہدا کا انداز

آسماں پر جو کبھی ابر میں بجلی چمکی
پھر گیا آنکھوں میں اُس شوخ ادا کا انداز

وہ لگاوٹ سے دمِ قہر و غضب نیچی نگاہ
وہ بناوٹ سے بگڑنے میں حیا کا انداز

وعدۂ وصل زباں پر ہے نظر میں غصّہ
یہ جلانے کا طریقہ یہ قضا کا انداز

آنکھ ملنے نہیں پاتی جو غش آجاتا ہے
کس نے دیکھا ہے بتِ ہوش رُبا کا انداز

راہ میں غیر سے مٹھ بھیڑ جہاں ہوتی ہے
وہیں کہہ دیتا ہے نقشِ کفِ پا کا انداز

جور پر اُن کی ندامت بھی ستم ڈھاتی ہے
چٹکیاں لینے لگا دل میں حیا کا انداز

ظلم کی تم نے نکالی جو نرالی ترکیب
جان دینے کا نیا ہم نے بھی تاکا انداز

زاہدوں میں ہے نہ رندوں میں تمہارا بیخود
کچھ الگ سب سے ہے اس مردِ خدا کا انداز

ردیف سین مہملہ

برچھی بھی ایک چاہیئے تیغِ ادا کے پاس
پہلو میں ہے جگر بھی دلِ مبتلا کے پاس

مجمع ہے حسرتوں کا دلِ مبتلا کے پاس
کیا کہدیا ہے کان میں تم نے بلا کے پاس

شوخی نظر کے پاس شرارت ادا کے پاس
اک تمکنت کی شان ہے خالی حیا کے پاس

جاتا تھا دوڑ دوڑ کے ہر مہ لقا کے پاس
چھوڑ آئے آج دل کو ہم اک بیوفا کے پاس

نکلی ہے کس کی حسرتِ پابوس بعدِ مرگ
کس کا مزار ہے یہ ترے نقشِ پا کے پاس

موہوم سی ہے آپ کے ملنے کی اک اُمید
رکھا ہی کیا ہے اور دلِ مبتلا کے پاس

بجلی سی ایک کوند گئی میری آنکھ میں
آ بیٹھے بزمِ غیر میں وہ مسکرا کے پاس

وعدے سے اُس کے جب نہ تسلّی ہوئی مجھے
اُس نے کہا اب اِس کی دوا ہے خدا کے پاس

کھٹکا ہے دل نقاب کی جالی میں پھنس نہ جائے
اک دام اور بھی تو ہے زلفِ دوتا کے پاس

جس کی مجھے تلاش تھی وہ آج مل گئی
نکلی تری نگاہ کی برچھی قضا کے پاس

جوبن ہے یہ ترا کہ مرا دل بتا مجھے
کچھ اک گرہ سی اور ہے بندِ قبا کے پاس

پہلے تو بزم میں نہ قیامت تھی بار یاب
فتنے اُٹھائے تم نے عدو کو بٹھا کے پاس

نالے تو بے اثر ہوئے کرتا ہوں اب دُعا
یہ تیر اور ہے دلِ درد آشنا کے پاس

اُس کی گلی سے چل کے ادھر بھی کرم کرے
پہنچا دو یہ پیام ہمارا صبا کے پاس

لاکھوں جو روز مرتے ہیں اس کا سبب بھی کچھ
تصویر ہے ضرور کسی کی قضا کے پاس

جو لطفِ خاص ہے تری سادگی میں ہے
رکھا ہی کیا کرشمۂ ناز و ادا کے پاس

میرے لبوں کا بوسہ نہ لے کوئی نشہ میں
کہتے ہیں مجھ سے وصل میں وہ منہ کو لا کے پاس

جب چھا گیا شباب تو نیچی نظر کہاں
بھٹکی نگاہ جا کے نہ شرم و حیا کے پاس

مرنے کا میر اُس نے کہا یوں عدو سے حال
دنیا سے تنگ ہو کے سدھارے خدا کے پاس

جو تجھے فلک پہ ہے دلِ بیتاب کا دماغ
رہنے لگا ہے جب سے کسی مہ لقا کے پاس

زاہد تمہاری ہونے لگی ہے دعا قبول
دلواؤ ہم کو ہو جو کوئی بت خدا کے پاس

مشہور ہے جہاں میں بیخودؔ کا اتقا
کیا کام دخترِ رز کا ہے اس پارسا کے پاس

آج پہلو سے مرے دل بھی سدھارا افسوس
نہ رہا کوئی مرا چاہنے والا افسوس

ہاتھ مل مل کے کیا مرگِ عدو کا افسوس
تم نے ہم کو نہ دکھایا یہ تماشا افسوس

اُن کو غم اُن کو قلق اور مرے مرنے کا
ہنس رہے تھے وہ ابھی غیر سے کیسا افسوس

بن سنور کر وہ ستم کیش ادھر آ نکلا
مر مٹا آج ہمارا دلِ شیدا افسوس

آسماں روئیگا مجھ کو مجھے روئیگی زمیں
بھول کر تم مرے مرنیکا نہ کرنا افسوس

تھا مرے دل پہ بہت دن سے وفا کا قبضہ
آپ نے چھین لیا مال پرایا افسوس

گھر میں بیٹھے رہو تم پاؤں میں مہندی ملکر
کفِ افسوس ملیں مجھ پہ مسیحا افسوس

مجھ کو قاتل نے سنبھلنے نہ دیا مقتل میں
ڈھونڈتا ہی رہا دامن کا سہارا افسوس

دل مٹا چین مٹا راحت و آرام مٹا
کھو دیا ہم نے ترے عشق میں کیا کیا افسوس

غیر کو قتل کیا آپ نے میرے ہوتے
مٹ گئی آج مرے دل کی تمنا افسوس

ہائے کس حسرت و افسوس سے دم نکلا ہے
مرتے دم تک ہمیں بیخودؔ کا رہیگا افسوس

ردیف شین معجمہ

رہتی ہے یاد رو کی ہمیں رات بھر تلاش
کرتی ہے خواب میں بھی اُسی کو نظر تلاش

جنسِ وفا کی جب سے ہوئی بھول کر تلاش
پھر دل کی کیا کریگا کوئی بے خبر تلاش

کل تم جو پھول توڑ کے لائے تھے باغ سے
کرتی تھی آج اُن کو نسیمِ سحر تلاش

تونے اگر دوئی کا یہ پردہ اُٹھا دیا
دیکھیں کریں گے پھر کسے اہلِ نظر تلاش

پھر تجھ کو کچھ مرض کا بھی مل جائے گا پتہ
تو پہلے میری نبض تو کر چارہ گر تلاش

کیا پاسِ عشق جب تمہیں پاسِ وفا نہو
کر لیں گے اور ہم کوئی رشکِ قمر تلاش

افسوس تھا کہ آنکھ ملی دل نہیں ملا
مل کر بھی یار سے رہی مدِ نظر تلاش

طالب ہیں ہم تو اُس کے ہمیں جستجو سے کام
وہ جانے اب ملے نہ ملے ہے مگر تلاش

میں مٹ گیا تو کیا ہی جو دل گم ہوا تو کیا
اپنے دہن کو ڈھونڈئے کیجے کمر تلاش

غفلت تو دیکھئے کہ وہ دل میں چھپا رہا
ڈھونڈا فلک پہ اُس کو کیا عرش پر تلاش

زاہد خدا سے آپ کو کچھ واسطہ نہیں
یوں چین سے نہ بیٹھتے ہوتی اگر تلاش

اب تک مجھے تلاشِ سحر ہے فراق میں
دم بھر کے بعد مجھ کو کرے گی سحر تلاش

دل بیٹھتا ہی تھک کے تو کہتا ہوں دل سے میں
ہمت نہ ہار اور ابھی اُس کو کر تلاش

پہلو سے کیا اُٹھے کہ وہ دل میں بھی پھر نہ تھے
اُٹھ اُٹھ کے دردِ دل نے کیا رات بھر تلاش

تھم تھم کے ذبح کیجئے پھڑ پھڑ کے دیکھئے
مجھ کو اسی گھڑی کی رہی عمر بھر تلاش

اے تیرِ عشق وہ تری کاوش کدھر گئی
دل ڈھونڈتا ہی کرتا ہی اُس کو جگر تلاش

بیخود اُسی کے عشق میں آوارہ ہم بھی ہیں
دن رات جس کو کرتے ہیں شمس و قمر تلاش

کیوں بوسہ پہ کہتے ہو مری جان فراموش
یہ یاد رہے میں نہیں احسان فراموش

کیا دل کی بدوں تجھ سی مری جان فراموش
کر دیتا ہے تو وعدہ تو نادان فراموش

ہے خواب میں بھی یار سے ملنے کی تمنا
سوتے میں بھی ہوتا نہیں ارمان فراموش

خالق کبھی بندے کو نہ بھولا ہے نہ بھولے
انسان کو کر دیتا ہے انسان فراموش

گھر دل میں ترے تیر کے پیکان نے کیا ہے
مر کر بھی تو ہوگا نہ یہ مہمان فراموش

لینا ہے ہمیں جائزہ اب خلد بریں کا
ہوگا نہ تری بزم کا سامان فراموش

اک پھانس سی حسرت چبھا کرتی ہے دل میں
ہوتی نہیں یاد اُس کی کسی آن فراموش

صورت تری بھولے گی نہ اب میری نظر کو
آواز کریں گے نہ کبھی کان فراموش

وہ وصل کی شب وعدہ مرا یاد دلانا
کہنا وہ ترا دے کے مجھے پان فراموش

کیا آنکھ میں اُس شوخ کی جادو کا اثر ہے
ملتے ہی نظر ہوتا ہوا ایمان فراموش

پھر چھین لے دل پھر مجھے دیوانہ بنا دے
پھر کہدے زباں سے ترے قربان فراموش

جب تم پہ نظر پڑتی ہے میں دیکھ رہا ہوں
کر دیتا ہے اپنے کو نگہبان فراموش

رکھ لیتے ہیں وہ چاہنے والے کا نسیا نام
بیخود کو کہا کرتے ہیں وسان فراموش

ردیف صاد مہملہ

تجھ پہ پڑتی ہیں نگاہیں خاص خاص
ہیں ترے ملنے کی راہیں خاص خاص

درد ہو دل میں تو ہو تاثیر بھی
عرش تک جاتی ہیں آہیں خاص خاص

دیکھ لیتی ہیں پس پردہ تجھے
ہیں کچھ ایسی بھی نگاہیں خاص خاص

تو تو ہر جائی ہوا مشہور اب
لوگ کیونکر تجھ کو چاہیں خاص خاص

حُسن کا ایسا کہ ہو دنیا فدا
وہ یہ چاہیں ہم کو چاہیں خاص خاص

آنکھ سے پردہ ہے چھپکر آؤ تم
دل میں ہیں پوشیدہ راہیں خاص خاص

یوں تو ہر شئے میں اُسی کا نور ہے
ہیں مگر کچھ جلوہ گاہیں خاص خاص

بت کدوں کی قدر زاہد نے نہ کی
بن گئے ہیں خانقاہیں خاص خاص

وہ ملائیں آنکھ مجھ سے کس طرح
راز کہدیں گی نگاہیں خاص خاص

کوئے دشمن پر نہیں کچھ منحصر
اور بھی ہیں قتل گاہیں خاص خاص

دور ہے **بیخود** وہ کیا سمجھے اُسے
اُس نے دیکھی ہیں نگاہیں خاص خاص

بے سبب مجھ سے خفا تھا کوئی شخص
خود بخود بھولا ہوا تھا کوئی شخص

یاد ہے تم پر فدا تھا کوئی شخص
زندگی میں مٹ گیا تھا کوئی شخص

دل چرا کر لے گیا تھا کوئی شخص
پوچھنے سے فائدہ تھا کوئی شخص

تم نہ تھے جس نے مٹایا تھا مجھے
دوسرا اس نام کا تھا کوئی شخص

اوپری دل سے مِلا جب تک مِلا
کس قدر نا آشنا تھا کوئی شخص

دل میں وہ جب تک رہا میں خوش رہا
میرے دل کا مدّعا تھا کوئی شخص

آج کل کی دوستی کا ذکر کیا
مدّتوں کا آشنا تھا کوئی شخص

جان بن کر میرے پہلو سے گیا
ہائے کتنا بے وفا تھا کوئی شخص

بھول جانے پر بھی اتنا یاد ہے
مانگ کر دل لے گیا تھا کوئی شخص

دے کے خط دینا پتہ یہ نامہ بر
کان میں کچھ کہہ گیا تھا کوئی شخص

دیکھ کر جیتے تھے ہم اک شخص کو
زندگی کا آسرا تھا کوئی شخص

ہائے وہ جذب محبت اب کہاں | میرا سایہ بن گیا تھا کوئی شخص

کیا عجب وہ بیخود میخوار ہو
راہ میں کچھ پی رہا تھا کوئی شخص

ردیف ضاد معجمہ

میرے دل میں ہے شب و روز خیالِ عارض
ہے تصور میں مرے حسن و جمالِ عارض

میری آنکھوں کو میسّر ہے وصالِ عارض
یاد ہیں یاد ہیں مجھ کو خط و خالِ عارض

چار دن بعد یہ جوبن نہ رہیگا باقی
عارضی گل کی طرح سے ہے جمالِ عارض

نیل بوسوں کے کہیں ہیں کہیں دانتوں کے نشاں
آئینہ لیکے ذرا دیکھئے حالِ عارض

مجھ سیہ بخت کو محروم نہ رکھنا دیکھو
زلف شب رنگ کو حاصل ہو وصالِ عارض

قید میں بھی نہ گیا عشق کا چسکا دل سے
دل تری زلف میں ہے دل میں خیالِ عارض

بال بکھرے ہوئے زلفوں کے دکھاتے ہیں بہار
ہم سمجھتے تھے انہیں ہونگے وبالِ عارض

کھب گئی نظروں میں کچھ ایسی پیاری صورت
مردمک بن کے رہا آنکھ میں خالِ عارض

دہوم تھی فصلِ بہاری کی مگر دیکھ لیا
پھول گلشن میں نہیں کوئی مثالِ عارض

بوسہ لینے نہ دیا نیل کے ڈر سے اُس نے
وصل میں بھی نہ ہوا لب کو وصالِ عارض

کام کرتی تھی اُدھر آہ رسا بجلی کا
مجھ پہ گرتی تھی اِدھر برق جمالِ عارض

زندگی تک ہی نہیں عشق کا جھگڑا بیخود
ساتھ جاتا ہے لحد میں بھی خیالِ عارض

لطف ہے مطلب نہ کچھ میرے ستانے سے غرض
شوخیوں سے کام اُن کو مُسکرانے سے غرض

جان کھونی مُدّعا ہے جان جانے سی غرض
آپ کے بیمار کو کیا آب و دانے سے غرض

بات کے پہلو کو سوچے سمجھے اب اُن کی بلا
بات سُنتے ہی اُنہیں تو روٹھ جانے سی غرض

غیر کی تعریف تُو دل سے کرے باور نہیں
تجھ کو تو ہے صرف میرے دل دُکھانے سی غرض

اُس گلی سے کام اُن کا سامنا ہو یا نہ ہو
مجھ کو ہو آنا وہاں تک ہر بہانے سی غرض

حورِ جنّت پر مرے گا خاک یہ سادہ مزاج
ہے فقط واعظ کو تو رنگیں فسانے سی غرض

شکوۂ اغیار پر ظالم نے یوں ٹالا مجھے
تم کو ہم سے کام ہے تم کو زمانے سی غرض

اب نمک چھڑکے کوئی یا آکے کوئی مرہم بھرے
زخمِ تیغِ یار کو ہے مُسکرانے سے غرض

وصل کے اقرار پر یہ بات طے کر لیجئے
کام وعدے سے رکھیں یا بھول جانے سی غرض

مجھ پہ کچھ بن جائے اُلفت میں کسی کو غم نہیں
جان کو جانے سے مطلب دل کو آنے سی غرض

کوئی موسم کوئی دن ہو اس سے کچھ مطلب نہیں
حضرتِ بیخودؔ کو ہے پینے پلانے سے غرض

ردیف طاء مہملہ

آپ نے لکھا ہے خط میں وعدۂ فردا غلط
آپ کی تحریر کا املا غلط انشا غلط

حُسن پر دعویٰ بجا ہے عشق کا دعوا غلط
آپ کا ارشاد سچّا ہے مرا کہنا غلط

غیر تم پر شیفتہ تم کو ہماری آرزو
کس قدر بے جوڑ باتیں ہیں بیاں کتنا غلط

حالِ دل سن کر مرا ارشاد فرماتے ہیں وہ
کیا سزا تیری جو ثابت ہوا قصّا غلط

تیغ اٹھ سکتی نہیں خنجر سنبھل سکتا نہیں
نازکی کا قول آدھا ٹھیک ہے آدھا غلط

اے دلِ ناکام کیوں دیتا ہے تو دھوکا ہمیں
غیر کی محفل میں جا کر غم غلط ہوگا غلط

وہ ہمارا چھیڑنے کو ذکرِ دشمن چھیڑنا
وہ ترا لڑنا بگڑنا روٹھنا کہنا غلط

اس میں میری کیا خطا ہے اسمیں میرا کیا قصور
میری سچی بات کو بھی آپنے سمجھا غلط

وہ پتے کی سن کے جب بولے غلط کہتا ہے تو
کہدیا میں نے بھی بس بیٹھے رہو کہدیا غلط

ضد یہ مجھ سے دشمنی مجھ سے عداوت مجھ سے ہے
اُن کو بے سمجھے مری ہر بات پر کہنا غلط

مضطرب دل پر نگاہِ قہر تھی عین خطا
بندہ پرور یہ نشانہ آپ نے تاکا غلط

وہ نہ آئے ہیں نہ آئیں گے نہ آنے کی اُمید
قول اُن کا جھوٹ نکلا شب کا وعدہ تھا غلط

دل پہ لکھتے جاؤ لیکن آنکھ سے ثابت نہ ہو
کہہ رہا ہوں حال اپنا تم سے میں گویا غلط

حشر میں کھل جائیگا سب غیر کا مکر و فریب
سو جگہ سے نامۂ اعمال نکلے گا غلط

بات کا مطلب نہ سمجھے سر ہلا کر ہنس دیے
اس کا یہ مطلب کہ میں جھوٹا بیاں میرا غلط

ان پری رویوں کی کیا حوروں سے کم ہیں صورتیں
کہتے ہیں انسان کو سب خاک کا پُتلا غلط

میں نے کیا لکھا تھا خط میں اُس کو آیا کیا جواب
کیا یہی میں بھی سمجھ لوں اک وہ سمجھا غلط

حضرتِ بیخودؔ سے مل کر کہہ گئی وہ چشمِ مست
پارسائی کا کیا تھا آپنے دعوا غلط

اس قدر لکھتے ہیں اُن کو عاشقِ رنجور خط
پھینکتے ہیں روز کوڑے کی طرح مزدور خط

ہے غبارِ دل عیاں آئینہ رخسار سے
خط نہ سمجھیں آپ اس کو ہے ابھی تو دور خط

اشک کی طغیانیوں سے ہو گئی پھیکی دوات
خونِ دل سے لکھنے بیٹھا ہوں تجھے مجبور خط

حالِ دل لکھنے کی فرقت میں اجازت مل گئی
صبر کا نکلا نتیجہ ہو گیا منظور خط

پڑھ لیا اُس نے سیہ بختی کا شکوہ مٹ گیا
عکسِ رخسار و جبیں سے ہو گیا پر نور خط

جام بھر کر دستِ نازک سے نہ دیجے غیر کو
انگلیوں پر ڈال دیگا ساغرِ بلور خط

عمر بھر میں ایک خط لکھا ہے اُس مغرور نے
اُس میں بھی یہ درج ہے لکھنا نہ تھا منظور خط

خود ستائی پڑھ کے میری وہ بہت برہم ہوئے
رنج جب حد سے بڑھا لکھنا پڑا مجبور خط

جان کر جادو بھری آنکھوں کا شیدائی مجھے
پوست پر آہو کے لکھتا ہے وہ رشکِ حور خط

غیر کے خط میں کوئی فقرہ کبھی لکھوا دیا
لکھے وہ اپنی قلم سے مجھ کو کیا مقدور خط

اُس کے جلوے کا لکھا تھا شب کو خط میں حال کچھ
صبح تک روشن رہا ہے مثلِ شمعِ طور خط

خطِ وصل اُس نے مجھے بھیجا دکھا کر غیر کو
ڈال دیگا غیر کے سینہ میں اب ناسور خط

دل شکستہ ہاتھ میں رعشہ حواس و ہوش گم
خاک لکھے دوستوں کو بیخودِ مہجور خط

ردیف ظاء معجمہ

سن چکے بس صفتِ حورِ جناں اے واعظ
تو نے دیکھا ہی نہیں حسنِ بتاں اے واعظ

کیجئے ہم سے تو دوزخ کا بیاں اے واعظ
ہم گنہگار کہاں خلد کہاں اے واعظ

خود بھی ممبر پہ اُچھل نام بھی تو اپنا اُچھال
رہنے دے ہم کو تو بے نام و نشاں اے واعظ

حور کا ذکر ہو جنت کا بیاں ہو تو ہو
اور باتوں کا تجھے ہوش کہاں اے واعظ

جو تری طرح سے شیطان کا کھائے نہ فریب
اس سمجھ بوجھ کا انساں ہے کہاں اے واعظ

وضع سے تو نے ہماری ہمیں کافر سمجھا
ہم کو تجھ پر ہے فرشتے کا گماں اے واعظ

حسرتِ دل کا مری خون بہایا تو نے
بن گئی تیز چھری تیری زباں اے واعظ

باغِ فردوس ہی میخانے کا گوشہ گوشہ
آ ادھر بھی تو کبھی سیر کناں اے واعظ

ہوں مبارک وہ تجھے کوثر و تسنیم کے جام
مست ہیں بادۂ عرفاں سے یہاں اے واعظ

پرسشِ روزِ قیامت کا یہ سوچا ہے جواب
کاٹ لے جاؤں گا میں تیری زباں اے واعظ

حور کے نام پہ بھر آتے ہیں آنسو تیرے
تجھ میں پاتا ہوں محبت کا نشاں اے واعظ

روزہ کی چھان بین روزی کی بھی کچھ فکر رہے
کہیں خالی ہی نہ جائے رمضاں اے واعظ

شوق مسجد کا تجھے ہم کو ہے اُس در کی طلب
بخشے جاتے ہیں گنہگار جہاں اے واعظ

لطفِ میخانہ مٹا آبِ طرب تلخ ہوا
تو نے بس گھول دیا آکے یہاں اے واعظ

بھول کر بیخودِ میخوار سے ملنا نہ کبھی
وہ بنا دے گا تجھے پیرِ مغاں اے واعظ

ہم کس طرح سے مان لیں ہو دلنشیں لحاظ
ہم نے تو تیری آنکھ میں دیکھا نہیں لحاظ

دلکش تری ادائیں ترا دلنشیں لحاظ
بیباکیاں نظر میں کہیں ہیں کہیں لحاظ

وہ مے سے تر ہو اشکِ ندامت سے بھیگ تو
دامن کا چاہیئے تجھے اے آستیں لحاظ

اے ساربان اُدھر سے نظر تو بھی پھیر لے
کرتی ہے تیرا لیلیِ محمل نشیں لحاظ

عاشق ہو یا الہوس ہو عدو ہو رقیب ہو
کرتا نہیں کسی کا بھی وہ مہ جبیں لحاظ

گردن میں ہاتھ ڈال کے گردن مروڑیے
یہ شوخیوں کا وقت ہے زیبا نہیں لحاظ

اپنا وقار رکھ کے نظر میں سبک نہ ہو
قول و قسم کا چاہیئے اے نازنیں لحاظ

تو دل میں رہ کے اور تُلے ہوئے کو توڑ
لازم ہے تجھے مکاں کا بھی اے مکیں لحاظ

برقِ جمال پھر کہیں صحبت نہ پھونک دے
پردہ کا چاہیئے تجھے پردہ نشیں لحاظ

خود چھیڑ چھیڑ کر اُسے گستاخ کر دیا
وہ شوخ کیا کرے جو اُٹھا دیں ہمیں لحاظ

میں زندگی میں تھا ادبِ آموزِ آسماں
میّت کا میری کیا نہ کریگی زمیں لحاظ

تیری خوشی میں ہوں خللِ انداز کیا مجال
رکھتے ہیں اس کا عاشقِ اندوہگیں لحاظ

ہم سے کھلے گی ہم سے لڑائیگی آنکھ وہ
زاہد کرے گی آپ کا تو حورِ عین لحاظ

دشمن کی آنکھ کو بھی وہ سمجھے ہماری آنکھ
کیا نا سمجھ ہیں ڈھونڈتے ہیں ہر کہیں لحاظ

بیخود نے عاشقی میں گذاری تمام عمر
ایسا بھی ہم نے وضع کا دیکھا نہیں لحاظ

ردیف عین مہملہ

ہوگی نہ شامِ وعدہ کی خود سر کو اطلاع
اس کی نہ تھی ہمارے مقدر کو اطلاع

الفت کی کب ہے شوخ ستمگر کو اطلاع
ہم کو خبر ہے یا دلِ مضطر کو اطلاع

قاتل سے لیں گے ہمت و جرأت کی داد ہم
جی داریوں کی ہوگی نہ خنجر کو اطلاع

سب کو کہاں ہے ظلم و ستمگاری سے آگہی
اکثر ہیں بے خبر ابھی اکثر کو اطلاع

بلبل کے دل پہ برق گری غنچہ کیا کھلا
اس حادثے کی کب ہے گلِ تر کو اطلاع

ارمان دل میں چھوڑ کے لاکھوں چلے ہیں ہم
مرنے کی اپنے ہو نہ بھرے گھر کو اطلاع

ہلکا ہے غیر سیٹ کا پچتی نہیں ہے بات
جب تک کرے نہ بے وہ بہتّر کو اطلاع

مغرور ہوں گے آئینہ رو یا کے آئینہ
افسوس ہے نہ تھی یہ سکندر کو اطلاع

جب تک نہاں ہے دوستی جبھی تک ہے زندگی
یارب نہ ہو یہ چشمِ فسوں گر کو اطلاع

جانے نہ پائے تھے وہ ابھی گھر رقیب کے | پہلے سے ہو گئی دلِ مضطر کو اطلاع
آ کر مرے مزار پہ ڈھائیں گے حشر وہ | اس کی کہاں تھی فتنۂ محشر کو اطلاع
یہ کیا مزے کی بات ہے یہ کیا مزے کی سیر | تڑپے ہمارا دل نہ ہو دلبر کو اطلاع

بیخود سا تشنہ کام کوئی حشر میں نہیں
کیا یہ نہ ہوگی ساقیٔ کوثر کو اطلاع

جو حکم ہو بہتر ہے وہ سرکار بہر نوع | ہے طالعِ فرماں یہ گنہگار بہر نوع
دشمن ہی کے ہمراہ وہ آئیں کہیں آئیں | بچ جائے تو اچھا ہے یہ بیمار بہر نوع
تو رشکِ مسیحا ہے مری جان تو کیا ہے | ہے عشق ترا جان کا آزار بہر نوع
کرتے ہیں ستم لطف کے پردے میں وہ اکثر | اقرار سے بہتر ہے یہ انکار بہر نوع
کس منھ سے کروں چرخ کا شکوہ ترے آگے | اچھا ہے مرے دل میں یہ ستمگار بہر نوع
جادو سے کرو قتل کہ اعجاز سے زندہ | راضی برضا ہے دلِ بیمار بہر نوع
تم مجھ کو وہاں لے کے چلو یا اسے لاؤ | دشمن سے صفائی تو ہے دشوار بہر نوع
وہ رنجِ شبِ وصل جدائی کے وہ صدمے | قسمت ہے مری درپئے آزار بہر نوع
بس خیر ہمیں آپ وفادار نہ سمجھیں | ہیں جنسِ محبت کے خریدار بہر نوع
ہر چند ابھی عمر ہے کم شرم زیادہ | آنکھیں ہیں تری دل کی طلبگار بہر نوع
نازک ہے تو کیا ہے جو وہ کمسن ہے تو کیا ہے | اٹھےگی قیامت دمِ رفتار بہر نوع
مٹ جائے یہیں حسرتِ دیدار تو بہتر | آنی ہے قیامت بھی تو اک بار بہر نوع

بیخود ہی غافل سہی مدہوش سہی ہم
رہتے ہیں مگر آپ سے ہشیار بہر نوع

ردیف غین معجمہ

ہم سے کھچے رہوگے کہاں تک بسانِ تیغ
ہوتا ہے ہر نگاہ پر اب تو گمانِ تیغ

وہ حشر میں بھی قتل سے انکار ہی کریں
دیگی مری طرف سے گواہی زبانِ تیغ

سامانِ عیش ہجر میں کٹوائے گا گلا
ہم کو ہلالِ عید پہ ہوگا گمانِ تیغ

مانا یہ ہم نے حشر کے دن سر بھی جڑ گیا
گردن سے مٹ نہ جائیگا ظالم نشانِ تیغ

کب تک ہر اک گام پہ ہونگے سروں کے ڈھیر
کب تک رہوگے ظلم کے خوگر بسانِ تیغ

رکتی ہوئی جو چلتی ہے مجھ بے گناہ پر
قاتل سے کر رہی ہے سفارش زبانِ تیغ

سر کاٹنے سے پہلے تم اتنا بتا تو دو
یہ امتحانِ عشق ہے یا امتحانِ تیغ

میں ماجرائے ظلم و ستم تم سے کیا سنوں
سب کہہ چکا ہے مجھ سے لبِ خونچکانِ تیغ

وہ تھک گئے یہ ٹوٹ گئی ہم بچے رہے
یہ نازکی کا قصہ ہے یہ داستانِ تیغ

الفت کی جانچ چاہیئے جوہر کا انکشاف
دشمن کو آزماؤ کرو امتحانِ تیغ

مجروحِ تیغ عشق ہے تو ہم سمجھ گئے
بیخود تری زبان سے سنکر بیانِ تیغ

یہ کہہ رہا ہے لالۂ خونی کفن کا داغ
لایا ہے رنگ خونِ سرِ کوہکن کا داغ

باغِ جناں کا پھول ہے میرے کفن کا داغ
میں دل میں پچھلا ہوں کسی تیغ زن کا داغ

غربت میں گل کھلاتا ہے کیا کیا وطن کا داغ
سرمایۂ بہارِ چمن ہے حسین کا داغ

عاشق کے نام سے انہیں نفرت ہے اس قدر
بلبل کو جانتے ہیں چمن میں چمن کا داغ

کچھ ایسی پھوٹ پھوٹ کے روئی ہے نعش پر
شیریں نے دھو دیا ہے دلِ کوہکن کا داغ

پہچان ہے یہ کشتۂ زلفِ سیاہ کی
گردن میں بعدِ مرگ بھی ہوگا رسن کا داغ

وہ داغِ دل کو دیکھ کے مجھ سے اُلجھ پڑے
تو یہ بتا کہاں سے مِلا اس پھبن کا داغ

اب ہم کہیں نہ جائیں گے دِلّی کو چھوڑ کر
ہم نے بدل لیا ہے وطن سے وطن کا داغ

تاثیرِ عشق کی بھی ہیں نیرنگیاں نئی
اُن کے بھی دل میں ہے مرے رنج و محن کا داغ

بھرتا نہیں ہے خنجرِ رشکِ عدو کا زخم
مٹتا نہیں ہے اُلفتِ گل پیرہن کا داغ

انکار میرے خون سے ہوگا جو حشر میں
بن جائیگا یہ مہرِ شہادت کفن کا داغ

کچھ کہہ رہا ہے شب کی سیہ کاریوں کا حال
غمّاز بن گیا ہے تمہارے دہن کا داغ

پہلے خزاں کے آنے سے بلبل نے جان دی
اُٹھا نہ سکتی تھی بہارِ چمن کا داغ

جب سے سُنا ہے یہ کہ وہاں غیر کا ہے دخل
مٹتا چلا ہے دل سے کسی انجمن کا داغ

بیمہریاں تھیں اہلِ وطن کی نصیب میں
مجھ کو ہوا نصیب وطن میں وطن کا داغ

تیروں سے ہم نے آہ کے چھلنی بنا دیا
ہے دل میں ماہتاب کے چرخِ کہن کا داغ

جب تک ہے میری آنکھ میں آنسو کی قدر ہے
جب تک مرے جگر میں ہے ہے لاکھ من کا داغ

بیخود یہ کہہ رہی ہے مری گرمیِ کلام
ہے میرے دل میں داغ سے رنگیں سخن کا داغ

ردیف فاء معجمہ

بیٹھا ہوں گو پھرا ہوا دیوار کی طرف
آنکھیں ہوئے رقیب ہیں دلِ یار کی طرف

خلوت میں کوئی بھی تو نہیں یار کی طرف
مجمع ہے حسرتوں کا طلب گار کی طرف

فرصت کہاں کہ دیکھئے غمخوار کی طرف
آنکھیں لگی ہوئی ہیں یہاں یار کی طرف

چھت پر کبھی نظر کبھی دیوار کی طرف
موقعہ ملا تو دیکھ لیا یار کی طرف

یہ حُسن دلفریب کی چالیں تو دیکھئے
کہتی ہے آنکھ ہم ہیں خریدار کی طرف

جس وقت آکے شمع سے ٹھیرا مقابلہ
پروانے ہونگے آپکے رخسار کی طرف

عشاق کے دلوں کی وہ بھڑکا رہے ہیں آگ
مُنھ کرکے بیٹھتے نہیں بازار کی طرف

برسوں میں جاکے اب کہیں اتنے ہوئے ہیں وہ
محفل میں دیکھ لیتے ہیں دو چار کی طرف

منظور یہ ہے بزم میں دیکھیں نہ وہ اُدھر
ہم جاکے بیٹھ جاتے ہیں اغیار کی طرف

حالِ زبوں نے موت کے چھکے چھڑا دیئے
بڑھ بڑھ کے رہ گئی ترے بیمار کی طرف

بے پردہ وہ کھڑے ہیں کوئی دیکھتا نہیں
سب کی نظر ہے طالبِ دیدار کی طرف

ٹکڑے ہماری نعش کے جب ہونگے داد خواہ
شامت ہے دل کی ہو جو ستمگار کی طرف

تیری بلا نگاہ کرے پائمال پر
تو دیکھ اپنی شوخیٔ رفتار کی طرف

میرے قلق سے دل میں وہ کچھ سہم سے گئے
اُٹھی نہ آنکھ دیدۂ خونبار کی طرف

معشوق ہیں وہ آئینہ رکھتے ہیں پیشِ چشم
کیوں دیکھیں وہ کسی کے دلِ زار کی طرف

دل آپ سے خلاف ہے آپ اُس سے روٹھے
تجھ سے بگاڑیں تو ہوں سرکار کی طرف

بخشش کی کیا خبر ہمیں اتنی تو ہے امید
پہلے نظر پڑے گی گنہگار کی طرف

اُس کا فروغِ حُسن تھا یہ یا ہماری آہ
بجلی سی اک چمک گئی دیوار کی طرف

بیخود بہانہ ہم سے ہے مسجد کا کیا ضرور
جاتے ہو جاؤ خانۂ خمّار کی طرف

حُسن والوں سے کوئی کیا واقف
اِن کی چالوں سے کوئی کیا واقف

وصل ہو عیش ہو مزے لوٹوں / اِن خیالوں سے کوئی کیا واقف

دل کے صدموں سے دل ہی ہے آگاہ / خستہ حالوں سے کوئی کیا واقف

عہد میں اُن کے ہے بڑا اندھیر / مہ جمالوں سے کوئی کیا واقف

بے طلب جان نے رہا ہے جہاں / اب سوالوں سے کوئی کیا واقف

پھوٹتے پھلتے ہیں مرے نالے / ان نہالوں سے کوئی کیا واقف

مجھ پہ پھر جوڑ دشمنوں نے چلا / بد خصالوں سے کوئی کیا واقف

فتح آہوں سے دل پہ پائی ہے / میرے بھالوں سے کوئی کیا واقف

دل کے ڈسنے کو ہیں یہ مار سیاہ / تیرے بالوں سے کوئی کیا واقف

چال پر مٹ گیا ہے اک عالم / پائمالوں سے کوئی کیا واقف

لوگ **بیخود** کو جانتے بھی نہیں
باکمالوں سے کوئی کیا واقف

حُسن کی پھیلی ہوئی تنویر ہے چاروں طرف / جلوہ فرما یار کی تصویر ہے چاروں طرف

گیسوئے پیچاں میں اُن کے یوں پھنسا ہے دل مرا / ہے یہ قیدی بیچ میں زنجیر ہے چاروں طرف

دوست غمگیں شاد دشمن وہ خفا ہیں میں خجل / میرے نالہ کی بھی کیا تاثیر ہے چاروں طرف

نور آگیں بزم تم سے تم ہو رونق بزم کی / صدر میں بیٹھے ہو تم تنویر ہے چاروں طرف

ہے دلِ روشن کا حصّہ حُسنِ یکتا کی بہار / اُس کے آئینہ پہ یہ تحریر ہے چاروں طرف

ہوش میں اب کون ہے محفل میں شیدا ہو نہ تم / اک تمہارا عاشقِ دلگیر ہے چاروں طرف

وہ ہیں دشمن کہیں حوریں کہیں پریاں کہیں / پھانس رکھنے کی مرے تدبیر ہے چاروں طرف

میں کہاں جاؤں کدھر نکلوں جہاں قسمت پھرے / میرا دشمن آسمانِ پیر ہے چاروں طرف

دشتِ غربت میں کھڑے چاروں طرف تکتے ہیں ہم
اک ہجومِ یاس سو سو تیر ہے چاروں طرف

قتل گہہ میں کوئی تو تقدیر بھی چمکے کہیں
کیا چمکنے کے لیے شمشیر ہے چاروں طرف

میں کدھر منھ کر کے سوؤں کہہ تو دیجے وصل میں
آپ کے غصّہ کی اک تصویر ہے چاروں طرف

میں یہاں ٹھہرا کبھی دم بھر وہاں ٹھہرا کبھی
اُس کے کوچہ میں مری جاگیر ہی چاروں طرف

آپ کے تیرِ نظر کے ذکر سے چھدتے ہیں دل
ایک عالم آپ کا نخچیر ہے چاروں طرف

ذرّہ ذرّہ خاک کا اِک آفتابِ حُسن ہے
اتنے پردوں پر تری تنویر ہی چاروں طرف

آپ کی شہرت تو بیخود ہو گئی ہے دُور دُور
آپ ہی کے باب میں تقریر ہی چاروں طرف

چاند سا مُنھ تو اُس نے پایا صاف
اُس کے دل کو نہ کیوں بنایا صاف

عرضِ مطلب یہ پیچ بھی کھیلے
پھر بھی اُس سے جواب پایا صاف

اِس صفائی کے ہم تو قائل ہیں
بدگمانی کو کیا مٹایا صاف

میرے دل سا کہاں سراغ رساں
اپنے قاتل کو ڈھونڈھ لایا صاف

آچکا تھا زباں تک شکوہ
اُس نے باتوں میں کیا اڑایا صاف

اک معمّہ سا تھا بیان اُن کا
اپنا مطلب کہاں بتایا صاف

خود بھی الزام سے بچا کوئی
اور دشمن کو بھی بچایا صاف

تو نے دیکھا یہ جذبِ دل میرا
تیر چٹکی سے چھین لایا صاف

دیکھ لی اک جھلک سی موسیٰ نے
اُس کا جلوہ نظر نہ آیا صاف

بیوفائی سے مدّعا کیا ہے
یہ نہ تم نے کبھی بتایا صاف

سب کو بیخود نے آزما دیکھا

کوئی بھی دل نظر نہ آیا صاف

ردیف قاف

پیتا ہوں دل کے جام میں بھر کر شرابِ عشق / دیتا ہے بیخودی میں مزا اضطرابِ عشق

کیا جانے رسمِ عشق وہ خانہ خرابِ عشق / مجنوں کو ہم پڑھائیں گے برسوں کتابِ عشق

اُس کا بھی کچھ خیال ہے اے آرزوے وصل / وہ بھی تو بیقرار ہے اے اضطرابِ عشق

اِن سب کی ایک اصل ہے ان سب کا اک خواص / سوزِ فراق نارِ جحیم التہابِ عشق

عاشق ہو تم پہ غیر تو مجھ کو سزا ملے / ہوتا ہے بوالہوس سے کہیں ارتکابِ عشق

بنکارتا ہوں شوق میں جلتا ہوں ہجر میں / مستِ شرابِ عشق ہوں دل ہے کبابِ عشق

تیرے فروغ کے لئے بھر دی ہے مجھ میں آگ / تو ماہتابِ حسن ہے میں آفتابِ عشق

وعدہ تو کر لو وصل کا ایفا ہو نہ ہو / اتنا تو کامیاب ہو ناکامیابِ عشق

داغوں کی اک بہار تھی دل میں وہ مٹ گئی / افسوس ہے کہ تم نے نہ دیکھا شبابِ عشق

یکتا ادا میں تم ہو تو کامل وفا میں ہم / پیدا جوابِ حسن نہ ممکن جوابِ عشق

لو میرے نامہ بر نے نئی اُن سے چال کی / وہ خط کو پڑھ رہے ہیں سمجھ کر کتابِ عشق

میں ممتحن ہوں باغ میں بجنے گی مجھ سے کیا / پڑھتی ہے عندلیب گلستاں کا بابِ عشق

مشتاق دید یوں تو ہزاروں ہیں آپ کے / قسمت میں لکھ دیا ہے ہمارے عذابِ عشق

میں تیری بزمِ ناز میں آیا نہیں ہوں آپ / لے آئے ہیں لگا کے یہاں تک جنابِ عشق

میرؔ تم سے دل لگا کے مصیبت میں پھنس گیا / مجھ کو نہ ترکِ عشق گوارا نہ تابِ عشق

حوروں نے ہم کو آپ کا عاشق سمجھ لیا
جنت میں ہم سے چھپ نہ سکا اضطراب عشق

الفت میں جیسے قیس کا مجنوں لقب ہوا
بیخود کو لوگ کہتے ہیں مستِ شرابِ عشق

ناصح نے اور جان جلائی شبِ فراق
دیدے کے طعنے اُس کی بن آئی شبِ فراق

بیخود جدھر کو آنکھ اُٹھائی شبِ فراق
ہم کو تو موت ہی نظر آئی شبِ فراق

پامال کر رہا ہے فلک حسرتیں مری
مٹتی ہے عمر بھر کی کمائی شبِ فراق

میں کیا بتاؤں تم کو کٹی رات کس طرح
کمبخت موت بھی تو نہ آئی شبِ فراق

وعدہ ہے غیر سے مجھے دہوکہ نہ دیجئے
پہچانتا ہوں اپنی پرائی شبِ فراق

آفت وہ کون سی تھی جو آئی نہ ٹوٹ کر
کیا کیا نہ کی فلک نے بُرائی شبِ فراق

کہدو کسی کی یاد سے آئے نہ میرے پاس
پھر وہ نہ جا سکے گی جو آئی شبِ فراق

مرتے ہیں ہجر یار میں دو چار بے اجل
کرنے لگی گھروں کی صفائی شبِ فراق

لے ہی گیا خیال کسی کا متاعِ صبر
کتنی ہی ہم نے آنکھ چرائی شبِ فراق

ہوتے ہی صبح ہو گئی رخصت ہمارے ساتھ
بیتابیوں کی تاب نہ لائی شبِ فراق

کیا کیا سُنا سُنا کے مجھے کہہ رہی ہے موت
ٹلنے کے واسطے نہیں آئی شبِ فراق

زلفِ سیاہِ یار بھی دل سے اُتر گئی
ایسی مری نظر میں سمائی شبِ فراق

یہ بھی رہا نہ اُس بتِ نا آشنا کی طرح
کی درد نے بھی ہم سے جُدائی شبِ فراق

بیخود کو شام ہی سے کچھ ایسی لگی تھی چپ
اُس نے زبان بھی نہ ہلائی شبِ فراق

سامنا خاک کریگی دلِ ناکام سے برق
کانپ جاتی ہے فلک پہ تو میرے نام سے برق

دل میں رکھتا تھا بہت شوقِ تجلّیِ جمال
گر پڑی سر پہ مرے گردشِ ایّام سے برق

آشیاں پھونک چکی نالۂ بلبل سے بچے
مجھ کو ڈر ہے کہیں جاتی نہ رہے کام سے برق

دیکھ کر آئینہ جب بانگ نکالی اُس نے
کوند کر مجھ پہ گری زلفِ سیہ فام سے برق

اب تو شکوہ دلِ مضطر کا نہ ہوگا مجھ سے
تم نے دیکھا کبھی رہتی نہیں آرام سے برق

چشمِ مہجور سے بادل نے برسنا سیکھا
اور سیکھی ہے تڑپنا دلِ ناکام سے برق

اُن سے پھر شام کے آنے کا ہوا ہے وعدہ
پھر چمکتی نظر آتی ہے مجھے شام سے برق

نام لوہے کا ہوا زخم نظر نے ڈالا
پھنس گئی تیغ بری ہو گئی الزام سے برق

چشمِ مخمور سے ساقی کی بچو تم بیخودؔ
ہم نے دیکھی ہے نکلتی ہوئی اس جام سے برق

دشمن کے خط میں اُس نے لکھا ہے سلامِ شوق
میرے لئے پیامِ قضا ہے پیامِ شوق

بے لفظ یہ بیان نہ یہ اہتمامِ شوق
قاصد کی کیا زباں سے ادا ہو پیامِ شوق

ارمان کارکن ہیں تمنّائیں خدمتی
کیا کیا شبِ وصال میں ہے انتظامِ شوق

اتنا اثر تو ضبطِ محبت نے بھی کیا
اُن کی زباں پر آنے لگے ہیں کلامِ شوق

بھڑکی یہ آگ اس دلِ مشتاق دید سے
پہلے تو جانتا بھی نہ تھا کوئی نامِ شوق

سوچو کہ چار دن ہیں بہاریں شباب کی
سمجھو کہ حشر تک نہ رہے گا قیامِ شوق

دیدار کے خیال میں آنسو ٹپک پڑے
لبریز ہو گیا تھا چھلکتا ہے جامِ شوق

بلبل ہے نغمہ سنج تو قمری ہے نالہ کش
پھیلا دیا ہے باغ میں کس نے یہ دامِ شوق

مجنوں کو کیا تمیز تھی، جاہل تھا کوہکن
اُلفت میں میرے دم سے ہوا اہتمامِ شوق

یہ دل وہی ہے جس کو اُجاڑا ہے آپ نے
اب خاک اُڑ رہی ہے کبھی تھا مقامِ شوق

گذرے جو کوئے گمشدگاں میں تو اے صبا
کہنا جنابِ خضر سے میرا سلامِ شوق

یہ راز آج بیخودؔ میخوار سے کھلا
تلخی میں جامِ عشق سے بڑھکر ہے جامِ شوق

ردیف کافِ تازی

باہم شبِ وصال تو اُن سے رہا سلوک
اب اس کے بعد دیکھئے کرتے ہیں کیا سلوک

ایسے سے کیا سلوک ہو بس ہو چکا سلوک
مطلب ہے اُس کا بغض مرا مدعا سلوک

آتی نہیں ہیں ہم کو تلوّن مزاجیاں
رہتے ہیں ایک حال میں کیا جذب کیا سلوک

ہے اُن کو بغض و کینہ و ظلم و جفا سے ربط
وہ جانتے نہیں ابھی ہوتا ہے کیا سلوک

کہتے ہیں حسن کے عشق میں [illegible]یاں ہوئی
یہ میرے ساتھ آپ نے اچھا کیا سلوک

بیجا ہے اب نباہ کی اُمید آپ سے
دشمن کے ساتھ دیکھ لیا آپ کا سلوک

ہم بھی کسی کے چاہنے والوں میں تھے کبھی
ہم سے بھی ربط تھا کبھی ہم سے بھی تھا سلوک

پیرِ مغاں کی ذات سے کس کو ہوا نہ فیض
پوشیدہ محتسب سے بھی کرتا رہا سلوک

بیگانگی کی شان یہ دیکھی نہ تھی کبھی
پہلے ترے طریق میں تھا یا نہ تھا سلوک

حاصل کلامِ عشق کے افسانہ کا یہ ہے
انجام اس کا رنج ہے آغاز تھا سلوک

ظلم و ستم سے بھی کہیں ہوتا ہے دل میں گھر
بے مہر تجھ کو چاہیئے اُلفت وفا، سلوک

دشمن کے دل میں تجھ سی جو ہوتی نباہ کی
تیرے بگاڑ کو بھی تو یہ جانتا سلوک

دم بھر بغیر اُس کے نہیں چین آپ کو
بیخودؔ سے آج کل تو ہے بے انتہا سلوک

صدمے فراقِ یار کے ہیں جانِ زار تک
ہم اور دیکھتے ہیں شبِ انتظار تک

اُلفت جلا رہی ہے تری ورنہ میں کہاں
میری تو زندگی ہے دلِ بیقرار تک

وعدے سے بیشتر ہی قیامت بپا ہوئی
بنتی ہے دم پہ دیکھیے کیا وصلِ یار تک

گھر سے قدم بھی جس نے نکالا نہ تھا کبھی
لے آئیں شوخیاں اُسے میرے مزار تک

ذکرِ وفا پہ کہتے ہیں کیا منھ بنا کے وہ
باتوں میں تیری لطف رہا اعتبار تک

جب تک بدن میں جان ہے نالہ ہے آہ ہے
بے اختیاریاں ہیں یہی اختیار تک

زاہد بھری نہیں ابھی نیّت شراب سے
کرلیں گے توبہ پیتے ہیں فصلِ بہار تک

رشکِ رقیب کاہشِ غم خواہشِ وصال
جھگڑے یہی ہیں ہستیٔ ناپائدار تک

ہو کیوں نہ شاد شاد فریبِ وفا سے دل
پہنچی نہیں نظر ابھی انجام کار تک

خورشید سے ہے قطرۂ شبنم کا سامنا
اُمیدِ زندگی ہے مجھے وصلِ یار تک

اپنے خیال و وہم کا ممکن نہیں علاج
ہیں بدگمانیاں نگہِ شرمسار تک

انکار کر رہے ہیں وہ اقرارِ وصل سے
پہنچے نہ یہ خبر دلِ اُمیدوار تک

بیخود کی قدر ہی نہیں پیرِ مغاں تجھے
رونق ہے میکدہ کی اسی بادہ خوار تک

کیا ملے آپ کی محفل میں بھلا ایک سے ایک
رشک ایسا ہے کہ بیٹھا ہے جدا ایک سے ایک

یوں تو ہر عضو مشابہ ہے ترا ایک سے ایک
دیکھنا یہ ہے نرالی ہے ادا ایک سے ایک

نہ ملا آئینہ میں بھی تری صورت کا جواب
کون کہتا ہے کہ بڑھ چڑھ کے ہوا ایک سے ایک

دل ملے ہاتھ ملے اُٹھ کے نگاہیں بھی ملیں
وصل بھی خیر ہے ملنے کو بڑھا ایک سے ایک

اُس کے جلوے نے کسی کو بھی سنبھلنے نہ دیا
دیکھ سنبھلے ہوئے کہتا ہی رہا ایک سے ایک

وہ خفا مجھ سے ہوئے اُن سے مرا دل بگڑا
وصل کیا خاک ہے جب بڑھ گیا ایک سے ایک

ایسے ویسوں کو تو مُنھ بھی نہ لگایا ہم نے
ماہ رو ہم کو تو اچھا ہی ملا ایک سے ایک

اب نہ وہ عشق نہ وہ عاشق و معشوق رہے
خواب میں بھی تو نہ ہوتا تھا جُدا ایک سے ایک

دل بنا جان کا دشمن تو جگر تشنۂ خوں
تیری اُلفت میں مخالف ہی رہا ایک سے ایک

کبھی اقرارِ ستم ہے کبھی انکارِ وصال
نت نئے ہے ترا اندازِ جفا ایک سے ایک

نازِ انداز و ادائے حُسن و کرشمہ و شوخی
دلستانی میں ہیں [illegible] ایک سے ایک

کان سے دل نے لیا دل سے جگر نے چھینا
لے رہا ہے تری باتوں کا مزا ایک سے ایک

طرف دیکھا یہ مے عشق کے سرشاروں کا
بیخودی میں بھی تو بیخود نہ کھلا ایک سے ایک

یہ تو سمجھو کہ سنبھالیگا سنبھالا کب تک
مرنے والا کوئی فرقت میں جئے گا کب تک

سچ بتاؤ کہ نکالوگے تمنّا کب تک
دل میں کھٹکے گا مری جان یہ کانٹا کب تک

غیر سے کچھ ہے اِدھر کچھ یہ تماشا کب تک
رنگ بدلے گا نئے وہ گلِ رعنا کب تک

اب تو ہر وقت اجل سر پہ کھڑی رہتی ہے
تیرے بیمار اُٹھائیں گے تقاضا کب تک

ٹالنا ہی مرا منظور تو دو کھل کے جواب
عرضِ مطلب پہ کہے جاؤ گے اچھا کب تک

سُرخ آنسو ہیں کہ آنکھوں سے بہے جاتے ہیں
دیکھئے بھرتا ہی ناسور رہیگا کب تک

اب تو دشمن کو نہ سوجھے گی بُرائی تیری
دیکھنا یہ ہے کہ وہ رہتا ہے جدا کب تک

زندہ کردوگے دلِ مردہ کو کتنے دن میں
ہم کو آ جائیگا اچھا نہ مسیحا کب تک

تا بکے حسرتِ دیدار میں مر مر کے جئیں
کیا خبر [illegible] کب تک

بیوفاؤں سے ہے اُمیدِ وفا نادانی
[illegible]

اس معمے میں اشارا ہے کمر کی جانب / پوچھیے اُن سے کہ ہاتھ آئیگا عنقا کب تک

منھ تو کیا بات بھی کھلنے نہیں پاتی اُن کی / دیکھیے رہتا ہے پردے میں یہ پردا کب تک

مجھ کو گئے دن کے لیے حکم تڑپنے کا ملا / دیکھنا چاہتے ہو تم یہ تماشا کب تک

اب کے وہ ہاتھ ملائیں تو یہ اُن سے پوچھوں / ہاتھ بن جائیگا میرا یدِ بیضا کب تک

میں خطاوار رہوں پامال کئے جاؤ مجھے / ٹھوکریں کھائیگی یہ زلفِ چلیپا کب تک

جب سمجھ آگئی اتنی کہ یہاں کچھ بھی نہیں / دیگی دھوکا ہمیں پھر ہستی اشیا کب تک

اب بڑھاپے میں بھی توبہ نہیں کرتا بیخود / اس سے پوچھے کوئی کمبخت پئیگا کب تک

ردیف کاف فارسی

چھلاوے کی طرح سے ہے ستمگر الگ تھلگ / گردوں کو لے اُبھر دلِ مضطر الگ تھلگ

بیٹھا ہے بھر فسیح ستمگر الگ تھلگ / چٹکی میں تھام رکھا ہے خنجر الگ تھلگ

عاشق سے کٹ کے رہ کے ستاتے ہیں دل کو وہ / یہ خوب مل گیا ہے اُنہیں گُر الگ تھلگ

پرہیز بھی ہے مجھ سے انہیں ناز کی کے ساتھ / بیٹھے ہوئے ہیں میرے برابر الگ تھلگ

چھالا نہ پھوٹ جائے کوئی زخم پھٹ نہ جائے / رکھنا جگر کو اے دلِ مضطر الگ تھلگ

ارمان و آرزو سے نہیں اُن کو کام کچھ / رہتے ہیں اب وہ دل کے بھی اندر الگ تھلگ

سایہ بھی اُن کا تکیہ کی حد سے اُدھر رہا / پہلو میں میرے سوئے وہ شب بھر الگ تھلگ

گرتے ہیں مجھ پہ سنگِ حوادث فلک سے روز / رہتے ہیں میرے نام کے پتھر الگ تھلگ

آئی بہار دخترِ رز بن گئی پری
بیٹھی ہوئی ہی شیشہ کے اندر الگ تھلگ

یہ تو نئی سکھائی نزاکت نے اُن کو چال
رکھتے ہیں اب وہ پاؤں مین پر الگ تھلگ

امکان کیا کہ ہاتھ بھی چھو جائے ہاتھ سے
پیتے ہیں وہ رہی وہ ساغر الگ تھلگ

چھیڑا ذرا کہ آنکھ سے آنسو ٹپک پڑے
ہیں نیچہ مژہ میں یہ گوہر الگ تھلگ

بیخود سا پارسا تو ہوا ہے نہ ہو کہیں
میخانہ سے گیا ہے نکل کر الگ تھلگ

وہ شوخی کہاں تک نہ لائے گی رنگ
جوانی کسی کی دکھائے گی رنگ

ادھر ہجر کی رات لائے گی رنگ
ادھر تیرہ بختی دکھائے گی رنگ

لگاؤ حنا دست گلگوں میں تم
کہ یہ اور بھی کچھ بڑھائے گی رنگ

مرے حال کو آپ سمجھے نہیں
مری بیقراری دکھائے گی رنگ

یہی چال ہوگی یہی شوخیاں
قیامت تمہارا اُڑائے گی رنگ

تری زلف کی یاد رکھتی ہے یہ
شب ہجر اپنا جمائے گی رنگ

یہ ترچھی نظر کیوں نہ ڈھائے گی قہر
یہ بانکی ادا کیوں نہ لائے گی رنگ

تری تیغ کا لال کردوں گا منھ
جو یہ کھیلنے مجھ سے آئے گی رنگ

ان آنکھوں نے دیکھا ہی کیا ہے ابھی
ابھی تو یہ دنیا دکھائے گی رنگ

کوئی دن میں مہدی ترے ہاتھ کی
مرے خون دل سے ملائے گی رنگ

ملے گل سے دل کھول کر عندلیب
سحر آکے کچھ اور پائے گی رنگ

یہی ہیں جو **بیخود** نظر بازیاں
تری پارسائی دکھائے گی رنگ

ردیف لام

ابھی دل نے کیا اُس کا دیکھا تغافل
دکھائے گا آگے تماشا تغافل

تڑپتے ہوئے مجھ کو دیکھا تو ہوتا
مری جان ایسا بھی کیا تھا تغافل

بُری بات اچھوں کو پھبتی نہیں ہو
ستم تم کو شایاں نہ زیبا تغافل

اُنہیں شوخیوں سے نہیں چین دم بھر
حیا کس کو کہتے ہیں کیسا تغافل

تہِ تیغ بھی تم نے مجھ کو نہ دیکھا
نگاہوں میں یہ شرم ایسا تغافل

اُنہیں تو ستم کا مزا پڑ گیا ہے
کہاں کا تجاہل کہاں کا تغافل

رہیں خواب میں بھی تو نیچی نگاہیں
نہ دیکھا مجھے اُس نے دیکھا تغافل

غرض کیا اُنہیں وہ جو میری خبر لیں
وہاں تو ستم میں بھی ہوگا تغافل

نئے ظلم ایجاد ہوتے ہیں اب تو
کبھی پیشتر بھی ہوا تھا تغافل

یہ ساری مرے عشق کی خوبیاں ہیں
نہ میں تم پہ مرتا نہ ہوتا تغافل

خریدارِ چشمِ عنایت کے تھے ہم
مبارک رہے تجھ کو تیرا تغافل

وہ کافر نگاہیں کسی نے نہ دیکھیں
بنا اُن کی آنکھوں کا پردا تغافل

وہ گنوا دئے تجھے اپنی وفائیں
وفا کی جگہ منھ سے نکلا تغافل

کوئی اور ہوتا تو ہم بھی نہ کہتے
نہیں تم کو تجھ سے زیبا تغافل

فرقت کا غم نہ ہجر کی کچھ رات کا خیال
آئی وہ پیش تھا مجھے جس بات کا خیال

ہے روزِ ہجر میں بھی اُسی بات کا خیال
دل میں بسا ہوا ہے وہی رات کا خیال

مطلب نہ لطف سے نہ غرض التجا سے ہے
اُن کو ستم کا پاس مجھے بات کا خیال

مکر و فریب میں بھی تو ایجاد ہے نیا
رہتا ہے اُن کو روز نئی گھات کا خیال

ظلم و ستم کا خوف نہ چشم عطا و لطف
اِس بات کا ملال نہ اُس بات کا خیال

توبہ ہے لب پہ ہاتھ میں پیالہ شراب کا
زاہد کا ڈر ہے پیر خرابات کا خیال

ہے حسرتِ وصال میں لذت فراق کی
پہلے گناہ سے ہے مکافات کا خیال

ارمانِ وصلِ غیر کو دل سے مٹائیے
اچھوں کو چاہیے نہ بُری بات کا خیال

ناگاہ اُس کو دیکھتے ہی دم نکل گیا
بیخود کو تھا نہ مرگِ مفاجات کا خیال

یہی تو دل ہے نگاہِ عتاب کے قابل
یہ تیر تھا اسی خانہ خراب کے قابل

یہ ضبطِ غم ہے مرا انتخاب کے قابل
کہ اب سکت ہی نہیں اضطراب کے قابل

اُسی ادا سے کیا قتل تو نے دشمن کو
کہ جو ادا تھی تری انتخاب کے قابل

اسے تو شوخی و ناز و ادا کی دو تعلیم
تمہاری آنکھ نہیں ہے حجاب کے قابل

قلم سے کھینچ دیا خط اُسی پہ ظالم نے
لکھا تھا خط میں جو فقرہ جواب کے قابل

عدو کے ذکر پہ منہ کھل گیا خدا کی شان
یہ شوخیاں ہیں تمہاری حجاب کے قابل

وہ اک ادا تھی دمِ ذبح جس نے تڑپایا
چھری کا زخم نہ تھا اضطراب کے قابل

خدا نے نور کے سانچے میں تم کو ڈھالا ہے
تمہارا حسن تو ہے انتخاب کے قابل

سمجھ کے بات کہو کچھ سمجھ کے بات کرو
عدو کا منہ ہے سوال و جواب کے قابل

چھپے گا چہرۂ رازِ زلیخا اب کیونکر
رہا نہ دامنِ یوسف نقاب کے قابل

پھر اپنے بوسۂ لب کیوں شمار کرتے ہو
نہ تھی یہ دل کی رقم جب حساب کے قابل

مٹا دیا ہے فلک نے بنا کے سبزۂ رو — لی نہ عمر ہی ہم کو شباب کے قابل

سوالِ وصل تھا تم سے لپٹ پڑی شبِ ہجر — مرا گناہ نہ تھا اس عذاب کے قابل

ترے شہید پڑے سو رہے ہیں مقتل میں — یہی جگہ تھی حقیقت میں خواب کے قابل

شکن یہ کیوں ہے تمہاری جبینِ روشن پر — نہ تھا ہلال یہ اس آفتاب کے قابل

کہو نہ تم مجھے اپنی زبان سے عاشق — یہ نامراد نہیں اس خطاب کے قابل

نگہ نگہ سے ٹپکتی ہے شانِ معشوقی — ادا ادا ہے تری انتخاب کے قابل

نکل کے ٹھیری ہے سینہ سے روح آنکھوں میں — جگہ یہ خوب ملی باتراب کے قابل

بشر کو جامِ محبت عطا ہوا بیخود
کسی کا ظرف نہ تھا اس شراب کے قابل

کمبخت دل خراش بہت ہے صدائے دل — کانوں پہ ہاتھ رکھ کے سنو ماجرائے دل

مرنے سے جو ڈرے وہ کرے ہائے ہائے دل — آ جائے موت آتی ہے جاتا ہے جائے دل

دل پر ابھی سے ہاتھ ہے لب پر ہے ہائے دل — تم نے سنا ہی کیا ہے ابھی ماجرائے دل

پاس آ کے بیٹھو کان میں سن لو ہماری بات — کیا خاک دور سے ہو بیاں مدعائے دل

تیری نگاہِ مہر بھی ظالم ہے قہر کی — برچھی جگر کے واسطے خنجر برائے دل

نیرنگ سازِ دستِ حنائی ہے آپ کا — قاتل یہی ہے دل کا یہی خونبہائے دل

کیوں لب پہ آہ سرد ہے کیوں چشم اشکبار — کچھ اور سنئے اور کہوں ماجرائے دل

لے تو چلے ہو تم کہیں ایسا غضب نہ ہو — میں دل کو بھول جاؤں مجھے بھول جائے دل

سینے میں اب جگر کی جگہ جل رہی ہے آگ — پہلو میں اب ہے داغِ محبت بجائے دل

کاوش امید کی ہے تمنا کی ہے خلش — پہلو میں اور بھی تو ہیں کانٹے سوائے دل

ملنے لگا ہے بیخودی شوق میں مزا
بیخود خیال یار ہے راحت فزائے دل

ردیف میم

بیتاب رہیں ہجر میں کچھ دل تو نہیں ہم
تڑپیں جو تجھے دیکھ کے بسمل تو نہیں ہم

ہیں یاد بہت مکر و فریب ایسے ہمیں بھی
مٹھی میں جو آجائیں تری دل تو نہیں ہم

اب آپ کوئی کام سکھا دیجئے ہم کو
معلوم ہوا عشق کے قابل تو نہیں ہم

کہنے کو وفادار تمہیں لاکھ میں کہدیں
دل سے مگر اس بات کے قائل تو نہیں ہم

کیوں خضر کے پیرو ہوں تری راہ طلب میں
آوارۂ و گم کردۂ منزل تو نہیں ہم

کہتے ہیں تمنائے شہادت کو وہ سن کر
کیوں قتل کریں آپ کو قاتل تو نہیں ہم

ہیں دل میں اگر طالب دیدار تمہیں کیا
کچھ تم سے کسی بات کے سائل تو نہیں ہم

وہ پوچھتے ہیں مجھ سے یہ مضمون تو نیا ہے
تیری ہی طرح سے کہیں بیدل تو نہیں ہم

ہم جاتے ہیں یا حضرت دل آپ سدھاریں
جائیں گے اب اس بزم میں شامل تو نہیں ہم

ان آنکھوں سے ہم نے بھی تو دیکھا ہے زمانہ
ہم سے نہ کہو غیر پہ مائل تو نہیں ہم

مرنے کے لئے وقت کوئی تاک رہے ہیں
اس کام کو سمجھے ابھی مشکل تو نہیں ہم

کہتے ہیں تجھے دیکھ کے آتا ہے ہمیں رشک
بیٹھے ہوئے دشمن کے مقابل تو نہیں ہم

ہر سانس میں رہتا ہے تری یاد کا کھٹکا
بیخود میں تو ہوں کام سے غافل تو نہیں ہم

مہمان ہیں فصلِ گل کی طرح اس چمن میں ہم | اپنے کو جانتے ہیں مسافر وطن میں ہم

اے خاکِ گور تجھ سے خجل ہیں کفن میں ہم | برسوں کے بعد آئے ہیں اپنے وطن میں ہم

تجھ سے ہنسے رقیب جلیں انجمن میں ہم | فانوس میں ہیں شمع ہے یا پیرہن میں ہم

ٹھیرے کہیں نگاہ بھی دل بھی کہیں جمے | اس انجمن میں ہیں کبھی اُس انجمن میں ہم

کھلتا ہے کوئی غنچہ تو جھڑتا ہے کوئی گل | قدرت کے کھیل دیکھ رہے ہیں چمن میں ہم

داغوں پہ داغ جھیلے ہیں زخموں پہ کھائے زخم | دولہا بنے ہوئے ہیں سراپا کفن میں ہم

فریاد کا ہو خوف اگر ہم سے حشر میں | رکھ دیں زبان کاٹ کے تیرے دہن میں ہم

جو زخم ہے بدن پہ وہ خنجر کی شکل ہے | قاتل سے کم رہے نہ کبھی بانکپن میں ہم

باندھیں کہاں وہ تیغ ہیں کون قول دے | اُن کو کمر کا سوچ ہے شکرِ دہن میں ہم

پیدا ہوئے ہیں دو ہی تو عاشق جہان میں | گلشن میں عندلیب تری انجمن میں ہم

سارا یہ سیرِ گل کا مزا تیرے دم سے ہے | تیرے بغیر آگ لگا دیں چمن میں ہم

معشوق سے بگڑ کے بگاڑیں گے اُس کا کیا | اپنا ہی دل جلائیں گے اُس کی جلن میں ہم

قسمت جُدا جُدا ہے مقدر الگ الگ | عیش و طرب میں غیر ہے رنج و محن میں ہم

پروانہ بن کے جلتے ہیں جب ہجرِ یار میں | اک روح پھونک دیتے ہیں شمعِ لگن میں ہم

کافی ہیں ہم فراق میں جلنے کے واسطے | جلنے نہ دیں گے شمع کو بیت الحزن میں ہم

اُڑتی ہے جس میں خاک وہ دل بھی بغل میں ہے | آئے ہیں ساتھ لے کے بیاباں چمن میں ہم

چھپتے ہیں کوئی یار سے داغِ دل و جگر | رکھیں گے پھیر راہ کو کب تک گگن میں ہم

آئینے سے خفا ہے جو ترچھی نظر کے ساتھ | [illegible]

وہ گل کی شوخیاں ہیں نہ بلبل کے چہچہے | کچھ آج فرق پاتے ہیں رنگِ چمن میں ہم

تجھ کو ہے گفتگو کا سلیقہ نہ غیر کو
تیری زباں پہ تو ہے تو اُس کے دہن میں ہم

جب اُن سے ہو گا داورِ محشر کا سامنا
دیکھیں گے سیر چھُپ کے عدو کے کفن میں ہم

آوارہ بوئے گل کی طرح عمر بھر رہے
جا کر کبھی نہ آئے پھر اپنے وطن میں ہم

برسوں سے خون روتے ہیں مژگاں کی یاد میں
پیکاں لگائے رکھتے ہیں زخمِ کہن میں ہم

بیخود وہیں ہے قدر کچھ اہلِ کمال کی
افسوس ہے کہ جا نہ سکے پھر دکن میں ہم

ٹوٹے پڑتے ہیں یہ ہیں کس کے خریدار تمام
صبح سے بند ہیں کیوں مصر کے بازار تمام

ایک پہلو پہ نہیں شوخیٔ گفتار تمام
تیری ہر بات کے پہلو ہیں دل آزار تمام

اب رہا کون جو دیدار تمہارا دیکھے
پردہ اُٹھتے ہی ہوئی حسرتِ دیدار تمام

وہ بھی بازار میں دم بھر کو چلے آتے ہیں
جمع ہو جاتے ہیں جب اُن کے خریدار تمام

دل بھی لیکر کبھی رکھتے نہیں دل عاشق کا
اپنی ہی گوں کے ہیں معشوقِ طرحدار تمام

اُن کے آتے ہی ہوا گھر میں اُجالا کیسا
بن گئے نور کے گویا در و دیوار تمام

بات رہ جائے اگر حشر میں آئے یہ ندا
پیش ہوں پہلے محبت کے گنہگار تمام

عشق میں جان بچانے کی کہاں دی مہلت
آنکھ ملتے ہی تو اعضا ہوئے بیکار تمام

سنگ دل کیوں نہ بتِ ماہ جبیں ہوں مشہور
یہ تو مٹی کے بھی ہوتے ہیں ستمگار تمام

عید آئی ہے الٰہی کہ بہار آئی ہے
جھومتے آج چلے آتے ہیں میخوار تمام

اک جھلک دیکھ لی پردے سے تو ظالم نے کہا
لوٹ لی تو نے مرے حسن کی سرکار تمام

کہہ تو دو کس پہ یہ بوچھاڑ ہوئی تیروں کی
ہیں یہ کیوں خون میں ڈوبے ہوئے سوفار تمام

لفظِ رخصت بھی تو پورا نہ وہ کہنے پائے
لب ہلے تھے کہ ہوا عشق کا بیمار تمام

حسن، انداز، ادا، ناز، نگاہیں، شوخی
دل مرا چھین کے بن بیٹھے ہیں مختار تمام

اب بھی اپنا کوئی **بیخود** مجھے سمجھا کہ نہیں
چھپ گئے اب تو مرے حال کے اخبار تمام

مٹ جائیں مگر ساتھ نہ چھوڑیں گے ترا ہم
عاشق ہیں تو بن جائیں گے نقشِ کفِ پا ہم

ہیں نکہتِ گل باغ میں اے بادِ صبا ہم
دم بھر ہیں نمودار ہیں دم بھر میں فنا ہم

سمجھو ہمیں انسان کے پردے میں ہیں کیا ہم
دیکھو ہمیں آئینہ ہیں تصویر نما ہم

برسوں میں کہیں وصل کی اُمید بندھی ہے
سہتے ہیں بڑے شوق سے اب ظلم و جفا ہم

تشریف تو لے آئیں وہ روٹھے رہیں ہم سے
جھگڑا تو مٹے صلح بھی ہو جائے گی باہم

ہم تیرے شناسا ہیں ہمیں غیر سے کیا کام
آگاہ کسی سے بھی نہیں تیرے سوا ہم

پوچھا تھا یہ میں نے کہ مٹائیگا مجھے کون
قسمت ابھی خاموش تھی جو اُس نے کہا ہم

وہ عیش کا بندہ ہے وہ آرام کا خوگر
دشمن سے نہ اُٹھیگی اُٹھائیں گے جفا ہم

جو بات کے ہوتے ہیں وہ پھر نہیں سکتے
ہو سکتا ہے یہ ہم سے کریں ترک وفا ہم

بے وجہ خفا ہو کے خوشامد نہ کرو تم
تعریف کو بھی اب تو سمجھتے ہیں گلا ہم

کھل جائیں یہ سب راز اگر فکر سے لیں کام
خود منزلِ مقصود ہیں خود راہ نما ہم

بھولے سے کہیں اُن کا گلا ہم نے کیا تھا
فرماتے ہیں ایسوں سے نباہیں گے بھلا ہم

فرمائیے کیا جی میں ہے کیا ٹھانی ہے دل میں
اِس وقت کوئی غیر نہیں آپ ہیں یا ہم

عالم کو مٹا شوق سے ہم کو نہ مٹا تو
عالم تو اک آئینہ ہے ہیں عکس ترا ہم

وہ کہتے ہیں دعویٰ ہے اسے ہوش و خرد کا
بیخود کو پلائیں گے مے ہوش رُبا ہم

ردیف نون

کچھ حوصلے ہی پست بہت آدمی کے ہیں
ورنہ ہر اک نگاہ میں جلوے اُسی کے ہیں

سب سے جدا طریق یہاں عاشقی کے ہیں
ظاہر کسی سے ملتے ہیں شیدا کسی کے ہیں

یوں ورنہ بزمِ غیر میں رسوائیاں مری
کرتوت سب یہ حضرتِ دل آپ ہی کے ہیں

اس چرخِ کینہ ساز سے بڑھ کر نہیں کوئی
ہر چند سینکڑوں ہی عدو آدمی کے ہیں

ہیں آپ میں نہ ہوں تو نظر آئے روئے یار
یہ درمیاں حجاب ہیں سب خودی کے ہیں

حوروں کو بھی تو اس کی تمنا ہے رات دن
چرچے بہشت میں بھی تمہاری گلی کے ہیں

اے چارہ گر نہ بھول کر ان کو نکالنا
پھانسیں نہیں ہیں دل میں یہ پیکاں کسی کے ہیں

ناکام روزِ وصل رہا بھی تو میں رہا
احسان آپ پر تو مری بیخودی کے ہیں

بیخود یہ تم جو کرتے ہو کوشش فضول ہے
گذریں گے کس طرح سے جو دن زندگی کے ہیں

مرگ کا ارماں شبِ غم کیا کریں
موت کو موت آ گئی ہم کیا کریں

کس طرح کاٹیں شبِ غم کیا کریں
زندگی سے سیر ہے ہم کیا کریں

میرے پہلو میں ہیں بیٹھے دشمن سے وہ
اس خوشی میں اب مرا غم کیا کریں

سُن کے ساری داستانِ رنج و غم
کہدیا اُس نے کہ پھر ہم کیا کریں

وعدہ کیسا آج ہو جائے وصال
کل جو مکر جاؤ تو پھر ہم کیا کریں

یادِ مژگاں دل سے جاتی ہی نہیں
اک خلش رہتی ہے پیہم کیا کریں

جلوہ گر ہے بام پر ناوک فگن
گردنِ تسلیم کو خم کیا کریں

ہے علاج دردِ دل ترکِ علاج
چارہ گر مرتا نہیں ہم کیا کریں

جو ہمارے دل میں چھپ کر آگیا
اُس کو اب رسوائے عالم کیا کریں

بعدِ مردن آپ چھٹ جائیگی مے
چار دن کے واسطے کم کیا کریں

ذکر تو کر دیں ترا بیخود مگر
وہ خفا ہو جائیں تو ہم کیا کریں

تم تیغ لے کے آئے ہو کیوں قتل گاہ میں
ہے امتحانِ عشق و ہوس اک نگاہ میں

کیا دیکھ آئے آج کسی جلوہ گاہ میں
ہم اپنے گھر کو پوچھتے جاتے ہیں راہ میں

پردے میں رہ کے ہوتی ہیں جلوہ نمائیاں
سب اُن کی شوخیاں ہیں ہماری نگاہ میں

رتبہ نہیں کلیم سے کم جان نثار کا
دینی تھی ہم کو جان تری جلوہ گاہ میں

وارفتگی اُنہیں بھی ہوئی دیکھ کر مجھے
تھا کچھ نہ کچھ اثر مرے حالِ تباہ میں

تم اور تم کو محفلِ دشمن سے واسطہ
سچ کہتے ہو فتور ہے میری نگاہ میں

بیٹھے ہوئے ہیں منتظرِ حشر سینکڑوں
آجاؤ بن سنور کے کبھی جلوہ گاہ میں

سب کا بیاں غلط مرے دل کا گماں غلط
یہ کیا کہا ملے نہیں دشمن سے راہ میں

چوری چھپے سے جاتے ہیں مسجد میں شب کو ہم
ڈر ہے کہ دیکھ لے کوئی کافر نہ راہ میں

تم آپ آگئے ہو یہاں اس میں شک نہیں
آیا بھلا کہاں سے اثر میری آہ میں

جس وقت اُس نے عذر کیا صاف ہو گیا
اتنی ہی تو کسر ہے دلِ دادخواہ میں

اُڑ کر کبھی جو آئی کسی دل جلے کی خاک
سرمہ لگا گئی تری چشمِ سیاہ میں

گر دیکھنی ہے حشر کے دن شانِ مغفرت
بیخود کبھی قصور نہ کرنا گناہ میں

دل کو قید زلف کچھ بھاری نہیں — یہ گرفتاری گرفتاری نہیں

دوستوں میں وہ وفاداری نہیں — دشمنی ہے آج کل یاری نہیں

آنکھ کو بیمار کیوں کہتے ہیں لوگ — دیکھنے میں کوئی بیماری نہیں

بالہوس کو آبرو کا پاس ہے — مجھ کو تجھ سی جان بھی پیاری نہیں

رکتے ہی رکتے رکیگا خون دل — آنکھ ہی یہ کوئی پچکاری نہیں

پیش آئیں گی بہت سی مشکلیں — سہل کچھ دل کی گرفتاری نہیں

تم نے سرمہ سے کیا آنکھوں کو سرخ — کیا ہے یہ گر مردم آزاری نہیں

عشق میں کیا دین دنیا کی خبر — خواب غفلت ہی یہ بیداری نہیں

کیا ہوا **بیخود** تجھے کچھ منھ سی پھوٹ
بے سبب تو گریہ و زاری نہیں

کہے دیتا ہوں میں سب سے بہت دلکش یہ نالے ہیں — کلیجہ تھام لیں ہاتھوں سے جتنے سننے والے ہیں

ڈریں کیوں ہم اگر شمشیر نے جوہر نکالے ہیں — تمہارے دست و بازو تو ہمارے دیکھے بھالے ہیں

اٹھا رکھے ہیں کس دن کیلئے ہم بھی سنیں دیکھیں — ستم وہ کون سے ہیں جو زمانے سے نرالے ہیں

رقیبوں نے وفائیں کونسی کی ہیں کہو اے ظالم — انہیں کی اب نظر میں ہیں انہیں کے اب حوالے ہیں

کسی کے نیک و بد سے کچھ غرض مطلب نہیں ان کو — قیامت میں الگ سب سے تمہارے مرنے والے ہیں

مرے بخت سیہ کا مجھ سے شکوہ سنکے ظالم نے — کہا کس ناز سے ہنسکر مرے گیسو جو کالے ہیں

ادھر دیکھو ادھر سوز محبت اسکو کہتے ہیں — زباں سوکھی ہوئی کانٹے گلے ہیں منھ میں چھالے ہیں

شکست عہد و پیماں میں مزا آتا ہی ساقی کو — بہت جام سفالیں کی طرح دل توڑ ڈالے ہیں

نہیں جاتی قفس میں آرزو اب بھی تو گلشن کی — پروں کے ساتھ بازو بھی تڑپ کر توڑ ڈالے ہیں

کہیں سے بھی نہیں اُترے کہیں سے بھی نہیں بگڑے
خدا نے دستِ قدرت سے یہ بُت سانچے میں ڈھالے ہیں

رفاقت دیکھ لی ہم نے محبت میں رقیبوں کی
بڑی ہے ان کو جینے کی مجھے مرنے کے لالے ہیں

مری فریاد سن کر حشر میں بولے تو یہ بولے
قیامت ہے غضب ہے قہر ہے آفت ہیں نالے ہیں

نرالی خواہشیں جی میں اُمنگیں کچھ ہیں دل میں
ترے معشوق ہیں ڈھنگ دنیا سے نرالے ہیں

دل و جان و دین و ایمان صبر و تاب و ہوش لیتا جا
بچھڑ جائیں نہ رستے میں یہ سب تیرے حوالے ہیں

نہ لینا نام دلی کا ہمارے سامنے **بیخود**
اسی اُجڑے ہوئے گلشن کے ہم بھی رہنے والے ہیں

کیا کہوں ذکر جو دشمن کے مزا دیتے ہیں
یہ تو تجھ کو بھی مرے دل سے بھلا دیتے ہیں

جان یوں عشق میں اربابِ وفا دیتے ہیں
یہ تماشا بھی تجھے آج دکھا دیتے ہیں

پوچھیے خارِ تمنا کی خلش کو دل سے
یہ وہ کانٹے ہیں کھٹکنے میں مزا دیتے ہیں

اے ستم کیش و جفا کار تری عمر دراز
مرنے والے تجھے جینے کی دعا دیتے ہیں

ایک بوسہ یہ تو سودا نہ بنے گا دل کا
سوچ کر دیجیے کچھ آپ یہ کیا دیتے ہیں

میری عادت سے ابھی آپ نہیں ہیں واقف
وعدے کے ساتھ مجھے یہ بھی سنا دیتے ہیں

دل کا سودا تو نگاہوں میں ہوا کرتا ہے
کس کو معلوم ہے کیا لیتے ہیں کیا دیتے ہیں

مانگ کر بوسہ رہا دل یہ نہ قابو اپنا
کس نے منہ پھیر کے چپکے سے کہا دیتے ہیں

میں نہ مانوں گا کہ وہ غیر کی سنتے ہوں گے
میرے کہنے کو تو باتوں میں اُڑا دیتے ہیں

دیکھے اُس وقت کوئی اُن کو مری آنکھوں سے
گالیاں غیر کو جب ہو کے خفا دیتے ہیں

کیا کیا کیا نہ کیا حشر نے برپا ہو کر
آج ہی کل میں تمہیں یہ بھی دکھا دیتے ہیں

دل کو مٹھی میں ستمگر نے دبا رکھا ہے
میں نے مانگا تو کہا ہنس کے بھلا دیتے ہیں

رات یہ اور بھی فرقت میں گذار د بیخود
صبح ہو جائے تو ہم اُن کو بلا دیتے ہیں

یہ اور وقتِ رخصت اندھیر کر گئے ہیں
وہ اپنے ساتھ لیکر میری نظر گئے ہیں

کہنا مرا نہ کیجے اپنی خبر تو لیجے
دامن مسک گیا ہے گیسو بکھر گئے ہیں

اقرارِ عشق و الفت ہے بوالہوس کا حصہ
پوچھا ہے جب کسی نے ہم تو مکر گئے ہیں

اچھا نہیں ہے اے دل یہ اضطراب تیرا
جلدی نہ کر گئے ہیں پیغامبر گئے ہیں

جاتے ہی اُن کے گویا کچھ بھی نہ تھا چمن میں
جوشِ بہارِ گل کو پامال کر گئے ہیں

جھوٹا ہی کیوں نہ کیجے وعدہ تو منہ سے کیجے
انکار سنتے سنتے برسوں گذر گئے ہیں

تڑپی ہے جب مہینوں کنجِ قفس میں بلبل
اُڑ کر چمن کی جانب دو چار پر گئے ہیں

بے خیر تو اسی میں لگ جائے دل ٹھکانے
ارمان اب بہت سے سینے میں بھر گئے ہیں

اِن بدگمانیوں پر ہے اُن کو بدگمانی
دشمن کے پیچھے پیچھے ہم اُن کے گھر گئے ہیں

لاکھوں میں دل ہمارا نکلے گا پاس اُن کے
تیور یہ کہہ رہے ہیں لیکر مکر گئے ہیں

بے عشق گر جئے بھی کس کام کا وہ جینا
ہے زندگی اُنہیں کی جو تجھ پہ مر گئے ہیں

دم بھر کو بھی جو بیخود اُن کی نظر پھری ہے
صدمے ہمارے دل پر کیا کیا گذر گئے ہیں

تلاشِ یار و عشقِ یاراں دونوں میں کامل ہوں
نظر کے واسطے پتلی تمنا کے لئے دل ہوں

سبہ کاروں میں شامل ہوں سیہ بختوں میں داخل ہوں
کسی بدمست کی نظریں کسی کی آنکھ کا تل ہوں

دکھاتا ہوں زمانے کی طرح نیرنگ عالم کو
کہیں شوخی کہیں تمکیں کہیں حسرت کہیں دل ہوں

مری نادانیاں بھی مصلحت آمیز ہوتی ہیں
اگر انصاف سے دیکھو تو اپنے فن میں کامل ہوں

گرہ بن کر مرے دل میں تمنا اُس کی کہتی ہے
مجھے حل کر نہیں سکتا ہے کوئی میں وہ مشکل ہوں

تمہاری زلفِ پُرخم سے یہ آتی ہے صدا مجھ کو
رہا کرتا تھا پہلو میں کبھی تیرے ہی دل ہوں

نہ اُٹھوایا خدا نے نازِ بیجا مجھ سے قاتل کا
کیا ہے خون اپنی حسرتوں کا میں وہ قاتل ہوں

تمہارا تو یہ شیوہ ہے جسے تاکا اُسے مارا
نگاہِ لطف کہتی ہے ستم میں میں بھی داخل ہوں

نہیں ممکن علاج اس بدگمانی کا تری ظالم
اگر دشمن سے بھی تقصیر ہو میں اُسمیں شامل ہوں

کوئی جائے وہاں میرا تصور ساتھ ہے سب کے
نہیں اُس بزم میں لیکن شریکِ اہلِ محفل ہوں

بُرا تو مجھ کو کہتے ہو مگر اک دن اسی مُنھ سے
یہ سُنوا دوں گا میں تم کو وفا کا تیری قائل ہوں

سرِ بازار بکتا ہوں خریدارو چلو دیکھو
زمانے سے انوکھا ہوں نرالا ہوں نیا دل ہوں

اسی آوارگی میں ہم سفر یہ عمر گذری ہے
ٹھہرنے کا پتہ کیا دوں کہ میں گُم کردہ منزل ہوں

مجھے دینا پڑیگا شرط یہ ہے میں جو مانگوں گا
کبھی جو بے لئے ٹلتا نہیں ہے میں وہ سائل ہوں

مجھے تم جانتے ہو کون ہوں کیا ہوں یہ پوچھا تھا
وہ کہتے ہیں ابھی تک میں تو اپنے سے بھی غافل ہوں

کہا تھا خواب میں جو رازِ دل مجھ سے وہ سُن لیجے
نہ میں اُس وقت غافل تھا نہ میں اسوقت غافل ہوں

جو تو ہے حُسن میں یکتا تو میں ہوں عشق میں کامل
تری صورت کا شیدائی ترا مدِ مقابل ہوں

کسی کی زلف کے سودے نے ایسے پاؤں پھیلائے
تقاضا ہے یہ وحشت کا کہ پابندِ سلاسل ہوں

نزاکت مانعِ تیغ آزمائی ہے نہ مانوں گا
نکل کر تیغ خود چلنے لگے کہدے جو قاتل ہوں

وہی بیخود ہوں میں سمجھے ہو بیخود جس کو تم اپنا
تمہاری یاد کیسی میں تو خود اپنے سے غافل ہوں

سراپا درد ہوں بیدرد پر جس دن سے مائل ہوں
مری فریاد سے ڈرنا کہ میں ٹوٹا ہوا دل ہوں

تڑپنے کیلئے پیدا ہوا ہوں میں وہ بسمل ہوں
کسی بیتاب کی حسرت کسی مہجور کا دل ہوں

مثالِ چشمِ حیراں تیغ کا ہر حلقۂ جوہر
مرا منہ تک رہا ہی ہیں وہ محوِ روئے قاتل ہوں

تصور اپنا ہوں دل سے نکلنے کیلئے تیرے
تیری محفل میں آ کر بیٹھ جانے کیلئے دل ہوں

مزے سے شرمِ عصیاں کے اگر آگاہ ہو جائے
تمنا ہو یہ زاہد گو گنہگاروں میں داخل ہوں

انہیں دیکھو کہ غفلت بھی ہے کس کس ہوشیاری سے
مجھے دیکھو کہ میں ان کے تغافل سے بھی غافل ہوں

خدا جانے جوانی کی طرح پھر میں کدھر جاؤں
تعاقب میں رواں عمرِ رواں کے چند منزل ہوں

خیالِ گیسوئے پر خم سے وحشت کام لیتی ہے
مری دیوانگی دیکھو کہ پابندِ سلاسل ہوں

عدو سے مشورہ کیوں ہے مرے پامال کرنے کا
مجھی سے پوچھ لیجے میں مٹا دینے کے قابل ہوں

سوالِ وصل پر اُن کی خموشی مجھ سے کہتی ہے
کبھی اقرارِ واثق ہوں کبھی میں عہدِ باطل ہوں

اُمیدیں ٹوٹ جائیں آرزوئیں خاک ہو جائیں
مگر میں وہ بلا ہوں تیرے ملنے سے بیدل ہوں

طلب کرتے ہیں کیونکر اہلِ دولت سے یہ پوچھوں گا
مجھے تو مانگنا تک بھی نہیں آتا وہ سائل ہوں

اُٹھایا غیر کے پہلو سے فتنے کی طرح تم کو
خدا رکھے انہیں ان شوخیوں کا میں تو قائل ہوں

بگڑنے ہی نہیں دیتی کسی سے بیکسی میری
مرا غمخوار بن جائے جو دشمن سے مقابل ہوں

مجھے مطلب کرے ناصح سے حجت اُس کو بکنے دو
کوئی دیوانہ ہوں نادان ہوں یا میں بھی جاہل ہوں

سما کر آنکھ کے پردے میں وہ پردہ نشیں بولا
مجھے دل میں جگہ دیجے کہ میں لیلائے محمل ہوں

خدا چاہے تو اب ہوگی ہماری آرزو پوری
زباں سے آج نکلی ہے کسی بت کے مشکل ہوں

بقولِ حضرتِ اُستاد کس گنتی میں ہوں بیخود
کسی فن میں نہ لائق ہوں نہ فائق ہوں نہ کامل ہوں

سب کی طرف ہے اور کسی پر نظر نہیں
ہر شخص جانتا ہے اِدھر ہے مگر نہیں

تجھ سے تو کچھ گِلا مجھے بیداد گر نہیں
اِک بات کا خیال ہے دل میں مگر نہیں

ثابت نہیں کسی پہ کدھر ہے کدھر نہیں — بجلی ہے ساعقہ ہے کسی کی نظر نہیں

سچ ہم فدا ہیں غیر پہ مجھ سے سوال ہے — اللہ رے بے خبر تجھے اپنی خبر نہیں

اُن سے فقط نگاہ کے ملنے کی دیر ہے — میرا ملال وہ بھی کسی بات پر نہیں

اُڑنا قفس کو لیکے بھی دشوار کچھ نہ تھا — مشکل یہ آ پڑی ہو کہ بازو میں پر نہیں

آپ اپنی عرضِ وصل میں یہ نخوت تو دیکھیے — انکار اور وہ بھی ادھر دیکھ کر نہیں

اس سے غرض ہی کیا تھی انہیں کوئی کچھ کہے — اُن کی زبان پر تو رہی رات بھر نہیں

افشائے رازِ وصل کہاں اور میں کہاں — اپنی نظر پر آپ کو شاید نظر نہیں

اُلفت کا اپنی آج بھرم ہم پہ کھل گیا — نالے میں بھی دعا کی طرح سے اثر نہیں

سب کے دلوں کو ہے تری چیٹک لگی ہوئی — عاشق ترا نہ ہو کوئی ایسا بشر نہیں

مانا یہ میں نے آپ کی طینت ہے پاک صاف — کہدیجئے رقیب کے دل میں بھی شر نہیں

پچھلے پہر سے کیوں نہ نکل آئے آفتاب — یہ صبح عیش ہے شبِ غم کی سحر نہیں

اُن کی طرف سے کہتا ہے کیا کیا جلی کٹی — میرے لئے رقیب سے کم نامہ بر نہیں

دامن سے اپنے اس کو بجھا کر سدھاریئے — جلنے کو میں ہوں ہجر میں شمع سحر نہیں

بیخود شراب چھوڑ چکے ان سے چھٹ چکی
توبہ کے بعد پی گئے کتنی خبر نہیں

کیوں کھلکے دل کا حال اُسے بدگماں کروں — یہ راز وہ نہیں ہے جسے میں بیاں کروں

کعبے میں جا کے شکوہ بجورِ بتاں کروں — پتھر بھی موم ہو وہ ستم کا بیاں کروں

اپنی تو آپ مجھکو کہانی سُنا چکے — سنئے تو حال میں بھی کچھ اپنا بیاں کروں

مجھکو یہ ضد کہ وصل کا اقرار تم سے لوں — تم کو یہ ہٹ کہ میں نہ کبھی تجھ سے ہاں کروں

یہ کہہ رہی ہے مجھ سے کسی کی نگاہِ شرم
فرصت اگر حیا سے ملے شوخیاں کروں

وہ بیخودی کی بات تھی اتنے خفا نہ ہو
میری مجال کیا ہے جو تم سے زباں کروں

ڈرتا ہوں پھوٹ جائیں نہ چھالے زبان کے
کیوں کر بیان لذتِ سوزِ نہاں کروں

تو مجھ کو آزما کے وفاداریوں میں دیکھ
میں بیوفائیوں میں ترا امتحاں کروں

شاید مرا پیام یہ پورا نہ کہہ سکے
قاصد کے ساتھ کاٹ کر اپنی زباں کروں

ہیں لاکھ غم ہزار گلے سو شکایتیں
گر ایک بات ہو تو کچھ اُس کا بیاں کروں

میں کیا ستم شعار تجھے جانتا نہیں
کس منہ سے شکوۂ ستمِ پاسباں کروں

آ جائیں تیری ضد پہ اگر وہ تو لطف ہے
لوٹوں مزے خبر بھی نہ اے آسماں کروں

اکتا گیا ہے شرع کی پابندیوں سے جی
دل چاہتا ہے بیعتِ پیرِ مغاں کروں

بیخود رفیق ہے نہ کوئی ہم طریق ہے
دل پر جو کچھ گذرتی ہے کس سے بیاں کروں

نقشِ قدم نہیں ہوں نہ رنگِ حنا ہوں میں
کچھ سوچ کر سمجھ ہی کے تجھ پر مٹا ہوں میں

ایسا ہجومِ شوق میں ضبط آشنا ہوں میں
اُن کی نگاہ میں دلِ بے مدعا ہوں میں

مرنے کی اپنے آپ دعا مانگتا ہوں میں
اُس بیوفا سے مل کے بہت خوش ہوا ہوں میں

آئینہ بن کے چشمِ تمنا بنا ہوں میں
جو مجھ کو دیکھتا ہے اُسے دیکھتا ہوں میں

بیخود ہوں تیرے نام کا تجھ پر فدا ہوں میں
اس سے غرض نہ رکھ کہ برا یا بھلا ہوں میں

دل لے کے میری جان مکرتا ہے تو عبث
انداز کہہ رہا ہے ترا دل ربا ہوں میں

ڈرتے ہیں میرے نام سے جتنے ہیں بوالہوس
مٹ مٹ کے تجھ پہ فتنۂ محشر بنا ہوں میں

ہے ختم امتحانِ وفا میری ذات پر
برسوں تری نگاہ میں ظالم رہا ہوں میں

اِس شوقِ نامرادی نے رکھا ہے نامراد
گستاخ ہو کے دستِ زلیخا بنا ہوں میں

نالہ یہ کہہ رہا ہو مرا اُن کے کان میں
ان نارسائیوں پہ بھی کتنا رسا ہوں میں

پہنچا نہ رازِ نغمۂ منصور تک کوئی
بندہ کی تھی مجال جو کہتا خدا ہوں میں

بولے سوالِ وصل پہ مجھ سے بگڑ کے وہ
جانا نہیں مجھے ابھی تو نے کہ کیا ہوں میں

میری ہی یہ نمود ہے تیرا ہی یہ ظہور
مجھ سے جدا ہے غیر نہ تجھ سے جدا ہوں میں

تم دل ملا کے ہم سے ملو گے غلط ہی یہ
کہتی ہی ہر نگاہ کہ ناآشنا ہوں میں

تیرے خرام پر ہو قیامت مٹی ہوئی
ہر فتنہ کہہ رہا ہے ترا نقشِ پا ہوں میں

دل کا پتہ نگاہ کو اُس کی بتا دیا
اس اپنے چور کے لئے خود رہنما ہوں میں

پیدا دلوں میں ہو گئے اُلفت کے ولولے
ہر شخص چاہتا ہے کہ تجھ پر فدا ہوں میں

تعذیر دے کے اُس نے یہ ثابت کیا قصور
پہلے سے تو نے کیوں نہ کہا بخطا ہوں میں

میں اُن سے چاہتا ہوں صفائی جو وصل میں
منہ پھیر کر وہ کہتے ہیں بس بس خفا ہوں میں

یہ کہہ کے دل بھی تیر کے ہمراہ ہو لیا
مجھ کو بھی ساتھ رکھ کہ نشانہ ترا ہوں میں

بیخود کا شب کو ذکر جو کچھ اُن سے آ گیا
شرما کے وہ یہ بولے کہ ہاں جانتا ہوں میں

شوق اپنا آپ میں اپنی زباں سے کیوں کہوں
دل جو کچھ کہتا ہے وہ اُس بدگماں سے کیوں کہوں

بوالہوس دشمن کو پہلے امتحاں سے کیوں کہوں
آپ تم کہہ دو گے میں اپنی زباں سے کیوں کہوں

تم سمجھ لو سوچ لو تم تاڑ لو پہچان لو
بات اپنے دل کی میں اپنی زباں سے کیوں کہوں

حشر کے دن داورِ محشر سے ہونگی دو بدو
مجھ کو جو کہنا ہے وہ اُس بدگماں سے کیوں کہوں

نالہ آ پہنچا ہے لب تک اب چلا یہ چرخِ پیر
تجھ سے کہتا ہوں ستمگر آسماں سے کیوں کہوں

خواب میں لوٹی ہے میں نے اُن کے جوبن کی بہار
اپنی چوری کی حقیقت پاسباں سے کیوں کہوں

کان میں سُن لو ادھر آ کر مری اک بات تم
تم سے کچھ کہتا ہوں میں سارے جہاں سے کیوں کہوں

دل سے میں اُن کے تصور کی شکایت کیا کروں
جو حقیقت ہے مکیں کی وہ مکاں سے کیوں کہوں

داستانِ دل سے سُنئے میری سُننی ہو اگر
آپ کہتے ہیں جہاں سے میں وہاں سے کیوں کہوں

جی میں لیلےٰ کے یہ آتا ہے کہوں کچھ حالِ قیس
پھر یہ کہتی ہے کہ اس کو سارباں سے کیوں کہوں

نیکیاں جو کچھ یہاں کی ہیں وہاں دینگی بہار
باغِ جنت کو جدا اس خاکداں سے کیوں کہوں

میں جہاں جی چاہیگا جاؤں گا کچھ مطلب تمہیں
پوچھتے کیوں ہو کہ آتے ہو کہاں سے کیوں کہوں

آپ کی جانے بلا ناصح محبت کا مزا
کیا لیا مل کر کسی آرامِ جاں سے کیوں کہوں

کان میں چپکے سے بیخود جو کہا ہے یار نے
رشک آتا ہے مجھے وہ رازداں سے کیوں کہوں

بڑی گرمی ہے بلبل کی فغاں میں
چمک جاتی ہے بجلی آشیاں میں

غضب ہے کاٹ دشمن کے بیاں میں
لگا رکھی ہے کیا چھری زباں میں

نزاکت پہلے اپنی آزما لو
بہت نکلیں گے رخنے امتحاں میں

سُنے گا کوئی میرا حال شاید
اثر پاتا ہوں کچھ اپنی زباں میں

بڑی مشّاطہ ہے اُس کی نظر بھی
لگائی ہے یہ تھگلی آسماں میں

پتہ اُن کا یہ سُن لے مجھ سے قاصد
وہ رہتے ہیں نگاہِ پاسباں میں

کیا اک بات میں ثابت دہن کو
یہ جادو ہے تمہاری ہی زباں میں

فقیری اہلِ دولت کی نہ پوچھو
چھپی رہتی ہے کملی پرنیاں میں

قفس سے کم نہیں خوفِ اسیری
رہوں گا قید کب تک آشیاں میں

مقدر آج جاگے گا کسی کا
بھری ہے نیند چشمِ پاسباں میں

خطر گلچیں کا ہے صیاد کا ڈر
بچھائے میں نے کانٹے آشیاں میں

خدا کی شان ہے یہ حسنِ زیبا
کہاں پیدا ہیں تجھ سے اس جہاں میں

بیاں ہوتے نہیں مجھ سے رازِ دشمن
وہ کیا سمجھے مجھے اپنے گماں میں

کہاں ہوتے ہیں بیخود داغ جیسے
غنیمت ہے یہ دم ہندوستاں میں

نہ سہی آپ ہمارے جو مقدر میں نہیں
اب وہ پہلی سی تڑپ بھی دلِ مضطر میں نہیں

آج کیوں درد ہمارے دلِ مضطر میں نہیں
کوئی مہمان تو ٹھہرا ہوا اس گھر میں نہیں

موت بچکر شبِ غم مجھ سے کہاں جائیگی
یہ بھی کیا وصل ہے نیرا کہ مقدر میں نہیں

آپ کی بات کی وقعت نہیں اصلا دل میں
آپ دم بھر میں تو ہاں کہتے ہیں دم بھر میں نہیں

ساتھ دے کیوں نہ جفا میں یہ ستمگر اُن کا
چرخ گردش میں ہے آیا ابھی چکر میں نہیں

خار بستر کے لئے خاک اُڑانے کے لئے
مجھ کو جنگل میں وہ آرام ہے جو گھر میں نہیں

دوسرا کوئی نہ ہو میری مصیبت میں شریک
مجھ کو دل کی بھی ضرورت غمِ دلبر میں نہیں

جس سے زخمی ہوں ہزاروں وہ ادا ہی کچھ اور
جس پہ ہم مرتے ہیں وہ بات تو خنجر میں نہیں

اپنی بانی سے نہ باز آئے نہ باز آئیں گے
جو کہتے وہ نظر آتے مجھے محشر میں نہیں

مجھ کو باور تو جب آئے کہ کچھ امید بھی ہو
لکھ دیا خط میں وہ اس نے جو مقدر میں نہیں

عمرِ جاوید شہیدوں کو ملا کرتی ہے
آبِ حیواں کا اثر کیا ترے خنجر میں نہیں

میں نے پوچھا تھا کہو اور ستاؤ گے مجھے
منھ سے نکلی ہے ستمگر کے گھڑی بھر میں نہیں

یہ بھی کہتے ہو کہ پتھر ہے ترا دل کیا ہے
یہ بھی کہتے ہو کہ یہ آگ تو پتھر میں نہیں

آپ کیوں ذکر سے **بیخود** کے خجل ہوتے ہیں
یہ تو وہ نام ہے جو آپ کے دفتر میں نہیں

نہ ارماں بن کے آتے ہیں نہ حسرت بن کے آتے ہیں
شبِ وعدہ وہ دل میں دردِ فرقت بن کے آتے ہیں

پریشاں زلف منہ اُترا ہوا محجوب سی آنکھیں
وہ بزمِ غیر سے عاشق کی صورت بن کے آتے ہیں

تمنا اُن سے بر آئے دلِ مضطر کی کیا ممکن
وہ جب آتے ہیں ناکاموں کی قسمت بن کے آتے ہیں

لرزتی ہے زمیں آسودگانِ خاک ہیں بیکل
مرے مرقد پہ وہ شاید قیامت بن کے آتے ہیں

شہیدانِ وفا کا مرتبہ بھی کچھ نرالا ہے
فرشتے قبر میں حوروں کی صورت بن کے آتے ہیں

نہ بہلائے سے بہلیں گے نہ سمجھائے سے سمجھیں گے
تری محفل میں ہم اپنی طبیعت بن کے آتے ہیں

کبھی حسرت زباں پر حرفِ مطلب بن کے رہتی ہے
کبھی ارمان دل میں خارِ حسرت بن کے آتے ہیں

وہ اپنے عاشقوں کو اپنا آئینہ بنائیں گے
کہ جس کے سامنے آتے ہیں حیرت بن کے آتے ہیں

بنے ہیں شیخ صاحب نقلِ مجلس بزمِ رنداں میں
جہاں تشریف لیجاتے ہیں حضرت بن کے آتے ہیں

بدل دی عشق کی حالت ترے دشمن سے ملنے نے
خیالاتِ محبت دل میں وحشت بن کے آتے ہیں

نہ رکھنا ہم سے کچھ مطلب یہ پہلی شرط ہے اُنکی
وہ جس کے پاس آتے ہیں امانت بن کے آتے ہیں

ستم کی خواہشیں **بیخود** غضب کی آرزوئیں ہیں
جوانی کے یہ دن شاید مصیبت بن کے آتے ہیں

غمِ اُلفت سے دل لاکھوں پریشاں ہوتے جاتے ہیں
یہ گھر آباد ہو جانے سے ویراں ہوتے جاتے ہیں

یہ میری بیکسی کے مجھ پر احساں ہوتے جاتے ہیں
کہ وہ کچھ خود بخود دل میں پشیماں ہوتے جاتے ہیں

وہی پھر عاشقِ زلفِ پریشاں ہوتے جاتے ہیں
وہی دل کی پریشانی کے ساماں ہوتے جاتے ہیں

ملا کر خاک میں مجھ کو بنے ہیں قدرداں میرے
بیاں کن حسرتوں سے میرے ارماں ہوتے جاتے ہیں

بجائے ناخنِ وحشت مجھے درکار ہیں نشتر
کہ اب تارِ گریباں بھی رگِ جاں ہوتے جاتے ہیں

جوانی ہیں سمجھ آتی ہے ہم قائل نہیں اس کے
کہ جتنی عمر بڑھتی ہے وہ ناداں ہوتے جاتے ہیں

خموشی سی تو ہمدم اور بڑھتی ہے کھٹک دل کی
کریں کیا ضبطِ غم نالے بھی ہیکاں ہوتے جاتے ہیں

نگاہِ لطف بھی تلوار کے ہمراہ پڑتی ہے
غضب یہ ہے ستم کے تھے شا احساں ہوتے جاتے ہیں

وہ دل ہی جب نہیں پہلو میں پھر اپنی وفا کیسا
ہمارے عقدۂ دشوار آساں ہوتے جاتے ہیں

کریگا عشق پنہاں اب مجھے رسوا زمانے میں
مرے چاکِ جگر چاکِ گریباں ہوتے جاتے ہیں

نگاہیں جب لڑیں آپس میں تم بھی دیکھتے جاؤ
عیاں کس کی نظر سے رازِ پنہاں ہوتے جاتے ہیں

وہی ہم ہیں وہی دل ہے وہی اُن کی تمنا ہے
نئے سر سے انہیں باتوں کے ارماں ہوتے جاتے ہیں

نہ دیکھے ہونگے رند لاابالی تم نے بیخود سے
کہ ایسے لوگ اب آنکھوں سے پنہاں ہوتے جاتے ہیں

عدو کو دیکھ کے جب وہ ادھر کو دیکھتے ہیں
نظر چرا کے ہم اُن کی نظر کو دیکھتے ہیں

وہ جس نگاہ سے ہر اک بشر کو دیکھتے ہیں
اُسی نظر سے ہم اپنے جگر کو دیکھتے ہیں

نظر ہی کچھ نہیں آتا ترے سوا ہم کو
تجھی کو دیکھتے ہیں ہم جدھر کو دیکھتے ہیں

عدو کے آتے ہی کچھ اور ہوگئیں نظریں
کسی کی نرگسِ جادو اثر کو دیکھتے ہیں

وہ رکھ کے ہاتھ سے آئینہ تن کے بیٹھ گئے
دہن کو دیکھ چکے اب کمر کو دیکھتے ہیں

کسی کے حُسن سے یہ ہم کو بدگمانی ہے
کہ پہلے نامہ سے ہم نامہ بر کو دیکھتے ہیں

وہ آئے گھر میں ہمارے اُنہیں بھی دیکھیں گے
ابھی تو اپنی دُعا کے اثر کو دیکھتے ہیں

یہ امتحان کششِ حُسن و عشق کا ہے نیا
نہ ہم اُدھر کو نہ اب وہ ادھر کو دیکھتے ہیں

مجھے یہ رشک ہے دیکھیں نہ خاک پروانہ
کہ بار بار وہ شمعِ سحر کو دیکھتے ہیں

نہ بیٹھوں بزم میں دشمن کے سامنے کیونکر
یہ دیکھنا ہے وہ پہلے کدھر کو دیکھتے ہیں

مٹی نہیں ہے ابھی تک بھی حسرت پرواز
قفس کو دیکھ کے ہم بال و پر کو دیکھتے ہیں

رقیب بن گئے محفل میں دوست بھی اپنے
تجھی کو دیکھتا ہے جس بشر کو دیکھتے ہیں

نگاہ لطف میں ہے میل بدگمانی کا
دبا دبا کے وہ زخم جگر کو دیکھتے ہیں

نمود صبح سے پہلے بدل گئے تیور
کسی کی آنکھ کسی کی نظر کو دیکھتے ہیں

کبھی وہ آئینے میں دیکھتے ہیں اپنی شکل
کبھی وہ بیخود آشفتہ سر کو دیکھتے ہیں

ماننے کو تو مری مان لیا کرتے ہیں
چٹکیاں دل میں وہ ہر آن لیا کرتے ہیں

کبھی دیکھا بھی ہے کعبے میں خدا کو زاہد
دون کی آپ جو ہر آن لیا کرتے ہیں

وصل میں یہ تو ہمیشہ سے ہے اُن کا دستور
لاکھ میں ایک مری مان لیا کرتے ہیں

جان لی غیر کی دل مانگ لیا دشمن سے
آپ بھی مفت کے احسان لیا کرتے ہیں

توڑ کر دل مجھے دیتے ہو تسلّی ناحق
اور ہوتے ہیں جو تاوان لیا کرتے ہیں

مانتے ہی نہیں سنتے ہی نہیں پھر میری
دل میں مطلب کی جو وہ ٹھان لیا کرتے ہیں

وصل کی شب جو کسی بات کا آتا ہے خیال
تاڑ جاتے ہیں وہ پہچان لیا کرتے ہیں

سچ تو یہ ہے کہ فرشتوں کو بھی حاصل نہ ہوا
جو مزا عشق میں انسان لیا کرتے ہیں

دیکے اک بوسۂ لب جان طلب کرتے ہو
دینے والے بھی مری جان لیا کرتے ہیں

سنگ اسود سے بھی کیا سنگ در یار ہے کم
اُس کے بوسے جو مسلمان لیا کرتے ہیں

ضد ہر اک بات پہ اچھی نہیں ہوتی بیخود
دیکھ کہنا بھی کبھی مان لیا کرتے ہیں

بھولے بھٹکے جو کبھی وہ ادھر آجاتے ہیں ۔ دل میں اک آگ نئے سر سے لگا جاتے ہیں

دیکھنے والے کو جب وہ نظر آجاتے ہیں ۔ دیکھتے دیکھتے ہی دل میں سما جاتے ہیں

مسکراتے ہوئے وہ خواب میں آجاتے ہیں ۔ کیا قیامت ہے کہ سوتوں کو جگا جاتے ہیں

جب کبھی مجھ سے وہ کچھ ہو کے خفا جاتے ہیں ۔ خاک میں سب مرے ارمان ملا جاتے ہیں

تم نے دیکھے ہی نہیں اہلِ وفا کے نقشے ۔ یہ جو مٹتے بھی ہیں تو نقش بٹھا جاتے ہیں

جلوۂ عشق کی اُن کو بھی نہیں طاقتِ دید ۔ اپنے مشتاق سے وہ آنکھ چرا جاتے ہیں

وہ کہانی مری سن لیں تو قیامت آجائے ۔ بے سنے تو مجھے دو چار سنا جاتے ہیں

نقشِ پا سے بھی مرے اُن کو عداوت ٹھہری ۔ چلتے پھرتے ہوئے وہ اس کو مٹا جاتے ہیں

کعبہ و دیر سے کیا کام ہے آباد رہیں ۔ اُٹھ کے اس در سے کہیں اہلِ وفا جاتے ہیں

اُن کو مطلب جو سنیں وہ مرے مطلب کی کبھی ۔ کاٹ دیتے ہیں مری بات اُڑا جاتے ہیں

کوئی اندھا ہی جو بن جائے تو کیا اس کا علاج ۔ اپنا ہر رنگ میں جلوہ وہ دکھا جاتے ہیں

بزمِ دشمن میں خوشی سے بھی کوئی جاتا ہے ۔ ہم کو کھینچے لئے جاتی ہے قضا، جاتے ہیں

یار و غمخوار ہیں دنیا میں بنی کے ساتھی ۔ جب بگڑتی ہے تو سب آنکھ چرا جاتے ہیں

کاش لایا نہ کریں حضرتِ ناصح تشریف ۔ اور دکھے ہوئے دل کو وہ دکھا جاتے ہیں

نہیں اُٹھتا نگہِ شوق کا بھی بار اُن سے ۔ کیا نزاکت ہے پسینے میں نہا جاتے ہیں

دیکھتا مجھ کو جو ہوتا دمِ رخصت کوئی اور ۔ اُس نے منہ پھیر کے جس وقت کہا جاتے ہیں

ہم نے دیکھے ہی نہیں تاڑنے والے ایسے ۔ دل کے بھیدوں کو نگاہوں میں وہ پا جاتے ہیں

جان دیں ہجر میں یوں آپ کے دشمن بیخود ۔ آپ گھبرائیں نہیں وہ ابھی آجاتے ہیں

دل میں پھر وصل کے ارمان چلے آتے ہیں / میرے روٹھے ہوئے مہمان چلے آتے ہیں

کون ہمراہِ جنازہ ہے کہ احباب مرے / اُس پہ ہوتے ہوئے قربان چلے آتے ہیں

اُن کے آتے ہی ہوا حسرت و ارماں کا ہجوم / آج مہمان پہ مہمان چلے آتے ہیں

عشق آسان ہی مشکل ہی رسائی اُس تک / سینکڑوں ہو کے پریشان چلے آتے ہیں

چھیڑنا راہ میں اُن کا نہیں دشوار مگر / آگے پیچھے تو نگہبان چلے آتے ہیں

آپ ہوں ہم ہوں مے ناب ہو تنہائی ہو / دل میں رہ رہ کے یہ ارمان چلے آتے ہیں

اُس نے یہ کہہ کے مجھے دور ہی سے روک دیا / آپ سے جان نہ پہچان چلے آتے ہیں

تو ہی جانیگا اگر اب اُنہیں چھیڑا ہمدم / وہ بہت دل میں پشیمان چلے آتے ہیں

پاس اُن کے دمِ رخصت نہیں ٹھہرا جاتا / کہہ کے اللہ نگہبان چلے آتے ہیں

روٹھ بیٹھے ہیں مگر چھیڑ چلی جاتی ہے / کبھی پیغام کبھی پان چلے آتے ہیں

جمگھٹا رندوں کا اُس پر یہ غضب میخانہ / شیخ صاحب بھی ہیں نادان چلے آتے ہیں

آپ کے سر کی قسم تازہ کوئی بات نہیں / دل میں پہلے ہی کچھ ارمان چلے آتے ہیں

یہ رہا حضرتِ بیخود کا مکاں آؤ چلیں / ابھی دم بھر میں مری جان چلے آتے ہیں

اُس کی آنکھوں کے یہ اشارے ہیں / ہم نے لاکھوں جوان مارے ہیں

صلح ہو جائے پھر دکھا دیں گے / تم ہمارے ہو ہم تمہارے ہیں

کوئی تو بات ہے ترے لب میں / کہ نزاکت نے قول ہارے ہیں

سادگی کہتی ہے دمِ رنجش / یہ کسی اور کے اشارے ہیں

روزِ محشر سے کیا ڈریں واعظ / ہم نے فرقت کے دن گزارے ہیں

کب گئے وہ یہاں سے خالی ہاتھ
جان لیکر مری سدھارے ہیں

ہاتھ شانے سے وہ جدا ہو جائے
جس نے گیسو ترے سنوارے ہیں

ہیں بلانوش حضرت بیخود
ان سے جب بد کے پی ہی ہارے ہیں

آیا ہے ذکر میرا بھولے سے جب وطن میں
کیا کھلبلی پڑی ہے دشمن کی انجمن میں

آکر یہ گل کھلایا تم نے نیا چمن میں
چنگاریاں لگی ہیں بلبل کے تن بدن میں

بیخود نے نام پایا اس عاشقی کے فن میں
جادو بھرا ہوا ہے اس کے سخن سخن میں

جو ہوشیار آیا بدمست ہو کے نکلا
کیا جانے کیا بلا ہے ساقی کی انجمن میں

جادو بھی ہم نے دیکھے تسخیر کے عمل بھی
کچھ بات ہی نئی ہے اُس چشم سحر فن میں

خنجر نے دم چرایا پیکاں نے منھ بنایا
لیکن نہ فرق آیا قاتل کے بانکپن میں

فقرے ہزار جھوٹے جوڑوں گا حشر کے دن
تیری زبان ہوگی گویا مرے دہن میں

اُس کا پتہ نہ پایا ہر چند جستجو کی
میں سونگھتا پھرا ہوں ہر پھول کو چمن میں

اب چھیڑ چھاڑ اُن کی باتوں میں کوئی دیکھے
اب شوخیٔ زباں نے گھر کر لیا دہن میں

تصویر کی تھی حالت جو تھا وہ محو حیرت
خلوت کا لطف پایا ہم نے اُس انجمن میں

کچھ شوق کچھ محبت کچھ رشک کی بھی کثرت
تیرے سوا کسی کو دیکھا نہ انجمن میں

عادت جو تھی سفر کی کی ہم نے کوچہ گردی
آرام سے نہ بیٹھے ہم چار دن وطن میں

داغ دل زلیخا کچھ بھی نہ رنگ لایا
دھبہ لگا نہ ہرگز یوسف کے پیرہن میں

آنکھوں نے کچھ اُڑائے نظروں نے کچھ چرائے
نکلا نہ ایک دل بھی اُس زلف پر شکن میں

یکتا ہیں سینکڑوں میں لاکھوں میں بے بدل ہیں
ہم دوستی کے فن میں وہ دشمنی کے فن میں

قاصد کی دیکھنی ہے مجھ کو نگاہ بازی
دبتا ہے خط یہ کس کو جا کر اُس انجمن میں

اعجاز سے تو کافر بولے ہیں سنگ ریزے
باتوں کا ذکر کیا ہے ہے گفتگو دہن میں

یہ تو مجھے بتاؤ آئے ہو کس طرف سے
بیتاب سانس بھی ہے رعشہ بھی ہے بدن میں

پیری میں جامِ اُلفت بیخود سمجھ کے پینا
کچھ زہر بھی ہے شامل اس بادۂ کہن میں

کلیجہ توڑ لیں گی میری آہیں
سمجھ کر وہ ذرا دشمن کو چاہیں

مری خواہش کہ وہ مجھ سے نباہیں
زمانہ ہم کو چاہے وہ یہ چاہیں

قیامت ہے تری اُٹھتی جوانی
غضب ڈھانے لگیں نیچی نگاہیں

وفا کے عہد باہم ہو گئے ہیں
مگر وہ دیکھئے کب تک نباہیں

پلٹنا اُن کا وعدے سے غضب ہے
زباں کے ساتھ پھرتی ہیں نگاہیں

شکایت سن کے بے مہری کی بولے
غرض یہ ہو کسی کو ہم [illegible] چاہیں

زمانہ ہم نے ظالم چھان مارا
نہیں ملتیں ترے ملنے کی راہیں

مجھے اُمید یہ غیروں سے کب ہے
کہ وہ میری طرح تم سے نباہیں

زمانے کے چلن سیکھے ہیں تم نے
پلٹ جاتی ہیں دم بھر میں نگاہیں

دمِ آخر وہ آ کر کہہ گئے یہ
کہاں تک بیوفاؤں سے نباہیں

عدو سے چھپ کے آ جاتے ہیں دل میں
نکالی ہیں نئی ملنے کی راہیں

ابھی توبہ بہت پچھتائے بیخود
قیامت تک نہ تم جیسے کو چاہیں

نگاہِ شوخ کہاں شرمسار آنکھوں میں
کھٹک رہا ہے کوئی بیقرار آنکھوں میں

نگاہِ شوق رہی بیقرار آنکھوں میں
گذر گئی ہے شب انتظار آنکھوں میں

نگاہ ملتے ہی ملتے سما گئے دل میں
لیا نہ آپ نے دم بھر قرار آنکھوں میں

اُدھر ہے شوخ نگاہی ادھر نگاہِ شوق
ہوئے ہیں وصل کے قول و قرار آنکھوں میں

یہ سحر نظر میں دکھائیگی شوخیاں اپنی
نگاہِ شوخ کو رکھو ہزار آنکھوں میں

تری طرف تو ہیں آنکھیں لگی ہوئی سب کی
یہ شکل وہ ہے رہیگی ہزار آنکھوں میں

کھلی رہیں گی پسِ مرگ بھی مری آنکھیں
بنے گا حسرتِ دل کا مزار آنکھوں میں

کہاں گئے تھے کہاں تھے کہاں ہو شب کو
شکن جبیں پہ نمایاں خمار آنکھوں میں

نگاہِ لطف ابھی غیر تک نہیں پہنچی
اُسے تو رکھتے ہیں اُمیدوار آنکھوں میں

کسے دماغ کہ دیکھے بہار گلشن کی
بسی ہوئی ہے یہاں بزمِ یار آنکھوں میں

بنی ہوئی ہیں جو حیرت سے پتلیاں تصویر
کسی کے آنے کا ہے انتظار آنکھوں میں

وہ بے پئے بھی تو مستی میں چور رہتے ہیں
کہ سرخ ڈوروں کی ہے کیا بہار آنکھوں میں

یہی کفیل ہے تیرے گناہگاروں کی
الٰہی شرم رہے برقرار آنکھوں میں

ابھی مژہ کی نہ آنکھوں سے چلمنیں اُٹھیں
چھپا ہوا ہے کوئی پردہ دار آنکھوں میں

عیاں ہوا ہے یہ سایہ سیاہ بختی کا
کہاں ہے سرمہ مری سوگوار آنکھوں میں

ادا کا نام نہیں ہے حیا کا کام نہیں
کچھ اور ہے تری غفلت شعار آنکھوں میں

چمن ہو بادہ ہو ساقی ہو یار ہو بیخود
بغیر اس کے جوانی ہے خوار آنکھوں میں

ہے وفا شرط مرے دل کے خریداروں میں
یوں تو ہے ایک جہاں اس کے طلبگاروں میں

نہ وہ پھولوں میں ہے شامل نہ عزاداروں میں
جان دیکر بھی رہے ہم تو گنہگاروں میں

تھی کسر حضرتِ زاہد ہی کی میخواروں میں
لو خبر بادہ کشو آج بھلے یاروں میں

بجلیاں کوندرہی ہیں پسِ چلمن گویا
اُکس قیامت کی چمک ہے ترے رخساروں میں

جھک گئیں اور بھی عشوہ یہ تمہاری آنکھیں
چارہ سازوں میں لکھوں یا انہیں بیماروں میں

جان و ایماں جگر و دل یہ سبھی حاضر ہیں
کونسی شے تمہیں درکار ہے ان چاروں میں

کر دیا خاک مجھے تو نے جلا کر اے دل
جھونک دوں تجھکو دہکتے ہوئے انگاروں میں

اپنے جلوے کا وہ خود آپ تماشائی ہے
آئینے حسن نے لگا رکھے ہیں دیواروں میں

جذبِ دل سے مرے قاتل کو بھی حیرانی ہے
تیر زخموں میں ہیں یا زخم ہیں سوفاروں میں

سرِ قلم ناخنِ وحشت کا ہو گر حد سے بڑھے
جرم ہے سینہ فگاری جگر افگاروں میں

چشمِ بد دور یہ آنکھیں یہ جوانی یہ جمال
آپ بھی ہیں کہ نہیں اپنے خریداروں میں

اس جبینِ عرق افشاں پہ نہ چھینٹے افشاں
یہ ستارے کہیں مل جائیں نہ سیاروں میں

خیر ہے غیر کہاں اور کہاں پاسِ وفا
عیب بے بہرہ یہ تو ہیں جیسے گنہگاروں میں

دل کو زخمی کئے دیتی ہے بھوؤں کی جنبش
یہ وہ جوہر ہیں کہ دیکھے نہیں تلواروں میں

ڈگمگاتے ہیں قدم تا بہ فلک آہوں کے
ابھی طاقت نہیں آئی ترے بیماروں میں

رنج و غم درد و الم سب تو گئے جان کے ساتھ
ایک حسرت تری باقی رہی غمخواروں میں

دل کو سودا کبھی رخ کا ہے کبھی مژگاں کا
کبھی پھولوں میں یہ تلتا ہے کبھی خاروں میں

تو وہ محبوب کہ تجھ پر ہیں فرشتے مفتوں
تو وہ یوسف کہ خدا تیرے خریداروں میں

جو کہی اپنے ہی مطلب کی کہی بیخود نے
لکھ لیا آج سے ہم نے اسے ہشیاروں میں

قیامت کا پتہ ملتا نہیں دشمن کی محفل میں
یہ چھپکر جا نہ بیٹھی ہو کسی کے گوشۂ دل میں

نزاکت ہاتھ میں خامی ارادے میں جھجک دل میں
پھر اس پر بھی ذرا سا حوصلہ ہے میرے قاتل میں

تری وعدہ خلافی کی جلن احباب کے طعنے
جلا ہوں شب کو شمع گور بن کر اپنی محفل میں

ملاؤں دل سے دل کیونکر یہ آئینہ ہے وہ پتھر
نزاکت ہے ادھر دل میں تو سختی ہے ادھر دل میں

مصیبت اور اس پر بیکسی پھر اس قدر اتنی
ترا غم بھی ہمارا ساتھ دے مشکل ہی مشکل میں

کشش مجنوں کی ناقہ کی شرارت پاس پردے کا
بہت سی مشکلیں پیش آئیں ہیں لیلیٰ کو محمل میں

ہمارے قتل کرنے کے لئے سامان ہیں کیا کیا
صفائی تیغ میں شوخی نظر میں ناز قاتل میں

یہ ہستی یہ نشاں یہ داغ مٹ کر صاف ہو جائے
تجلی حسن کامل کی اگر ہو ماہ کامل میں

فقط اتنا تعلق دفتر عالم سے ہے مجھ کو
گنا ہے مد زائد میں لکھا ہے حرف باطل میں

فلک دیتا ہے اکثر کاملوں کو داغ ناداری
مزا جب ہے ید بیضا بنے یہ دست سائل میں

در و دیوار زنداں ہم ماتم بن کے گونج اٹھتے
مرا نالہ بھی مل جاتا اگر شور سلاسل میں

نظر پھرتی ہے رنگت سرخ ہے لب ہلتے جاتے ہیں
لڑائی لڑ رہے ہو آئینہ رکھ کر مقابل میں

ذرا میں سوچ لوں ٹھہرو ذرا دم لو بتاتا ہوں
تمہاری آرزو شاید پڑی ہوگی کہیں دل میں

وہ میرا مضطرب ہونا تڑپنا تھامنا دل کا
وہ ان کا مسکرا کر دیکھنا دشمن کی محفل میں

کہیں پوشیدہ جلوہ ہے کہیں پر رو نظارہ ہے
کبھی دل میں نظر آئے کبھی وہ آنکھ کے تل میں

بڑھایا دل ادھر قاتل کا روکا اس طرف دل کو
نکالا کام کن آسانیوں سے ہم نے مشکل میں

گلے سے تیغ ملتی ہے مگر کچھ کھینچ کے ملتی ہے
ابھی اتنی کمی اتنی کسر ہے جذب بسمل میں

چلو بزم سخن میں حضرت بیخود کو سن آئیں
سنا ہے آج وہ بھی لائیں گے تشریف محفل میں

غضب ہے اس تمنا سے وہ خواہش دل کی کرتے ہیں
زمانہ جانتا ہے ان کے دشمن مجھ پہ مرتے ہیں

وہیں بیٹھے رہو بس دور ہی سے بات کرتے ہیں
ستم کیسا تمہارے لطف سے بھی ہم تو ڈرتے ہیں

تجھے بھی ملتے بیٹھے ہم کچھ ناصح گذرتے ہیں
لئے مرتا ہے ہم کو مفت کیوں ہم کس پہ مرتے ہیں

کسی کے دل کو چھینا جان کو چھیڑا ستم ڈھایا
تری نیچی نگاہوں کے اشارے ظلم کرتے ہیں

چرا کر دل وہ کہتے ہیں مکرتی ہے بلا اپنی
ہمیں کیا آپ کی چوری ہے ہم کیا کوئی ڈرتے ہیں

یہ کوئی بھید ہے اس میں بھی کوئی راز مخفی ہے
مرا دل دیکھ کر وہ اپنے دل پہ ہاتھ دھرتے ہیں

لب معجز نما چشم سخن گو چھوٹتے ہیں دونو
اشارے سے وہ پھرتی ہے یہ عہد سے مکرتے ہیں

ہماری جان ہو کر جب جدا ہوتے ہو تم ہم سے
تو پھر کیا جھوٹ کہتے ہیں جو ہم کہتے ہیں مرتے ہیں

تڑپ اُٹھتا ہوں لکے شام میں بھی مضطرب ہو کر
تسلی کے لئے اس ناز سے وہ ہاتھ دھرتے ہیں

بجھائیں شمع کے دل کی لگی پروانے جب جانیں
یہ اپنی آگ میں جلتے ہیں تو کیا گل کترتے ہیں

نگاہیں جستجوئے غیر سے خالی نہیں رہتیں
نظر پر جب کوئی چڑھتا ہے ہم دل سے اترتے ہیں

تمہیں چالیں بڑے چوکے پڑے گی جیسی سہلیں گے
مثل مشہور ہے اپنے کئے کو آپ بھرتے ہیں

جھجک کیسی یہ خنجر پھیرنے سے ہچکچانا کیا
نہ تڑپیں گے قسم لے لیجئے کیوں آپ ڈرتے ہیں

فدا ہیں ہر ادائے پرخم پہ سیدھی بات تو یہ ہے
بھرے گی زخم کیا ان کے جو دم خنجر کا بھرتے ہیں

نزاکت سے رکا خنجر گلا ہے سخت جانی کا
وہ اپنا بوجھ بھی گویا مری گردن پہ دھرتے ہیں

کسی کو کیا خبر کٹتی ہے کیونکر رات فرقت کی
ہمیں کچھ جانتے ہیں دل پہ جو صدمے گذرتے ہیں

مری شامت کہ میں نے ان کو تصویریں دکھا دی تھیں
وہ حسن لیلیٰ و شیریں پہ اب تک نام دھرتے ہیں

نہ اپنے قول کے پورے نہ اپنی بات کے پکے
وہ رہ رہ کر پلٹتے ہیں وہ کہہ کہہ کر مکرتے ہیں

تمہارے منہ سے میں جب دم کسی کا نام سنتا ہوں
ہزاروں وہم آتے ہیں ہزاروں شک گذرتے ہیں

خدا سے ڈر جو ہر اک بات پر ارشاد ہوتا ہے
مجھے کیونکر یقیں آئے خدا سے آپ ڈرتے ہیں

سنبھل جائیں گے بیخود آگیا ہے غش نہ گھبراؤ
بھلی تشویش کی تم نے بھلا ایسے بھی مرتے ہیں

ہاتھ میں طاقت اگر اے نازنیں اتنی نہیں
پھیر دے دل پر چھری چین جبیں اتنی نہیں

سچ تو یہ ہے ماہ کی روشن جبیں اتنی نہیں
روشنی جو تیرے رخ میں ہے کہیں اتنی نہیں

جو ہے ظاہر تجھ کو الفت دلنشیں اتنی نہیں
بدگماں اتنی نہیں ہے بالیقیں اتنی نہیں

اُس کے قدموں میں ہمارے دل کو لیکر ڈال دے
کیا رسائی تیری زلف عنبریں اتنی نہیں

جانتا ہوں بے ثباتی ہے تری ہر بات میں
چار دن قائم رہے تیری نہیں اتنی نہیں

یار بدخو آسماں دشمن زمانہ برخلاف
یہ مصیبت سہ سکے جان حزیں اتنی نہیں

جس قدر بیباکیوں کی ہیں ادائیں چلبلی
شوخیاں تجھ میں نگاہ شرمگیں اتنی نہیں

اُس کو سمجھے اُس کو دیکھے عقل و چشم اتنی کہاں
یہ رسا اتنی نہیں یہ دوربیں اتنی نہیں

ساربان ناقے کی شوخی اور دیتی ہے پتا
شوخ طینت لیلی محمل نشیں اتنی نہیں

بھر افشاں آسماں کے ہم تو تارے توڑتے
کیا کریں ہم وہ جبین نازنیں اتنی نہیں

یہ تو کیونکر کہہ سکوں مجھ کو نہیں الفت تری
جتنی تو سمجھا ہے دل میں مہ جبیں اتنی نہیں

ہم نے دیکھا ہے زمانہ ہم نے برتے ہیں حسیں
بندہ پرور ظلم کی کثرت کہیں اتنی نہیں

دل کو کچھ روکا ہے کچھ ہم آگئے ہیں ضد سے باز
تجھ کو بھی زیبا ستمگر اب نہیں اتنی نہیں

آپ جاتے ہیں تو اس کو ساتھ لیتے جائیے
پھر ملٹ آئے نگاہ واپسیں اتنی نہیں

بدنصیبوں کو ترے مرکر ہوئی راحت نصیب
آسماں جتنا مخالف تھا زمیں اتنی نہیں

بتکدے میں دل ٹٹولو دل جناب شیخ کا
بت چرا کر جس میں رکھ لیں آستیں اتنی نہیں

وہ دھواں اُٹھا فلک پر سر اُٹھا کر دیکھئے
پھر نہ کہیئے گا کہ آہ آتشیں اتنی نہیں

پہلے دیکھی غور سے تصویرِ یوسف پھر کہا
جتنی دیکھتے ہیں ہو اچھی دلنشیں اتنی نہیں

سانس کچھ باقی ہیں اب وہ بھی فقط گنتی کے ہیں
آپ پر صدقے کروں جانِ حزیں اتنی نہیں

آپ کہتے ہیں کہ رہتا ہے ترا اکثر خیال
آپ کے دل میں تو گنجائش کہیں اتنی نہیں

عیب اپنے کچھ ہمیں کو خوب آتے ہیں نظر
خوف ہو جس کا نگاہِ نکتہ چیں اتنی نہیں

کس قدر مضموں بھرے ہیں دل میں بیخود کیا کہیں
آسماں ہم تو بنا دیں یہ زمیں اتنی نہیں

کوئی تم سا نہیں حسینوں میں
ایک ہو لاکھ مہ جبینوں میں

دل نہیں عاشقوں کے سینوں میں
آگ بھر دی ہے ان خزینوں میں

عید کا چاند ہو گئے تم تو
آ نکلتے ہو اب مہینوں میں

تیرے دانتوں میں ہے ضیا کچھ اور
یہ تجلّی کہاں نگینوں میں

ناکسوں سے فلک کو رغبت ہے
یہ بھی داخل ہوا کمینوں میں

دسترس گر نہیں نہ ہو اپنی
دل تو رہتا ہے نازنینوں میں

سانس لینا ہے عاشقوں کو محال
کیا بلا بھر گئی ہے سینوں میں

پھر فلک تک نہیں جواب ان کا
گر وفا بھی ہو مہ جبینوں میں

شوق مے اب کہاں ہے وہ بیخود
کبھی پی لیتے ہیں مہینوں میں

یہ مسیحائی کا انداز تو دیکھا ہی نہیں
آپ کا چاہنے والا کوئی مرتا ہی نہیں

اب وہ دل ہی نہیں وہ دل میں تمنا ہی نہیں
تم سنو یا نہ سنو کچھ مجھے کہنا ہی نہیں

ناامیدی نے کہیں کا مجھے رکھا ہی نہیں
اب بجز موت کوئی اور تمنا ہی نہیں

اک جھلک اور بھی ہے جلوۂ زیبا ہی نہیں
چشم حق بیں سے کسی نے تجھے دیکھا ہی نہیں

کیا قیامت ہے تری بزم کا ہنگامہ بھی
اپنی سب کہتے ہیں میری کوئی سنتا ہی نہیں

میرے ہوتے ہوئے غیروں کو بلاوے بھیجے
بیٹھے رہیے مجھے کچھ آپ نے سمجھا ہی نہیں

چیر کر سینہ مرا دل کی تلاشی لے لو
کوئی حسرت ہی نہیں کوئی تمنا ہی نہیں

ہم تو آئے ہیں یہاں خاک میں ملنے کے لئے
تم ملو یا نہ ملو اس کی تو پروا ہی نہیں

اب مرے دل کو کہاں چین کہاں صبر و قرار
تیری شوخی نے تو انداز وہ برتا ہی نہیں

قتل کو آئے ہو دشمن کا اشارہ ہوگا
ہیکڑی ہے کوئی یہ بھی مجھے مرنا ہی نہیں

پیشتر موت سے آئی نہ جدائی کی گھڑی
مرنے والے نے مزا موت کا چکھا ہی نہیں

اک نظر کے لئے کیوں موڑتے ہو منہ مجھ سے
تیر کا دل بھی ہے مشتاق کلیجا ہی نہیں

اگلے لوگوں میں محبت بھی وفا بھی ہوگی
اس زمانے میں تو ان کا کہیں چرچا ہی نہیں

پوچھئے حال طبیعت تو کہیں آپ کو کیا
رہیے خاموش تو شکوہ ہے کہ پوچھا ہی نہیں

میرے ہی کوچہ سے ہو کر ہے رہ خانۂ غیر
چھپکے وہ جائیں کدھر سے کوئی رستا ہی نہیں

ایک دل سینہ میں ہے اس میں فقط یاد تری
اور قصہ ہی نہیں اور بکھیڑا ہی نہیں

خط بھی ان کا ہے مرے نام کا عنوان بھی ہے
یہ تو سب کچھ ہے مگر کچھ بھی مجھے لکھا ہی نہیں

منہ تکا کرتا ہے بیٹھا ہوا بیخود ان کا
بات کرتے کبھی کمبخت کو دیکھا ہی نہیں

الزام بھولپن کے اس بدگمان پر ہیں
لاکھوں کے راز پنہاں جس کی زبان میں ہیں

یہ اوچھی اوچھی باتیں کیسی زبان پر ہیں
قربان دل ہزاروں تیری تو آن پر ہیں

گو داغ کے فسانے سب کی زباں پر ہیں
رحلت کے خاص صدمے بیخود کی جان پر ہیں

فرقت کی رات تو نے اے موت شرم رکھ لی
احسان تیرے کیا کیا مجھ سخت جان پر ہیں

جو تم سے کہہ مرے ہیں اس میں فرق سمجھو
مر کر بھی مرنے والے قائم زبان پر ہیں

دربان کو کچھ چکھاؤں جا کر سلام کر لوں
اتنا اگر بتا دے کس کے مکان پر ہیں

رخسار پر تمہارے تکیے کے نیل کیسے
سو سو گمان دل میں اک اک نشان پر ہیں

اف رے تنک مزاجی اللہ رے ترش روئی
سوکھے جواب سارے اُن کی زبان پر ہیں

بلبل کی کوئی حالت دیکھے چمن میں آ کر
گلچیں کے ظلم کیسے اس بے زبان پر ہیں

مژگاں کے وہ اشارے الفت کے یہ شرارے
کانٹے جگر کے اندر چھالے زبان پر ہیں

وعدے کی شب الٰہی آ جائیں خیر سے وہ
کچھ بجلیاں چمکتی آج آسمان پر ہیں

صیاد وہم تیرا کھو دیگا روپ میرا
باندھے ابھی تو تو نے اے بدگمان پر ہیں

غصے میں کبھی نہ نکلی مطلب کی بات منھ سے
شکوے گلے ہزاروں اُن کی زبان پر ہیں

روشن ہو یہ حقیقت جلووں سے مہر و مہ کے
جتنے یہیں ہیں سب کے جو آسمان پر ہیں

افتاد عاشقی کی دشمن سے پوچھ لیجے
سب عمر بھر کے دکھڑے اسکی زبان پر ہیں

غماز دل بنا ہے بیخود ستم ہوا ہے
پوشیدہ راز میرے اُن کی زبان پر ہے

سو امتحان دل میں ہر امتحان پر ہیں
مجھ کو گمان کیا کیا اُس بدگمان پر ہیں

مانا یہ ہم نے کھیلے ہم اپنی جان پر ہیں
جائیں ہزار صدقے قاتل کی آن پر ہیں

کیا اے مغاں تماشے تیری دکان پر ہیں
جو ہے وہ جانتا ہے ہم آسمان پر ہیں

پھر کچھ دیا ہے دھوکا پھر حکم پہ کچھ چلا ہے
پھر کچھ بھرم وفا کے اس بدگمان پر ہیں

چرچے ہمارے غم کے شکوے ترے ستم کے
جس کی زبان پکڑیں سب کی زبان پر ہیں

دربان کی سٹی گم ہے سُن کر سوال میرے
کب سے تھے غیر حاضر کب سے مکان پر ہیں

ارمان ٹڈی دل ہیں بیکان ہے اُس کا تنہا
قربان صدقے دل ہیں سب میہمان پر ہیں

خالق کے دیکھتے ہیں مخلوق میں تماشے
مدت سے لڑی ہیں آنکھیں عشق اُسکی شان پر ہیں

قیدِ قفس نے چھوڑی پرواز کی نہ طاقت
کیا ناتواں ہے بلبل کیا دھان پان پر ہیں

جھیلیں جہاں جفائیں اللہ یاد آیا
احسان ان بتوں کے سارے جہان پر ہیں

بپھرے ہوئے کھڑے ہیں تابِ نظارہ کس کو
محشر میں کان سب کے اُن کے بیان پر ہیں

رُتبے تری گلی کے ایسے بلند نکلے
جن کے بنے ہیں مدفن سب آسمان پر ہیں

جائیں فدا ہیں سب کی ہے دلکشی غضب کی
کچھ حُسن پر ہیں شیدا کچھ آن بان پر ہیں

صورت ہی کہہ رہی ہے سیرت ہی کہہ رہی ہے
عاشق جناب زاہد اُس بے نشان پر ہیں

گلچین ہے باغبان ہے صیاد ہے خزاں ہے
سب کے ستم الٰہی بلبل کی جان پر ہیں

اُڑ جائے یہ نزاکت لیکر کہیں نہ تجھ کو
بہ دوش پر ہیں نفیس یا میری جان پر ہیں

انداز داغ کے سب الفاظ داغ کے سب
اُن کی قلم سے نکلے میری زبان پر ہیں

میخانہ ہے یہ بیخود بس آؤ سیر کر لی
باتیں کہاں یہ زیبا حضرت کی شان پر ہیں

سب کا ہے دلنشیں معین الدیں
دل جہاں ہے وہیں معین الدیں

فخرِ دنیا و دیں معین الدیں
بے گماں بالیقیں معین الدیں

دلنشیں بالیقیں معین الدیں
بالیقیں دلنشیں معین الدیں

قطب سارے ہیں اخترِ تاباں
اور ماہِ مبیں معین الدیں

خسروِ خاندانِ حضرتِ چشت
مسند آرائے دیں معین الدیں

بادشاہِ شہاں غریب نواز | زیبِ تاج و نگیں معین الدیں

دل یہ کہتا ہے آپ کا در ہو | اور میری جبیں معین الدیں

دل ہمارا مکانِ خلوت ہے | اور اس میں مکیں معین الدیں

آپ کا ہے مزارِ پاک جہاں | ہے وہ خلد بریں معین الدیں

نام کندہ ہے آپ کا دل پر | مثلِ نقشِ نگیں معین الدیں

وہ معاون ہیں دین و دنیا کا | ہر جگہ ہر کہیں معین الدیں

میں کہے جاؤں میں جیے جاؤں | تا دمِ واپسیں معین الدیں

عشق نے کر دیا مجھے یکسو | ہے مرا دلنشیں معین الدیں

ساتواں آسمان ہے گویا | تیرے در کی زمیں معین الدیں

شکلِ دلکش جہاں نظر آئی | میں پکارا وہیں معین الدیں

لڑکھڑانے لگے قدم میرے | تھام لو آستیں معین الدیں

کیا مصیبت بیاں کروں اپنی | دل میں طاقت نہیں معین الدیں

میری دنیا تو ہو چکی ہے خراب | ہو نہ برباد دیں معین الدیں

چاہتا ہے تری نگاہِ کرم | یہ ملول و حزیں معین الدیں

رنگ ہر گل میں ہے جدا اس کا | کہیں احمد کہیں معین الدیں

کون بیخود کا ہے سوا تیرے
دل بھی اپنا نہیں معین الدیں

جھوٹ سچ آپ تو الزام دیے جاتے ہیں | بات سنتے نہیں دشنام دیے جاتے ہیں

ترچھی نظروں سے کیے اس نے بہت دل زخمی | تیر ٹیڑھے ہیں مگر کام دیے جاتے ہیں

کہہ گیا یہ بھی کوئی روٹھ کے جانے والا
ہم تجھے موت کا پیغام دیے جاتے ہیں

دل ملا دیتی ہیں آپس میں نگاہیں لڑ کر
جنگ میں صلح کے پیغام دیے جاتے ہیں

پاسباں جاگ اٹھیں وہ تو انہیں یہ دینا
لکھ کے کاغذ پہ یہ اک نام دیے جاتے ہیں

دردِ جاگیرِ جگر داغ ہے دل کا خلعت
جاں نثاروں کو یہ انعام دیے جاتے ہیں

آپ کے لطف و عنایت کا یہی ہے بدلا
غم لیے جاتے ہیں آرام دیے جاتے ہیں

دل ہوا جان ہوئی ان کی بھلا کیا قیمت
ایسی چیزوں کے کہیں دام دیے جاتے ہیں

یہ تو پوچھے کوئی مطلب ہی نہیں جب مجھ سے
کوسنے کیوں سحر و شام دیے جاتے ہیں

مہربانی بھی تو ان کی ہے شرارت آمیز
چھانٹ کر ترش مجھے آم دیے جاتے ہیں

تیرِ قاتل کو کلیجے سے لگا رکھا ہے
ہم تو دشمن کو بھی آرام دیے جاتے ہیں

چوک ان سے ہو خطا غیر کی دشمن کا قصور
لطف یہ ہے مجھے الزام دیے جاتے ہیں

کام آجائیگا دشمن کی محبت میں کبھی
احتیاطاً دلِ ناکام دیے جاتے ہیں

اب تو کھل کھیلے وہ بیخود سے خدا خیر کرے
اب تو خود بھر کے اسے جام دیے جاتے ہیں

بڑی چالوں بڑی تدبیر سے بیداد کرتے ہیں
وہ کن کن آرزوؤں سے مجھے برباد کرتے ہیں

فرشتے چیخ اٹھتے ہیں وہ جب بیداد کرتے ہیں
مری فریاد کے ڈر سے یہ سب فریاد کرتے ہیں

وہ مجھکو یہ جتا کر وصل میں بیداد کرتے ہیں
ہمیں اس کا مزا ہے شاد کو ناشاد کرتے ہیں

دعا آٹھوں پہر یہ عاشقِ ناشاد کرتے ہیں
رہیں دنیا میں وہ دنیا کو جو برباد کرتے ہیں

اٹھائے نازِ بیجا وہ بھی تھا اک وقت اے صیاد
وہ ان گذری ہوئی باتوں کو اب بھی یاد کرتے ہیں

دعاؤں پر ملیں گی گالیاں یہ ہم نہ سمجھے تھے
زباں سے اپنی کیا نکلا وہ کیا ارشاد کرتے ہیں

گلا کٹ کر جو اپنا ہچکیوں کے ساتھ دم نکلا
ہوا قاتل کو یہ دھوکا کہ ہم فریاد کرتے ہیں

ہمیں اسلام سے اتنا تعلق ہے ابھی باقی
بتوں سے جب بگڑتی ہے خدا کو یاد کرتے ہیں

نہ بت ہی اپنی سنتے ہیں نہ سنتا ہے خدا اپنی
کوئی پرساں نہیں فریاد پہ فریاد کرتے ہیں

بہم دونوں میں تصویرے بہ تصویرے کا عالم ہے
نہ ہم کچھ منھ سی کہتے ہیں نہ وہ ارشاد کرتے ہیں

ہمارے صبر کا دنیا میں ہم کو اجر ملتا ہے
لب خاموش کا ایما ہے یوں فن یاد کرتے ہیں

بتائیں تجھ کو زاہد ہم فنا فی اللہ کے معنی
جب اپنے کو مٹا لیتے ہیں اس کو یاد کرتے ہیں

مری تربت پہ آ کر ان کو کیا آنسو بہانے تھے
ملا کر خاک میں مٹی مری برباد کرتے ہیں

یہاں تو دم پہ بن جاتی ہے اس جھوٹی تسلی سے
وہ دل ہیں یہ سمجھتے ہیں ہم اس کو شاد کرتے ہیں

مجھے کس سے محبت غیر سے اب کیا کہوں ان کو
شکایت بھی وہ کرتے ہیں تو بے بنیاد کرتے ہیں

اگر ایسا ہی دوبھر ہوں تو مجھ کو قتل کر دیجے
یہ کیوں کہیے غلامی سی تجھے آزاد کرتے ہیں

اسی کھٹکے میں گذری رات ساری وصل کی مجھ کو
وہ اب کہنے کو ہیں کچھ اب وہ کچھ ارشاد کرتے ہیں

گلا کاٹوں تو ہیں کاٹوں چھری پھیریں تو میں پھیروں
تمہارے دست نازک کب مری امداد کرتے ہیں

تری چالوں میں ظالم حضرت بیخود نہ آئیں گے
سبب اپنی خموشی کا یہ کب ارشاد کرتے ہیں

اب کسی بات کا طالب دل ناشاد نہیں
آپ کی عین عنایت ہے یہ بیداد نہیں

آپ شرما کے نہ فرمائیں ہمیں یاد نہیں
غیر کا ذکر ہے یہ آپ کی روداد نہیں

تھی کوئی شرط بھی تو عہد وفا کے ہمراہ
یہ نیا لطف ہے یہ یاد ہے وہ یاد نہیں

اور یہی دل سے کچھ انکار مزا دیتا ہے
پھر اسی طرح سے ہاں کیجیے ارشاد نہیں

بہر گلگشت وہ آئے کہ قیامت آئی
حشر برپا ہے یہ گلزار میں شمشاد نہیں

ہم تو ہر حال میں ہیں تیری خوشی کے بندے
لطف سے شاد ہیں بیداد سے ناشاد نہیں

ہم نے تکرار جو کی حشر کے دن وعدے پر
چل دئے کہہ کے وہ چپکے سے ہمیں یاد نہیں

ناز کس بات پر اتنا ہے کوئی بات بھی ہو
ظلم و بیداد تو کچھ آپ کا ایجاد نہیں

دم نکل جائیگا حسرت ہی میں اک دن اپنا
سچ کہا تم نے کچھ انسان کی بنیاد نہیں

پہلے نالے کو سنا غور سے پھر ہنس کے کہا
آپ کی ساری بناوٹ ہے یہ فریاد نہیں

کچھ نظر آتی ہے دنیا مجھے خالی خالی
دام بچھا ہے مگر گھات میں صیاد نہیں

ہیں مصیبت میں پھنسا غیر کا جی چھوٹ گیا
بندہ پرور یہ کرامت ہے یہ بیداد نہیں

بعد استاد کے ہے ختم غزل بیخود پر
معجزہ کہئے اسے طبع خداداد نہیں

قدر کیا دل کی اگر زلف پریشاں میں نہیں
اس کو یوسف کون کہتا ہے جو زنداں میں نہیں

صبر پر قابو ہے لیکن روز ہجراں میں نہیں
دل پہ قبضہ ہے مگر اس نیم جاں میں نہیں

وہ ہماری التجائیں وہ ہمارا مدعا
اور وہ کہنا کسی کا میرے امکاں میں نہیں

جب ملے جس سے ملے دل کھول کر دل سے ملے
اس سے بڑھ کر اور خوبی کوئی انساں میں نہیں

بیکسی چھائی ہوئی ہے سینۂ صد چاک پر
یہ وہ پردہ ہے کہ جو میرے گریباں میں نہیں

لاؤ دیدو دل ہمارا ہو چکی بس دل لگی
یہ تو ہم بھی جانتے ہیں زلف پیچاں میں نہیں

ناؤ کاغذ کی چلا کرتی ہے ظالم ایک بار
اب وہ پہلی دلفریبی تیرے پیماں میں نہیں

رنگ قسمت کا بدلنا تھا فقط اقرار سے
ورنہ کیا انکار کا پہلو تری ہاں میں نہیں

چھیڑ ہے امید کی بھی کاوش حسرت کے ساتھ
کب تلاش صبح عشرت شام ہجراں میں نہیں

آپ کیوں بدلیں طبیعت آپ کیوں بدلیں مزاج
دل بدل دیجے مرا کیا یہ بھی امکاں میں نہیں

ہو گیا بیخود خزاں آتے ہی کیسا دل نڈھال
ایسے مرجھائے ہوئے غنچے گلستاں میں نہیں

دل کے لینے کو وہ تیار نظر آتے ہیں
خاک میں ملنے کے آثار نظر آتے ہیں

کوچۂ یار میں اغیار نظر آتے ہیں
باغِ فردوس میں بھی خار نظر آتے ہیں

جتنے دنیا میں یہ دلدار نظر آتے ہیں
میری آنکھوں میں دل آزار نظر آتے ہیں

حُسن کی طرح سے اب عشق بھی کمیاب ہوا
مرنے والے کہیں دو چار نظر آتے ہیں

سرنگوں دیکھ کے مجھ کو وہ عدو سے بولے
میری صورت سے یہ بیزار نظر آتے ہیں

دشمنوں کی کہیں اغیار سے بگڑی تو نہیں
آج کچھ سوچ میں سرکار نظر آتے ہیں

مے کشو اور پلا دو ابھی دو چار گلاس
شیخ صاحب مجھے ہشیار نظر آتے ہیں

وصل میں دیکھتے ہیں غور سے چتون اُس کی
جب ہمیں صبح کے آثار نظر آتے ہیں

کہیں لپٹی نہ ہو قدموں سے قیامت اُن کے
سہمے سہمے دمِ رفتار نظر آتے ہیں

بے سبب تو نہیں واعظ یہ صفت جنّت کی
آپ حوروں کے طلبگار نظر آتے ہیں

نہیں ممکن کہ سب ارمان ہوں پورے شبِ وصل
ان میں دو چار تو دشوار نظر آتے ہیں

آئینہ دیکھتے ہیں چھوڑ کے جب زلفوں کو
آپ وہ اپنے گرفتار نظر آتے ہیں

ہو گئے قتل پہ میرے یہ اشارے کیسے
مُسکرائے ہوئے سوفار نظر آتے ہیں

وہ جہاں بیٹھ گئے بزم میں، دہنے بائیں
دلِ عشّاق کے انبار نظر آتے ہیں

جان کر عاشقِ شیدا مجھے شوخی سے کہا
آپ تو کچھ ہمیں بیمار نظر آتے ہیں

ذرّہ خورشید مری آنکھ میں کانٹا گل ہے
ہر جگہ حُسن کے انوار نظر آتے ہیں

برچھیاں تانے ہوئے ناز ہیں اُف رے بیداد
غمزے کھینچے ہوئے تلوار نظر آتے ہیں

دل جلاتے ہیں جدائی میں یہ اخگر بن کر
مجھ کو تارے جو شبِ تار نظر آتے ہیں

غیر کے شکوے پہ ظالم نے بگڑ کر یہ کہا
تجھ کو اغیار ہی اغیار نظر آتے ہیں

نام پر حضرت **بیخود** کے نہ جانا ہرگز
مجھ کو لاکھوں میں یہ ہشیار نظر آتے ہیں

جینے دے گا نہ یہ جمال ہمیں
آئینہ پھینک کر سنبھال ہمیں

ہے بہت حسرتِ وصال ہمیں
ایک دن بھی ہوا ایک سال ہمیں

عشق نے کچھ کیا نہال ہمیں
کچھ وفا پر ہے احتمال ہمیں

باتوں باتوں میں وہ بگڑ بیٹھے
راس آئی نہ عرضِ حال ہمیں

کیوں نہ دے انتہا جفا سہنے
تھی محبت بھی تو کمال ہمیں

مٹ گیا امتیاز عشق و ہوس
مرگِ دشمن کا ہے ملال ہمیں

عرضِ مطلب پہ ہنس کے فرمایا
سن لیا ہے ترا خیال ہمیں

ہم کہاں اور بزمِ غیر کہاں
کھینچ لایا ترا خیال ہمیں

حسرتیں کہہ رہی ہیں قاتل سے
تیر سے پہلے تو نکال ہمیں

تم ستم کر کے شاد ہو دل میں
اس خوشی کا ہوا ملال ہمیں

کون ہیں ہم کہاں سے آئے ہیں
نہیں معلوم اپنا حال ہمیں

وہ ہٹا ابرِ زلف ابرو سے
وہ نظر آگیا ہلال ہمیں

کھو دیئے ہوش نازکی نے تری
پہلے دامن سے تو سنبھال ہمیں

شوخیاں اُن کی جائیں کیا ممکن
صبر آجائے کیا مجال ہمیں

آئینہ دیکھ کر وہ یہ سمجھے
مل گیا حسنِ بےمثال ہمیں

چشمِ قاتل سے سُوکھتا ہے خون | کھائے جاتا ہے یہ غزال ہمیں
عشق دشمن تمہیں مبارک ہو | مل گیا اور مہ جمال ہمیں
بیوفائی اسی کو کہتے ہیں | چھوڑ بیٹھا ترا خیال ہمیں
دل کسے دوں مجھے بتا تو سہی | ہر ادا کا ہے یہ سوال ہمیں
جو تمہاری گلی سے اُٹھ کے گیا | نہ ملا پھر وہ خستہ حال ہمیں

ناقصوں میں ہیں ہم تو اے بیخود
تو سمجھتا ہے باکمال ہمیں

نزع میں چار پہر مجھ کو گذر جاتے ہیں | ہجر کی شب ملک الموت بھی مر جاتے ہیں
یہ وہ منزل ہے جہاں سینکڑوں مر جاتے ہیں | پاؤں رکھتے ہی تری راہ میں سر جاتے ہیں
اُس کی حسرت ہی میں سب جی سے گذر جاتے ہیں | ہم نے دیکھا ہے تڑپتے ہوئے مر جاتے ہیں
شمع کی طرح سے اک رات کے مہمان تھے ہم | ہو گئی رات جدائی کی بسر جاتے ہیں
جھانک کر کس نے سوئے راہ گذر دیکھ لیا | لوگ تھامے ہوئے ہاتوں سے جگر جاتے ہیں
اے اجل تو تو بُرے وقت میں کام آتی ہے | پھر یہ کیوں لوگ ترے نام سے ڈر جاتے ہیں
سوتے رہتے ہیں تو قسمت مری سو جاتی ہے | آنکھ کھلتی ہے تو کہتے ہیں کہ گھر جاتے ہیں
میرے عاشق نہ بنو تم مرے معشوق رہو | لطف بھی جور ہیں جب حد سے گذر جاتے ہیں
دیکھئے بارگہ حسن سے کیا حکم ملے | ہاتھ باندھے ہوئے ہم پیشِ نظر جاتے ہیں
دیکھ لے بحر شہادت کے شناور ہم ہیں | خون میں ڈوبے ہوئے تا بہ کمر جاتے ہیں
بیوفا میری محبت پہ نہ ہو تو نازاں | دل میں آئے ہوئے بھی دل سے اتر جاتے ہیں
آگئی پھر طبیعت میں ادھر آ نکلے | دیکھ لیں تجھ کو ابھی ایک نظر جاتے ہیں

گل کھلانا کوئی تازہ تو نہیں ہے منظور
مسکراتے ہوئے یہ آپ کدھر جاتے ہیں

وقت بے وقت وہاں آپ بھی جاتے ہونگے
یاں بن بن کے جہاں شام و سحر جاتے ہیں

جذبِ دل بڑھ کے اُنہیں روک یہ دیکھا تو نے
راہ میں مجھ سے چرا کر وہ نظر جاتے ہیں

اُن کا رونا دمِ رخصت کوئی دیکھے آکر
موتیوں سے مرے دامن کو وہ بھر جاتے ہیں

تیرے تیروں نے بھی سیکھے ترے انکار کے ڈھنگ
دل مرا توڑ کے یہ سوئے جگر جاتے ہیں

اس محبت پہ یہ جلدی کا سبب کچھ نہ کھلا
بن کے دل آئے تھے وہ، بن کے نظر جاتے ہیں

اُن کا وعدہ ہے یہاں رات کو آنا معلوم
اپنی پرچھائیں سے جو دن کو بھی ڈر جاتے ہیں

منزلِ گور میں کسی کا نہیں ہے کھٹکا
رات دن قافلے بےخوف و خطر جاتے ہیں

خوب صیّاد نے گلچیں کو یہ بھیجی سوغات
خط میں لکھ کر مرے نوچے ہوئے پر جاتے ہیں

چل بسا عاشقِ ناکام یہ کہہ کر اُن سے
لیجئے میرا ابھی سلام آپ اگر جاتے ہیں

دو بجے رات تشریف وہ لائے ہیں یہاں
منھ اندھیرے یہ تقاضا ہے کہ گھر جاتے ہیں

کون کہتا ہے کہ عاشق کبھی مرتا ہی نہیں
تم اُدھر پھیر لو منھ ہم ابھی مر جاتے ہیں

بادۂ عشق کی تاثیر یہ دیکھی بیخود
خشک ہوتا ہے لہو ہوش بکھر جاتے ہیں

اب اُن سے اور ہم کس بات کا ارمان کرتے ہیں
ستم بھی وہ جو کرتے ہیں بڑا احسان کرتے ہیں

کسی پردہ نشیں پر جاں تک قربان کرتے ہیں
فرشتوں سے جو ہو سکتا نہیں انسان کرتے ہیں

چھری پھیری ہے یہ کہکر تجھے قربان کرتے ہیں
وہ مجھ پر جور کر کے مرنے میں بھی احسان کرتے ہیں

جو تجھ سے ہو نہیں سکتا ترے ارمان کرتے ہیں
بڑے دعووں سے قبضہ دل پہ یہ مہمان کرتے ہیں

وہ ماہر ہیں دل آزاری کے فن میں کمسنی کیسی
کہ یہ چبھتی ہوئی باتیں کہیں انجان کرتے ہیں

تمہارا ذکر کیا، تم خوش ہوئے کیوں، تم سے کیا مطلب
وہ کوئی اور ہی ہم جس پہ صدقے جان کرتے ہیں

بہت واعظ کو وصفِ بادۂ اطہر سے رغبت ہے
کوئی دن میں شرابِ ناب کی دوکان کرتے ہیں

دمِ کشتن یہ کہتی ہے نزاکت میرے قاتل کی
نہ دیکھو دست و بازو قتل تو اوسان کرتے ہیں

سنبھالیں دل وہ اپنے گھر سدھاریں۔ رو چکے مجھ کو
مرے ماتم میں اپنی جان کیوں ہلکان کرتے ہیں

تمہارے تیر کھاتا ہوں یہ الٹی رسم بھی دیکھی
سنا تم نے مری دعوت مرے مہمان کرتے ہیں

کبھی سیدھی طرح جو بات بھی مجھ سے نہ کرتے تھے
وہ میری التجائیں اب خدا کی شان کرتے ہیں

کلائی اُن کی نازک کُند خنجر اُس پہ کم مشقی
بڑی مشکل سے وہ مشکل مری آسان کرتے ہیں

یہ طرزِ جاں نثاری ہم نے پروانے سے سیکھی ہے
تمہیں جب دیکھتے ہیں جان ہم قربان کرتے ہیں

کہاں تک راہ دیکھیں نزع میں ہم اُس کے آنے کی
اُمیدیں چل بسیں سب کوچ اب ارمان کرتے ہیں

جہاں بچ کر چلا کوئی۔ وہیں ہیں سدِّ رہ ہم بھی
نگہبانی ترے تیروں کی تا امکان کرتے ہیں

نیا ہر حکم، پھر تاکید، ہو تعمیل جلد اس کی
وہ خط لکھتے ہیں مجھ کو یا رقم فرمان کرتے ہیں

اُسی محفل کے لگ بھگ دیکھ لیتے ہیں اُسے ہم تو
جہاں اُس کے نہ ملنے کا گلا انجان کرتے ہیں

اداؤں کی ہوئی بھرمار آنکھیں چار ہوتے ہی
وہ اپنے دل کا پورا آج ہی ارمان کرتے ہیں

دلِ ویراں میں باقی ایک حسرت تو رہنے دیں
اب اس اُجڑے ہوئے گھر کو وہ کیوں سنسان کرتے ہیں

کبھی بھولے سے اُن کو کہہ دیا تھا بیوفا ہم نے
وہی شکوہ وہ اب تک ہر گھڑی ہر آن کرتے ہیں

اُنہیں ٹھوکر پہ اپنی ناز مُردے کو جِلاتی ہے
مجھے مر کر یہ دعوی جان یوں قربان کرتے ہیں

ترے مشتاقِ جلوہ راز یہ موسیٰ سے پوچھیں گے
نظر ملتے ہی پہلے نذر کیوں اوسان کرتے ہیں

مری دعوت بھی ہوگی وصل کے ہمراہ سنتا ہوں
زبانی خرچ ہے ہر روز وہ سامان کرتے ہیں

لگانا ہے اُنہیں الزام شاید بیوفائی کا
رقم کیوں خط میں وہ القاب میری جان کرتے ہیں

ابھی آنکھوں میں پھرتے تھے ابھی وہ آپ چھپے دل میں
کہاں دیکھوں کدھر ڈھونڈوں مجھے حیران کرتے ہیں

دکھا کر خاک پر وانہ ہوا ارشاد یہ مجھ سے
اسی پرتے پہ عاشق وصل کا ارمان کرتے ہیں

ترے جلوے کی شاہد ہیں ہزاروں میری آنکھیں
تری آواز کی تصدیق میرے کان کرتے ہیں

جتا کر تو نے اُلفت اُن کو بیخود ہاتھ سے کھویا
کہیں ایسا غضب بھی عشق میں نادان کرتے ہیں

ردیف واو

بنا کر داغ رکھا تھا خیالِ روئے رخشاں کو
دلِ یعقوب سے نسبت نہ تھی یوسف کے زنداں کو

تم اپنے عیش کے بندے ہو اسکی قدر کیا جانو
ہمارے دل سے پوچھو آفتِ شب ہائے ہجراں کو

تصور دل میں رہتا ہے ہمیشہ اُن کی صورت کا
نقابِ چہرۂ زیبا کہوں اپنے گریباں کو

دلِ بدظن نے اپنے کر دیا کچھ بدگماں ایسا
نگاہوں میں مجھے رکھنا پڑا اُن کے نگہباں کو

مرے سینے میں وہ سوز و گدازِ عشق ہے ظالم
گھلا کر جس نے پانی کر دیا دم بھر میں پیکاں کو

مرا سامانِ وحشت بھی کھُبا جاتا ہے نظروں میں
خدا رکھے بہت ہی چاک پھبتا ہے گریباں کو

شبِ وعدہ یہ ساری سختیاں آسان ہو جاتیں
بدل لیتے اُمیدِ مرگ سے گر اُس کے ارماں کو

ہزاروں فتنے برپا کر دیئے دم بھر میں نالے نے
بنا رکھا ہے روزِ حشر ہم نے روزِ ہجراں کو

وہ اُٹھا ابر آئی فصلِ گل کھلنے لگے غنچے
اٹھا کر سر مری وحشت نے وہ تاکا بیاباں کو

یہ کاوش یہ خلش یہ درد یہ لذت کہاں اُس میں
نہ دینا تیر سے نسبت ہماری یاس و حرماں کو

مری صورت بُری ہے آپکی خصلت نہیں اچھی
محبت ہو ہی جاتی ہے بُروں سے بھی تو انساں کو

بتوں سے مل کے بیخود تم کہیں کافر نہ ہو جانا
بنا لیتے ہیں اپنا سے یہ کافر ہر مسلماں کو

بزمِ دشمن میں بلاتے ہو یہ کیا کرتے ہو
اور پھر آنکھ چُراتے ہو یہ کیا کرتے ہو

بعد میرے کوئی مجھ سا نہ ملے گا تم کو
خاک میں کس کو ملاتے ہو یہ کیا کرتے ہو

ہم تو دیتے نہیں کچھ یہ بھی زبردستی ہے
چھین کر دل لیے جاتے ہو یہ کیا کرتے ہو

کر چکے بس مجھے پامال عدو کے آگے
کیوں مری خاک اُڑاتے ہو یہ کیا کرتے ہو

چھینٹے پانی کے نہ دو نیند بھری آنکھوں پر
سوتے فتنے کو جگاتے ہو یہ کیا کرتے ہو

ہو نہ جائے کہیں دامن کا چھڑانا مشکل
مجھ کو دیوانہ بناتے ہو یہ کیا کرتے ہو

محتسب ایک بلا نوش ہے اے پیرِ مغاں
چاٹ پر کس کو لگاتے ہو یہ کیا کرتے ہو

کام کیا داغِ سویدا کا ہمارے دل پر
نقشِ الفت کو مٹاتے ہو یہ کیا کرتے ہو

پھر اسی منھ پہ نزاکت کا کرو گے دعویٰ
غیر کے ناز اُٹھاتے ہو یہ کیا کرتے ہو

اُس ستم کیش کے چکموں میں نہ آنا بیخود
حالِ دل کس کو سناتے ہو یہ کیا کرتے ہو

دونو ہی کی جانب سے ہو گر عہدِ وفا ہو
چاہت کا مزا جب ہے کہ تم بھی مجھے چاہو

یہ ہم نہیں کہتے ہیں کہ دشمن کو نہ چاہو
اس چاہ کا انجام مگر دیکھئے کیا ہو

شمشیر سے بڑھ کر ہیں حسینوں کی ادائیں
بے موت کیا قتل اِن اچھوں کا بُرا ہو

معشوق طرح دار ہو انداز ہو اچھا
دل آئے نہ ایسے پہ تو پھر دل کا بُرا ہو

پورا کوئی ہوتا نظر آتا نہیں ارماں
اُن کو تو یہ ضد ہے کہ ہمارا ہی کہا ہو

تم مجھ کو پلاتے تو ہو مے سینہ پہ چڑھ کر
اس وقت اگر کوئی چلا آئے تو کیا ہو

وعدہ وہ تمہارا ہے کہ لب تک نہیں آتا
مطلب یہ ہمارا ہے کہ باتوں میں ادا ہو

خنجر کی ضرورت ہو نہ شمشیر کی حاجت
ترچھی سی نظر ہو کوئی بانکی سی ادا ہو

خالی تو نہ جائیں دمِ رخصت مرے نالے
فتنہ کوئی اُٹھے جو قیامت نہ بپا ہو

چوری کی تو کچھ بات نہیں مجھ کو بتا دو
میرا دلِ بیتاب اگر تم نے لیا ہو

اُن سے دمِ رفتار یہ کہتی ہے قیامت
فتنے سے نہ خالی کوئی نقشِ کفِ پا ہو

بدظن ہیں وہ اس طرح کے سرمہ اُسے سمجھیں
بیمار کی آنکھوں میں اگر نیل ڈھلا ہو

خط کھول کے پڑھتے ہوئے ڈرتا ہوں کسی کا
لپٹی ہوئی خط میں نہ کہیں میری قضا ہو

مرنا ہے اُسی کا جو تجھے دیکھ کے مر جائے
جینا ہے اُسی کا جو محبت میں جیا ہو

ہے دل کی جگہ سینہ میں کاوش ابھی باقی
پیکاں کوئی پہلو میں مرے رہ نہ گیا ہو

مجھ کو بھی کہیں ور سے آیا ہے بلاوا
اچھا ہے چلو آج بھی وعدہ نہ وفا ہو

بیخود کا فسانہ تو ہے مشہور زمانہ
یہ ذکر تو شاید کبھی تم نے بھی سُنا ہو

کسی پردہ نشیں کی قدر زاہد کو بھلا کیا ہو
کوئی اُس شخص سے پوچھے کہ جس نے اُس کو دیکھا ہو

اگر یہ انقلابِ عشق ہو جائے تو پھر کیا ہو
مجھے تم سے تنفر ہو تمہیں میری تمنّا ہو

مری اُلفت کا یارب ڈھنگ دُنیا سے نرالا ہو
نیا ارمان ہو دل میں نیا دل روز پیدا ہو

خدا جانے تمنّائی کا تیرے حال پھر کیا ہو
اگر تو بات کا پورا اگر وعدے کا سچّا ہو

تجھے اب چاہنے والے کی دُنیا میں ضرورت کیا
یہ آئینہ ہو تو ہو اور تیرا حُسن زیبا ہو

مثل مشہور ہے یہ دل سے دل کو راہ ہوتی ہے
تعجب کیا اگر دشمن سے اُس نے مجھ کو پوچھا ہو

شکایت پر جفاؤں کی گلے پر بدمزاجی کے
وہ کہتے ہیں اُسے چاہو جو کوئی ہم سے اچھا ہو

فقط تیری محبت ہو نہ ارماں ہو نہ حسرت ہو
نہ ہو دل بھی تو بہتر ہو کہ دل کا بھی نہ کھٹکا ہو

سبب میں کیا بتاؤں تم کو اپنی بدگمانی کا
کہیں جاتا ہوا شاید کسی کے ساتھ دیکھا ہو

دکھائے یہ کرشمے اُس کی اُلفت ہم تو جب جانیں
جدھر اُٹھ جائے آنکھ اپنی اُسی کا روئے زیبا ہو

یہ شوخی ہے نئی یہ شرم دُنیا سے نرالی ہے
ملا کر آنکھ کہتے ہیں ادھر دیکھے تو اندھا ہو

ہم اپنی زندگی سے ہاتھ دُھو بیٹھے جوانی میں
یہی آغازِ اُلفت ہے تو آگے دیکھیے کیا ہو

قیامت خیز ہے رفتار تیری میں تو جب جانوں
ترے قد کے برابر ایک بھی گر فتنہ برپا ہو

تمہیں بیخود سے الفت ہے تو پھر ہم کریں صاحب
اجارہ ہے کسی کا اس میں تم چاہو جسے چاہو

جلانے کا مرے موقع ملے کیوں چرخ پُرفن کو
لگا دوں آگ پہلے برق کے گرنے سے خرمن کو

کرے تاثیر مجھ پر وہ نظر یہ غیر ممکن ہے
ہمیشہ حسن نظر سے دیکھتے رہتے ہو دشمن کو

جہاں باندھا چمن میں آشیاں ہم نے گری بجلی
جگہ اب ڈھونڈیے صیاد کے گھر میں نشیمن کو

دلِ مضطر نے مجھ کو لا بٹھایا کس کے پہلو میں
یہ گھبرا کر سرِ محفل سمیٹا کس نے دامن کو

نہ کرنا تھا نہ کرنا تھا کہا دل کا نہ کرنا تھا
غلط فہمی تو دیکھو دوست سمجھا ہم نے دشمن کو

نظر کو جب نہیں حاجت تو پھر پردے سے کیا حاصل
ہماری آنکھ کا پردہ سمجھ لو اپنی چلمن کو

شکایت کے وہاں ہر بات میں پہلو نکلتے ہیں
سنائے کوئی دل کا حال کیونکر ایسے بدظن کو

ہماری خاک سے چلتا ہے بچکر جب یہ چلتا ہے
لگے ہیں چار چاند ایسے کہاں تیرے توسن کو

خلش تیرِ نظر کی دیکھنا دل سے نہ مٹ جائے
جہاں ٹانکا لگاؤ توڑ دینا نوک سوزن کو

دعائیں مانگتا ہوں میں الٰہی موت آجائے
لبِ معجز نما سے کوستے ہیں جب وہ دشمن کو

کبھی آلودہ دامن رندِ میکش رہ نہیں سکتا
برسن کو ابرِ رحمت دھو دیا کرتا ہے دامن کو

رہِ الفت میں دل کھو کر اجل کو یاد کرتا ہوں
بچھڑ کر راہبر سے ڈھونڈتا پھرتا ہوں رہزن کو

یہ گردن پھر جھکی یہ آنکھ پھر نیچی ہوئی دیکھو
نظر ہو جائیگی دیکھو نہ تم بھی اپنے جوبن کو

عیاں سب راز ہو جاتا محبت کا عداوت کا
ہماری آنکھ سے دیکھا تو ہوتا تم نے دشمن کو

مری دیوانگی سے قیس کی وحشت کو کیا نسبت
بلا لو آستیں سے آستیں دامن سے دامن کو

مرے دل کی طرح بازو کی مچھلی بھی تڑپتی ہے
دکھا دے اک نظر ساقی صراحی دار گردن کو

زمانے میں کہیں ہوتا ہے مجھ سا دل جلا پیدا
کیا کرتی ہے روشن برق میری شمع مدفن کو

مہینوں تک دلِ بیتاب خنجر کیلئے تڑپا
رہی شمشیر کی برسوں تمنا میری گردن کو

صنم خانہ سے بیخود کا اُٹھنا ہے بہت مشکل
بتوں کے ساتھ اِس نے گانٹھ رکھا ہے برہمن کو

دل ہو نہ ہو مگر یہ تمنا ضرور ہو
دل کی جگہ بغل میں کوئی رشکِ حور ہو

ممکن ہے یہ رقیب کا سارا فتور ہو
شرماؤ تم تو جب کہ تمہارا قصور ہو

بے پردہ تیرے سامنے وہ رشکِ حور ہو
قاصد تری نگاہ میں شاید فتور ہو

کچھ چھیڑ چھاڑ وصل میں باہم ضرور ہو
وہ بخش دیجیے جو مزے کا قصور ہو

پیدا کیا ہے جس نے اُسی کے ظہور ہو
سر سے لگا کے تا بقدم تم تو نور ہو

اُٹھ جائے گر نگاہ سے پردہ حجاب کا
ہر ذرہ برقِ ایمن و ہر سنگ طور ہو

کیا فرض ہے کہ جس کا دل آئے تمہیں پہ آئے
سارے جہاں میں ایک تمہیں رشکِ حور ہو

کھائی نہ تم نے غیر کی دعوت قسم تو کھاؤ
لو ہاتھ لاؤ دل میں تو قائل ضرور ہو

ملتا نہیں ہے دل تو ملاقات سے حصول
بیٹھے ہو میرے پاس مگر مجھ سے دور ہو

بدمست کر دیا ہے مجھے چشمِ مست نے
کوئی پیے شراب کسی کو سرور ہو

کنیاتے ہیں رقیب سے چلتا ہے مجھ پہ زور
غصہ کسی پہ اُترے کسی کا قصور ہو

زاہد بتوں سے چاہیئے در پردہ رسم و راہ
شاید اسی لباس میں وہ رشک حور ہو

بھیجا ہے بزم غیر سے پیغام یہ مجھے
دل سے ہو پاس گو مری نظروں سے دور ہو

افسوس ظلم کا بھی سلیقہ تمہیں نہیں
ہم نے تو یہ سُنا تھا بہت ذی شعور ہو

تعذیر بے قصور یہ ملتی تو ہے مجھے
مجھ سے سزا کے بعد اگر کچھ قصور ہو

میری خبر کہاں تمہیں اپنی خبر نہیں
بیہوش ہو شباب کے نشہ میں چُور ہو

کھینچا ہی ان بتوں کا تو بس کھینچتا ہے دل
معشوق تو وہی ہے کہ جس کو غرور ہو

وعدے کی رات غیر کے گھر وہ چلے گئے
لے اور بیقرار دلِ ناصبور ہو

پڑ جائے پھر جبین پہ شکن پھر نظر پھرے
ہاں پھر اُسی طرح سے کہو مجھکو دور ہو

دل بھی ملے نظر بھی ملے جام بھی ملے
یوں کس طرح سے بزم میں حاصل سرور ہو

بیخود رکھے وہ درد سے کیونکر نہ رسم و راہ
ٹکڑے جگر ہو سینے میں دل جس کا چور ہو

لگا دو آگ خاطر سے ہماری غیر کے غم کو
اُٹھا کر جھونک دو دوزخ میں اس نارِ جہنم کو

کلیجے سے لگا رکھا ہی ہم نے آپ کے غم کو
یہی بدلا ہے اس کا آپ تڑپاتے ہیں یوں ہم کو

نرالے شعبدے دیکھے ترے کوچہ کے ذرّوں میں
بنایا تھا اسی مٹی سے شاید ساغرِ جم کو

مثل ہے یہ تو قسمت سب کی سب کے ساتھ ہوتی ہے
عدو کو گالیاں دی ہیں تو بوسہ دیجئے ہم کو

دلِ پُر آرزو لیجے یہ جانِ پُر الم لیجے
کمی کس چیز کی ہے بندہ پرور آپ کے دم کو

وہ اپنے حُسن کی سُنتے رہے تعریف پہلے تو
کہا پھر کس مزے سے کیوں بناتے ہو جی ہم کو

اُسی کی آرزو میں خاک چھانی دیر و کعبہ کی
اُسی کو ڈھونڈتے پھرتے ہیں ملتا ہی نہیں ہم کو

سدھارو گھر کو جاؤ ہاتھ دھو لو تیغ کو پونچھو
قیامت اب ہماری نعش پر آئیگی ماتم کو

تجلی کیوں نہ پردہ ڈال دیتی چشم موسیٰ پر
دکھانا تھا اُسے تو جلوہ اپنا سارے عالم کو

کوئی تم کھیل سمجھے تھے عدو سے فیصلہ ہونا
تمہاری بات رکھ لی حشر میں دینا دعا ہم کو

رقیبوں کے لئے اچھا ٹھکانا ہو گیا پیدا
خدا آباد رکھے میں تو کہتا ہوں جہنم کو

یہی آئینہ نخوت اسی سے آپ کی شہرت
دعائیں دیجئے صاحب ہماری چشم پرنم کو

قیامت ڈھا رہی ہیں گرمیاں خورشید محشر کی
یہی موقعہ تو ہے اے داغ ہائے دل ذرا چمکو

ہمارا دل یہ کہتا ہے بلائیں لیجئے اُن کی
وہ کہتے ہیں یہیں کو روئے تو چھیڑے اگر ہم کو

نہ آنسو آنکھ میں آئے نہ دل میں داغ ہو پنہاں
وہ کہتے ہیں چھپاؤ رازداروں سے مرے غم کو

سپہر کینہ پرور کی سخاوت میں ظرافت ہے
دیے موتی مگر جھوٹے دیئے ظالم نے شبنم کو

ہمارا حوصلہ تھا بارِ الفت کے اُٹھانے کا
خدا کی کارسازی ہے کہ یہ دولت ملی ہم کو

نہ دیکھ انسان کو اے آسمان چشم حقارت سے
ارے تیرے فرشتوں نے کیا ہے سجدہ آدم کو

مری تقدیر کے اس کو ملے ہیں پیچ و خم سارے
کلیجے سے لگاؤں میں تمہاری زلفِ پرخم کو

زباں اُستاد کی بیخود ترے حصے میں آئی ہے
پھر اتنا بھی نہیں کوئی خدا رکھے ترے دم کو

ایجاد وہاں جب کوئی بیداد نئی ہو
فریاد بھی ہاں اے دلِ ناشاد نئی ہو

اُن کا یہ اشارہ ہے کہ فریاد نئی ہو
میرا یہ تقاضا ہے کہ بیداد نئی ہو

گذری ہوئی باتوں میں مزا کچھ نہیں رہتا
معشوق نیا ہو کوئی بیداد نئی ہو

گر وصل نہ ہو دل تو بہلتا رہے میرا
ہر روز جفا اے ستم ایجاد نئی ہو

جنت کی کہانی سے تو ہم اکتا گئے واعظ
اس وقت تو حضرت کوئی ارشاد نئی ہو

بسنے کے لئے جاتے ہیں کیوں لوگ عدم کو
دنیا ہی میں بستی کوئی آباد نئی ہو

مجھ پر وہ ستم ہو جو ہوا ہو نہ کسی پر
محشر میں اگر پیش ہو روداد نئی ہو

ہر آن رہے جلوہ ترا آنکھ کے آگے
ہر آن تری حسن خداداد نئی ہو

میرا انہیں دھوکہ نہ ہو دھوکے ہیں سنیں وہ
ترکیب کچھ ایسی دمِ فریاد نئی ہو

ہر وقت نئی دم پہ بنے اُن کے ستم سے
ہر لحظہ مری جان پر افتاد نئی ہو

دنیا کی طرح رنگ بدلتی رہے اُلفت
جب یاد کروں تجھ کو تری یاد نئی ہو

جاتے ہو وہاں مجھ کو بھی دینا خبر آکر
اگر بات کوئی بیخودِ ناشاد نئی ہو

ہٹو جاؤ چلو بس ہو چکی تدبیر رہنے دو
جنوں میں چارہ سازو تم مری زنجیر رہنے دو

تم اپنے ہی لئے بیخود یہ اپنے تیر رہنے دو
بتوں کے دل میں نالے کر چکے تاثیر رہنے دو

عدو کی بزم میں تعظیم میری ہو چکی بس بس
مری نظروں میں گھٹتی ہے مری توقیر رہنے دو

یہ نالہ بن کے نکلیگا یہ آنسو بن کے نکلیگا
جو یوں نکلا تو کیا نکلا نہ کھینچو تیر رہنے دو

نزاکت آئینہ تک عکس کو جانے نہیں دیتی
یہی نقشہ ہے تو بس کھنچ چکی تصویر رہنے دو

زباں سے پھول جھڑتے ہیں نئی جادو بیانی ہے
نہ دو یوں گالیاں مجھ کو دمِ تقریر رہنے دو

رہائی قیدِ غم سے سخت جانوں کی نہیں آساں
لبوں پر آگیا کھنچ کر دمِ شمشیر رہنے دو

نہ ہو ہم دل جلوں کی خاک میں تاثیر کیا ممکن
دکھائے گا اثر یہ سرمۂ تسخیر رہنے دو

تمہارے حسن کی خوبی نظر آجائیگی تم کو
بجائے آئینہ آگے مری تصویر رہنے دو

عدو سچا ہے تم سچے ہمارا منہ نہ کھلواؤ
خطا وہ کر چکا تم دے چکے تعذیر رہنے دو

مٹائے سے مقدّر کی کجی مٹتی نہیں ہمدم
خفا ہیں گر وہ مجھ سے یہ مری تقدیر رہنے دو

ہمیں تو ہیں جو کہدیں گے ہم اپنے خواب کی باتیں — تمہیں تو ہو جو دو گے خواب کی تعبیر رہنے دو

رہو تقدیر پر شاکر کہ تم تو خود ہی **بیخود** ہو
جو ہیں ہشیار اُن کو بندۂ تدبیر رہنے دو

اے کاش مری آہ میں اتنا اثر تو ہو — میرا خیال اُس کو مجھے دیکھ کر تو ہو
یہ شام ہی سے دُھوم ہے رخصت کی کس لئے — میں روکتا نہیں تمہیں جانا سحر تو ہو
دل جانتا ہے تو نے جو مجھ پر کئے ہیں ظلم — کہتے ہیں اس کو آہ تجھے بھی خبر تو ہو
پہلی نظر میں وہ مجھے عاشق سمجھ گئے — پہچان لے نگاہ کو اتنی نظر تو ہو
یہ کیا کہ آج کچھ ہے تو کل کچھ زبان پر — شکوہ ہو یا ہو شکر مگر عمر بھر تو ہو
یہ حشر بھی تو کم نہیں کچھ قتل عام سے — بیدادگر نہیں نہ سہی فتنہ گر تو ہو
ہم اس کو داد ظلم کی محشر میں جان لیں — شرمِ گنہ سے آپ کی نیچی نظر تو ہو
آتے ہی آتے آئیگا فریاد میں اثر — جلدی پڑی ہے کیا ابھی ٹکڑے جگر تو ہو
اقرار سے غرض ہے نہ انکار سے غرض — اُس شوخ کو قیام کسی بات پر تو ہو
شوخی نئی ہے کہتے ہیں بسمل کو دیکھ کر — بیتاب و بیقرار کوئی اس قدر تو ہو
مرنے کی اپنے کچھ ابھی جلدی نہیں ہمیں — رخصت شبِ فراق کہیں چارہ گر تو ہو
کس کام کی ہے ایسی نزاکت اگر ہوئی — معشوق بے دہن ہو بلا سے کمر تو ہو
یہ کیا کہ دشمنی میں بھی ہونے لگی کمی — ملتا رہے وہ رنج کہ جس میں گذر تو ہو
وہ بعدِ امتحانِ محبت یہ کہہ گئے — سچ کر دکھائے جھوٹ کو اتنا ہنر تو ہو

بیخود ہوا نہ وصل تو کچھ اس کا غم نہیں
وقت اخیر یار کے زانو پہ سر تو ہو

فدا ہے جہاں دیکھ پایا کسی کو — نہ دینا الٰہی دل ایسا کسی کو

ستم کے سوا کچھ نہ آیا کسی کو — جلانا کسی کو ستانا کسی کو

سناؤں شب ہجر میں بھی کیا کیا کسی کو — جو ہو جائے میری تمنا کسی کو

مزا عاشقی کا مجھے خاک ملتا — ستم بھی تو کرنا نہ آیا کسی کو

لبِ جانفزا کو ہے انکار مشکل — کرے قتل کیونکر مسیحا کسی کو

شبِ وصل یہ کہہ رہی ہیں نگاہیں — کھٹکتی ہے میری تمنا کسی کو

حسین کوئی دنیا میں گذرا ہے تم سا — ہوا ہے خدائی کا دعویٰ کسی کو

محبت میں کیا مزا پڑ گیا ہے — جفا کا کسی کو وفا کا کسی کو

ترا وصل اپنی ہی تقدیر میں تھا — یہ ارمان ظالم نہ تھا کیا کسی کو

یہ دزدیدہ نظروں کی شوخی نئی ہے — دیا دل چرا کر کسی کا کسی کو

ہنسی کھیل سمجھا ہے دل کا تڑپنا — دکھانا ہے یہ بھی تماشا کسی کو

بہت سیر کی ہم نے باغِ جہاں کی — مگر تجھ سے بہتر نہ دیکھا کسی کو

زمانہ میں پیدا نہیں مرنے والے — سمجھ کر ذرا تم مٹانا کسی کو

وہ سمجھے کہ یہ بھی ہے عاشق ہمارا — جہاں مضطرب دیکھ پایا کسی کو

بتوں کی تو یارب خدائی نئی ہے — قیامت میں بخشیں گے یہ کیا کسی کو

ملا کر مجھے خاک میں وہ یہ بولے — خبردار اب دل نہ دینا کسی کو

بہت منہ چھپانا بھی اچھا نہیں ہے — کریگا یہ پردہ تو رسوا کسی کو

ہوا دل تو نظروں ہی نظروں میں چمپت — دکھاتے ہم اپنا کلیجا کسی کو

کہاں ہیں زمانے میں نادان تم سے — ملیگا نہ معشوق ایسا کسی کو

شبِ وصل ہم رازِ دل کہہ دیتے
سمجھتے اگر دوست اپنا کسی کو

یہ محفل ہے بیخود یہ خلوت نہیں ہے
خبردار تو نے جو چھیڑا کسی کو

برگشتہ ہے کچھ اُن کی نظر دیکھئے کیا ہو
بے طرح دھڑکتا ہے جگر دیکھئے کیا ہو

دیتا ہوں محبت کی خبر دیکھئے کیا ہو
اُن پر مری باتوں کا اثر دیکھئے کیا ہو

انجامِ محبت کا ہے کھٹکا ابھی باقی
ہے وردِ زباں شام و سحر دیکھئے کیا ہو

بن جاؤ جو دشمن کے طرفدار عجب کیا
ہونا ہے یہی تم سے مگر دیکھئے کیا ہو

باندھی تو ہے طعنے سے مرے قتل عدو پر
نازک ہے بہت اُن کی کمر دیکھئے کیا ہو

وعدے کے وفا ہونے میں دن بھر کا ہے وقفہ
دم بھر کی نہیں ہم کو خبر دیکھئے کیا ہو

جانے پہ وہ آمادہ ہیں ہم زیست سے ہیں تنگ
آتی ہے قیامت کی سحر دیکھئے کیا ہو

تشریف وہ لاتے ہیں کہ آتی ہے قیامت
بیٹھا ہوں سرِ راہ گذر دیکھئے کیا ہو

آغازِ محبت نے تو یہ رنج دئے ہیں
انجام کی ہے کس کو خبر دیکھئے کیا ہو

ایسا نہ ہو اُس بزم میں آنسو نکل آئیں
غماز ہے یہ دیدۂ تر دیکھئے کیا ہو

مرہم کی جگہ تیر کے پیکاں کو بھی رکھا
بھرتا ہی نہیں زخمِ جگر دیکھئے کیا ہو

اندیشۂ عقبیٰ نے مزا زیست کا کھویا
ہر دم ہے یہی خوف و خطر دیکھئے کیا ہو

ہے شام ہی سے آج تو بیخود کا بُرا حال
کس طرح سے ہو رات بسر دیکھئے کیا ہو

ہم تو شیدائی ہیں اُس گل کے کہ جس میں تو بھی ہو
غنچۂ گل ہے غرض کیا اس میں تیری بو بھی ہو

یوں بسر ہو زندگی تو زندگی کا لطف ہے
دل بھی پہلو میں ہے دل کے برابر تو بھی ہو

بات کی تو جی اُٹھے دیکھا تو پھر ہم مر گئے
لب میں گر اعجاز ہو تو آنکھ میں جادو بھی ہو

یوں مبارکباد دیجے اُن کو وصلِ غیر کی
بات بھی کھلنے نہ پائے چھیڑ کا پہلو بھی ہو

ہیں یہی دشواریاں جبتک ہے اُمیدِ وصال
فیصلہ ہو بھی چکے جھگڑا کہیں یکسو بھی ہو

ضبطِ غم رازِ نہاں کا پاس رسوائی کا ڈر
یہ تو سب کچھ ہو مگر دل پر مرا قابو بھی ہو

خوش گلو خوش وضع خوش رو خوش لباس خوش مزاج
تجھ میں اتنی خوبیوں پر اک وفا کی خو بھی ہو

تیر نظروں کے چلیں ابرو کے خنجر ہوں رواں
چور زخموں سے مرا سینہ بھی ہو پہلو بھی ہو

کس سے ممکن ہے ہماری تشنہ کامی کا علاج
حلق سے اُترے اگر پانی تو پھر اُچھو بھی ہو

جس پری رو سے ملا بیخود مسخر کر لیا
کلمہ وہ پڑھوا ہی دیتا ہے اگر ہندو بھی ہو

تاثیر تو فغاں میں ہوئی ہے کبھی نہ ہو
ڈرتا ہوں آہ سے کہیں اُلٹی ہنسی نہ ہو

آتا ہے وہم دوزخ و جنت کے ذکر پر
یہ کوچۂ رقیب وہ اُن کی گلی نہ ہو

کہتا ہے دل کہ شکل یہ دیکھی ہوئی سی ہے
ہم جس پہ مر رہے ہیں کہیں تم وہی نہ ہو

اُس نے دیا ہے عرضِ تمنا پہ یہ جواب
وہ بات کیا کہ جس میں ہماری خوشی نہ ہو

وہ باغ میں بھی آ کے ستم توڑنے لگے
غنچہ پہ ہے گمان یہ دل کی کلی نہ ہو

کیوں چھیڑتے ہو ذکر دلِ بیقرار کا
دشوار وصل میں بھی کہیں زندگی نہ ہو

خالی نہیں فریب سے یہ عزمِ قتلِ غیر
میرے ہی خون پر کمر اُس نے کسی نہ ہو

حسرت برس رہی ہے مری ہر نگاہ سے
رسوائے عام چاہیے یہ بیکسی نہ ہو

سچ جان کر وہ بات ہماری اگر سنیں
پھر ہر سخن پہ طعن سے اس طرح جی نہ ہو

ناصح یہ بات جھوٹ ہے ہم اور ترکِ عشق
ایسا تو بھول کر بھی ہوا ہی کبھی نہ ہو

انسان ہی کو ہوتی ہے انسان کی تو قدر
اس کا علاج کیا جو کوئی آدمی نہ ہو

قربان اس بیان کے صدقے زبان کے
ناصح کی بات ہی نہیں جو بے تکی نہ ہو

روشن جو شمع ہوتی ہے آتا ہے یہ خیال
یہ بھی کہیں ہمارے ہی دل کی لگی نہ ہو

آتا نہیں یقین کہ وہ آئیں گے یہاں
پیغامبر نے دل سے کہیں یہ گھڑی نہ ہو

بیخود کی آنکھ کہتی ہے میخوار ہے یہ شخص
میں شرط باندھتا ہوں اگر اس نے پی نہ ہو

آ گئے پھر ترے ارمان مٹانے ہم کو
دل سے پہلے یہ لگا دیں گے ٹھکانے ہم کو

کبھی پوچھا نہ تری تیغِ ادا نے ہم کو
منھ لگایا نہ کبھی زلفِ دوتا نے ہم کو

بھاگ کر کعبے سے چوروں کی طرح آئے ہیں
اے بتو تم سے ملایا ہے خدا نے ہم کو

ہچکیاں آنے کا باعث نہ کھلا کچھ شبِ غم
یار نے یاد کیا تھا کہ قضا نے ہم کو

دن میں سو بار تری چال پہ مٹ جاتے ہیں
کیسی مٹّی سے بنایا ہے خدا نے ہم کو

سر اٹھانے نہ دیا حشر کے دن بھی ظالم
کچھ ترے خوف نے کچھ اپنی وفا نے ہم کو

ایک دن بھی جو نبھے غیر سے ممکن کیا ہے
ہاتھ باندھے ہوئے آؤ گے مناتے ہم کو

بیٹھنے ہی نہیں دیتا دلِ مضطر نچلا
کہیں اپنا ہی سا وہ شوخ نچانے ہم کو

ٹال دیں گے شبِ وعدہ جو اجل آئے گی
ہیں بہت نوکِ زباں اُن کے بہانے ہم کو

تیغ سے بڑھ کے ہیں چلتے ہوئے فقرے اس کے
بے چھری ذبح کیا غدرِ جفا نے ہم کو

کچھ تو ہے ذکر سے دشمن کے جو شرماتے ہیں
وہم میں ڈال دیا اُن کی حیا نے ہم کو

چشمِ دشمن میں رہے یا ترے قدموں میں رہے
ملے تقدیر سے دو ہی تو ٹھکانے ہم کو

مول لیتے اسے کونین سے بھی کچھ کم ہیں
نہ دیا آنکنے والوں نے چکانے ہم کو

ظلم کا شوق بھی ہے شرم بھی ہے خوف بھی ہے
خواب میں چھپ کے وہ آتے ہیں ستانے ہم کو

آئے محفل میں کوئی بن کے نہ ساقی جب تک
لطف دیتے نہیں مطرب کے ترانے ہم کو

چار داغوں پہ نہ احسان جتاؤ اتنا
کون سے بخش دیئے تم نے خزانے ہم کو

بات کرنے کی کہاں وصل میں فرصت بیخود
وہ تو دیتے ہی نہیں ہوش میں آنے ہم کو

لا بٹھایا تری چوکھٹ پہ خدا نے ہم کو
نہ اُٹھیں حشر بھی آئے جو اُٹھانے ہم کو

دے کے دم لوٹ لیا ناز و ادا نے ہم کو
باڑ پر رکھ ہی لیا تیغ قضا نے ہم کو

مرنے والوں میں ترے ایک ہمیں نکلے ہیں
آزمایا ہے کئی بار قضا نے ہم کو

دیکھ کر آئینہ دل تھام لیا پھر یہ کہا
اُف بُری چیز بنایا ہے خدا نے ہم کو

اُس کا شکوہ ہے غلط اُس کی شکایت جھوٹی
سچ تو یہ ہے کہ ڈبویا ہے وفا نے ہم کو

رشک دشمن نے بڑا کام نکالا اپنا
دوست دیتے نہ کبھی جان گنوانے ہم کو

لے اجل تو ہی ذرا تھام کے بازو لے چل
ضعف دیتا نہیں اُس کوچے میں جانے ہم کو

کچھ نہ کچھ رنگ دکھائے گی محبت اپنی
دیکھ جاتے ہیں وہ ملنے کے بہانے ہم کو

خوب شرمندہ کیا خوب ہی پامال کیا
اپنی اُلفت نے اُسے اُسکی جفا نے ہم کو

جب تو مانوگے جو لیجا کے دکھلائیں گے
خوب معلوم ہیں دشمن کے ٹھکانے ہم کو

لاکھ عزت سے یہ ذلت بھی نہیں عشق میں کم
آپ اُٹھتے ہیں وہ محفل سے اُٹھانے ہم کو

اب وہ اُکتا کے تصور سے مرے کہتے ہیں
آ ہی جاتا ہے یہ کمبخت ستانے ہم کو

موت ایسی کہیں ہوتی ہے محبت میں نصیب
دن دکھایا ہے یہ دشمن کی دُعا نے ہم کو

غیر سے اُن کو سروکار نہیں کچھ بیخود
اُس پہ مرتے ہیں کہ عاشق کوئی جانے ہم کو

بات کرنے کی شب وصل اجازت دیدو | مجھ کو دم بھر کے لئے غیر کی قسمت دیدو
دیکھ کر دل کو بگڑ جائے گی نیت دیدو | دیکھو دیکھو یہ پرائی ہے امانت دیدو
بے طلب بوسہ جو دیتے ہو عنایت دیدو | اور اک بات کی بھی ہم کو اجازت دیدو
تم کو الفت نہیں مجھ سے یہ کہا تھا میں نے | ہنس کے فرماتے ہیں تم اپنی محبت دیدو
دل مرا مفت لیا چور بنایا الٹا | خود جھگڑتے ہیں کہ واپس ہمیں قیمت دیدو
ہم ہی چوکے سحر وصل منانا ہی نہ تھا | اب یہ ہے حکم کہ جانے کی اجازت دیدو
مفت لیتے بھی نہیں پھیر کے دیتے بھی نہیں | یوں سہی خیر کہ دل کی ہمیں قیمت دیدو
کی ہے اک کافر بدکیش کی دعوت ہم نے | دو گھڑی کے لئے زاہد ہمیں جنت دیدو
میری گردن پہ ذرا ناز سے تھم تھم کے چلے | اپنی تلوار کو تم اپنی نزاکت دیدو
خواہش وصل پہ برسوں میں ملا ہی یہ جواب | بات کے سوچ سمجھ لینے کی مہلت دیدو
آسماں سا نہ ملیگا کوئی شاگرد رشید | اس ستمگار کو تم اپنی خلافت دیدو
دل لگی ہے یہ نئی چھیڑ نئی کہتے ہیں | غیر دل لیتا ہے تم اس کی ضمانت دیدو
بخشے جاتے ہیں یہ کیوں داغ جدائی ہم کو | جس کو تم چاہتے ہو اس کو یہ دولت دیدو
دل کے دینے سے وہ پہلے پہل انکار مرا | اور کہنا کسی ظالم کا بمنت دیدو

کم نہیں پیر خرابات نشیں سے بیخود
میکشو لو اسے میخانہ کی خدمت دیدو

کیوں فدا تم پہ دوسرا بھی ہو | رشک آئے اگر خدا بھی ہو
جھوٹ کی اس کے انتہا بھی ہو | اس نے قاصد سے کچھ کہا بھی ہو
کج ادائی میں اک ادا بھی ہو | ترچھی نظروں میں کچھ حیا بھی ہو

مرضِ عشق کی دوا بھی ہو
اِس کا مارا کوئی جیا بھی ہو

غیر پر کاش وہ خفا بھی ہو
دل لگی ہی میں دل بُرا بھی ہو

ہم سُنا دیتے داستاں اپنی
آپ کو بانہ کا مزا بھی ہو

سر جھکانے سے فائدہ صاحب
نیچی نظروں میں جب حیا بھی ہو

سوچوں انجامِ عشق کیا ناصح
کچھ محبّت کی انتہا بھی ہو

لاکھ پردوں میں دیکھتا ہوں اُسے
میری آنکھوں سے کچھ چھُپا بھی ہو

اُس کی رگ رگ میں درد رہتا ہے
دل مرا تیرے کام کا بھی ہو

کھینچ کے کہتی ہے مجھ سے تیغ اُس کی
چل پرے ہٹ تری قضا بھی ہو

آرزو ہے کہ آرزو نہ رہے
کہیں پوری مری دعا بھی ہو

ایسی چلتی ہوئی کہاں شمشیر
جس میں کوئی تری ادا بھی ہو

کیا وہ قابو میں آ نہیں سکتے
ہم سے جب ترکِ مدّعا بھی ہو

دل جلاتے ہو عشق کی صورت
حُسن کی طرح بیوفا بھی ہو

کہہ چکے ہم جو ہم کو کہنا تھا
ہاں مگر آپ نے سُنا بھی ہو

اُن کے نزدیک ہے گلا ہر بات
مُنھ بنالیں جو التجا بھی ہو

مُنھ لگایا نہ دُخترِ رز کو کبھی
کوئی **بیخود** سا پارسا بھی ہو

یہ نہ ہو دل میں محبت کا اثر کچھ بھی نہ ہو
داغِ حسرت ہی سہی یارب اگر کچھ بھی نہ ہو

راہ میں فتنہ بپا لائے فتنہ گر کچھ بھی نہ ہو
نیچی نظروں کو اگر مدِّ نظر کچھ بھی نہ ہو

دل ملاؤ غیر سے میری خبر کچھ بھی نہ ہو
ایک پر یہ کچھ عنایت ایک پر کچھ بھی نہ ہو

رنج و غم درد و الم یہ سب ہیں میرے دم کے ساتھ
عاشقی کا لطف ہی کیا ہے اگر کچھ بھی نہ ہو

تیرے پردے نے اٹھائے ہیں زمانے میں فساد
سامنے تو ہو تو پھر یہ شور و شر کچھ بھی نہ ہو

اس حیا اس خامشی کے ہم بھی قائل ہو گئے
دل میں سب کچھ ہو زباں تک فتنہ گر کچھ بھی نہ ہو

نغمۂ دل کش ہو اگر ہو نالہ ہو تو دل گداز
وہ تو پھر کچھ بھی نہیں جس میں اثر کچھ بھی نہ ہو

خیر اچھا ہاتھ کا سچا سہی دزدِ حنا
یہ نہیں ممکن اسے دل کی خبر کچھ بھی نہ ہو

تو ہی تو ہو جس طرف دیکھیں اٹھا کر آنکھ ہم
تیرے جلوے کے سوا پیشِ نظر کچھ بھی نہ ہو

عیش و راحت رات دن ہو خوش نصیبوں کو نصیب
تیرہ بختوں کے لئے شام و سحر کچھ بھی نہ ہو

باعثِ ایجادِ عالم زینتِ ہر دو جہاں
شرم کی جا ہے اگر اس پر بشر کچھ بھی نہ ہو

رنجشِ باہم مٹے تو غم مٹے کاوش مٹے
دردِ پہلو زخمِ دل داغِ جگر کچھ بھی نہ ہو

کیا غضب ہے تم کسی اقرار پر جمتے نہیں
یوں نہیں پہلو دل کو قصہ مختصر کچھ بھی نہ ہو

وصل کا پیماں وفا کا عہد توبہ ظلم سے
ہو تو سب کچھ ہو نہ ہو تو فتنہ گر کچھ بھی نہ ہو

قتل سب کو آپ بے شمشیر و خنجر کیجئے
کہہ رہی ہے ناز کی زیبِ کمر کچھ بھی نہ ہو

کچھ سنا تم نے عدو کہتا ہے وہ تم سے ملے
دوستی میں دشمنی کا جس کو ڈر کچھ بھی نہ ہو

دونوں مفسد ہیں ترا انکار میرا اضطراب
یہ نہوں تو فتنہ برپا رات بھر کچھ بھی نہ ہو

غیر سا عیار ثانی جس کا دنیا میں نہیں
آپ جیسا سادہ دل جس کو خبر کچھ بھی نہ ہو

کھو دیا بیخود کی بیکاری نے دنیا سے اسے
اس نکمے سے تو شاید عمر بھر کچھ بھی نہ ہو

پوچھو وہیں ڈھونڈواؤ وہیں نقشِ وفا کو
کھو آئے مٹا آئے جہاں جا کے حیا کو

اس طرح سے برباد نہ کر اہلِ وفا کو
ڈھونڈے سے بھی ملتے نہیں یہ لوگ دوا کو

پھر آپ دکھائیے شوخی کی ادا کو | بھولا ہوا بیٹھا ہے کوئی اپنی قضا کو
اتنا بھی اثر کم نہیں فرقت میں بہت ہے | وہ کہتے ہیں کوسیں گے ہم اب تیری دعا کو
آئینے میں تم نے کبھی دیکھا کہ نہ دیکھا | اس شوخی و انداز کو اس ناز و ادا کو
مُنھ پھوڑ کے ہیں کچھ کہوں یہ مجھ سے نہ ہوگا | پوچھیں وہ مرا حال غرض اُن کی بلا کو
پڑتی ہیں ترے حُسن پہ حیرت سے نگاہیں | دیکھا نہیں ان دیکھنے والوں نے خدا کو
اُس شوخ پہ مرتا ہے مگر نہیں چُھکتا | آتے ہوئے موت آتی ہے دشمن کی قضا کو
اللہ رے تری چشم فسوں ساز کا پردہ | ملنے کی اجازت نہیں شوخی سے حیا کو
بجلی ہے چھلاوہ ہے قیامت ہے بلا ہے | دیکھو تو ذرا تم نگہ ہوش رُبا کو
مارے ہیں دل نے دکھا کر ترا کوچہ | رہزن نہیں سمجھے تھے ہم اس راہ نما کو
مدفن سے نکل کر کوئی دامن نہ پکڑ لے | ٹھکرا کے چلا کر نہ مزارِ شہدا کو
ہو پیر جواں جس سے وہ اے شیخ یہی ہے | چکھو تو سہی کمبخت مئے روح فزا کو
پھولوں میں عدو کے کہیں کھا جاؤ نہ ٹھوکر | تم سونگھنے بیٹھے ہو کہاں بوئے وفا کو
اٹھکھیلیاں کرتی ہوئی گلزار میں آئی | یہ چال تری کس نے سکھا دی ہے صبا کو
ہے خوف مجھے حشر میں ہو حشر نہ برپا | روکے ہوئے رہیگا ذرا اپنی ادا کو
آتے ہی ستم اُن کی جوانی نے یہ ڈھایا | آنکھوں میں جگہ مل گئی کمبخت حیا کو
میں جان گیا جان ہی لیگی تری شوخی | میں تاڑ گیا دور ہی سے اپنی قضا کو
نکلے نہ تمنا کسی کمبخت کے دل کی | کر لیجیے پیچ گرہ بندِ قبا کو

بیخود اُنہیں ملنے دو جو دشمن سے ملیں وہ
لازم ہے کہ اب تم بھی کسی اور کو تاکو

وہی ہے جلوہ گر ہر سمت اے اہلِ نظر دیکھو
اُسی پر آنکھ پڑ جاتی ہے پھر کر جدھر دیکھو

عدو کے ٹالنے کو تم ادھر دیکھو اُدھر دیکھو
مگر ہم تم کو دیکھے جائیں تم چاہو جدھر دیکھو

گریباں چاک ہے میرے ہی ماتم میں سحر دیکھو
مجھی کو شمع بھی روتی رہی ہے رات بھر دیکھو

چلے آئے مرے گھر تک یہ اعجازِ محبت تھا
اُڑا کر لے گئے دل کو یہ جادو کا اثر دیکھو

خدا سے جور کے بدلے تمہیں ہم لے کے چھوڑیں گے
جمے رہنا قیامت میں تم اپنی بات پر دیکھو

عدو کی بزم میں رازِ محبت کھل گیا دیکھا
کہا تھا کس نے تم سے مسکرا کر تم ادھر دیکھو

عبث سر کاٹتے ہو امتحانِ عشق یہ کیسا
محبت دیکھنی ہے تو مرا دل چیر کر دیکھو

اسیرانِ قفس تو پر نکل آئے قیامت کے
مرے صیّاد نے چھوڑیں ہیں زلفیں دوش پر دیکھو

خریدارِ محبت کے لئے بازارِ الفت میں
کوئی فولاد کا دل کوئی پتھر کا جگر دیکھو

لڑائی سے یونہیں تو روکتے رہتے ہیں ہم تم کو
کہ دل کا بھید کہہ دیتی ہے لڑنے میں نظر دیکھو

ادائیں دیکھنے بیٹھے ہو کیا آئینہ میں اپنی
دیا ہے جس نے تم جیسے کو دل اُس کا جگر دیکھو

نگاہِ ناز کے دھوکے میں آ کر پھنس گیا کیسا
سرِ بزمِ عدو تاکید ہے مجھ پر ادھر دیکھو

نہ حسرت ہی نکلتی ہے نہ خنجر تم سے کھنچتا ہے
نزاکت نے ہمارے قتل پر باندھی کمر دیکھو

سوالِ وصل پر کچھ سوچ کر اُس نے کہا مجھ سے
ابھی وعدہ تو کر سکتے نہیں ہیں ہم مگر دیکھو

جوانی بے مے و معشوق کٹنے کی نہیں ہمدم
کوئی خورشید رو تا کو کوئی رشکِ قمر دیکھو

نہ کرنا ترک بیخود محتسب کے ڈر سے میخواری
کہیں دھبّا لگا لینا نہ اپنے نام پر دیکھو

یہ انقلابِ دلِ بے قرار کیونکر ہو
تری طرح سے اُسے اضطرار کیونکر ہو

خطا معاف یہ سب کا شعار کیونکر ہو
زمانہ آپ سا بے اعتبار کیونکر ہو

شگفتہ اپنا دلِ داغدار کیونکر ہو
خزاں رسیدہ چمن میں بہار کیونکر ہو

یہاں یہ ضبط کہ مر جائیں تو بھی اُف نہ کریں
وہاں یہ شوق کہ دلِ بے قرار کیونکر ہو

ہنسے وہ پہلے کیا بعد وعدہ پھر یہ کہا
مری قسم کا تجھے اعتبار کیونکر ہو

دوبارہ زیست قیامت ہے مرنے والوں کی
کسی سے حشر میں اب آنکھ چار کیونکر ہو

وہ نازنیں ہیں تو نازک ہی اُن کا پیمان بھی
مری وفا کی طرح استوار کیونکر ہو

زمانہ کہتا ہے ہے لطفِ وصل و الم کا
مجھے تو فکر ہے یہ ایک بار کیونکر ہو

وہ بزمِ غیر میں آنکھیں چرائے بیٹھے ہیں
نظر کا تیر مرے دل کے پار کیونکر ہو

ستم ہیں اُس کی ادائیں غضب نگاہیں ہیں
شمارِ ظلم کا روزِ شمار کیونکر ہو

بغیر دل کی گواہی کے ہم نہ مانیں گے
ترے بیان پہ دار و مدار کیونکر ہو

لبوں پہ جان سرہانے اجل فلک سر پہ
کسی کے آنے کا اب انتظار کیونکر ہو

یہاں خیال کہ وہ شرمسار ہو نہ کہیں
وہاں حجاب ستم آنکھ چار کیونکر ہو

شنا نہ ہم نے کبھی ہوشیار بیخود کو
جو پی گیا ہو بہت ہوشیار کیونکر ہو

ہے وہ خودبیں کہیں اپنا ہی خریدار نہ ہو
یہی آئینہ کبھی مصر کا بازار نہ ہو

یہ نہ ہو شرط تو پھر وعدہ بھی زنہار نہ ہو
شب کو انکار نہ ہو صبح کو تکرار نہ ہو

یار ہی وہ ہے کسی کا جو کبھی یار نہ ہو
ہم اُسی کے ہیں جسے ہم سے سروکار نہ ہو

حکم ہے دیکھ ادھر آنکھ خبردار نہ ہو
ہم کو کھوئے تو خدا کا تجھے دیدار نہ ہو

وہ کرم ظلم ہے جس کا کبھی اظہار نہ ہو
وہ ستم بھی ہے عنایت جو دل آزار نہ ہو

جنس وہ ہوں جسے شہرت سے سروکار نہ ہو
میں وہ سر ہوں کہ جدھر چشمِ خریدار نہ ہو

جب نہ مانے وہ کسی طرح تو میں نے یہ جڑ دی
کون پوچھے تمہیں اس طرح جو انکار نہ ہو

دل ہو پہلو میں تو پہلو سے نہ وہ دور رہے
منھ پہ آنکھیں ہوں تو آنکھوں سے جُدا یار نہ ہو

کبھی شوخی سے جو آجاتا ہے لب تک اقرار
روک دیتی ہے نزاکت کہ خبردار نہ ہو

حور کے ذکر نے یہ آگ لگا دی کیسی
وہ گیا کہہ کے وہ مغرور ہمیں پیار نہ ہو

اُن کا خطِ وصل کا پیغام پھر اُس پر تاکید
دم نہ دیتا ہو مجھے نامہ بر عیّار نہ ہو

قتل کو آئے ہیں تیور یہ کہے دیتے ہیں
نازکی سے جو نہیں دوش پہ تلوار نہ ہو

رشک ہے مجھ کو وہ نکلا ہے جنازہ کس کا
آپ کی جان سے دور آپ کا بیمار نہ ہو

دیکھ لوں جلوہ ترا پھر مجھے دوزخ بھی قبول
یوں تو جنّت بھی جہنّم ہے جو دیدار نہ ہو

دل کے بدلے ہمیں سَو داغِ جگر ملتے ہیں
ہم تو لُٹ جائیں اگر آپ کی سرکار نہ ہو

مُجھ سے سُن لیجیے پھر روزِ جزا کے معنی
پھر کہے دیتا ہوں یہ آپ کا دربار نہ ہو

اس طرح دل میں رہو یوں مری آنکھوں میں پھرو
دیکھنے کو بھی کہیں حسرتِ دیدار نہ ہو

نہ دیا غیر نے جب دل تو ترِا دی ہم نے
ایسے موقع پہ کبھی ہم سے تو انکار نہ ہو

شوقِ دیدار نے پردے تو اٹھائے سارے
اب کہیں اُن کی حیا بیچ میں دیوار نہ ہو

لڑنے بیٹھے ہو تو یہ نیم نگاہی کیسی
نیمریں تیر ہے وہ دل کے بھی جو پار نہ ہو

فرق ہے کوہکنی اور جگر کاوی میں
مجھ کو اُس کام سے نفرت ہے جو دشوار نہ ہو

میں تو ڈرتا نہیں دشمن کے کسی اور سے بھی
ڈر ہے اس کا کہ کہیں آپ سے تکرار نہ ہو

عرضِ مطلب یہ بلا مجھ کو یہ برسوں میں جو آئے
سُن لیا میں نے گلے کا مرے بس ہار نہ ہو

اُن کو ہے نام سے بیخود کے حجت ایسی
مانگتے ہیں وہ دعائیں کہ یہ ہشیار نہ ہو

عذر بیجا ہے کہ جھگڑا نہ قضا سے کچھ ہو
وہ چلے آئیں عیادت کو بلا سے کچھ ہو

سچ تو یہ ہے کہ قیامت ہی تری لٹ نہیں
دل تڑپ جاتا ہی جنبش جو ہوا سے کچھ ہو

میکشی غیر کی محفل میں مبارک اُن کو
ہم ہی جب اُٹھ گئے پھر اپنی بلا سے کچھ ہو

روٹھ کر وہ تو چلے اب نہ منیں گے ہرگز
جان جائے کہ رہے اُن کی بلا سے کچھ ہو

صبح کو اُٹھ کے وہ ہر روز بدل جاتے ہیں
خاک اُمید ہمیں اپنی وفا سے کچھ ہو

ہاتھ باندھے ہوئے آؤ جو دُعا ہو مقبول
کیا کریں تم ہی کہو جب دُعا سے کچھ ہو

ٹوٹ کر بھی کہیں نادان جُڑا کرتی ہے
اب تو بیخود نہ دُعا سے نہ دوا سے کچھ ہو

ردیف ہائے ہوز

باقی نہ رہا عشق و محبت میں مزا وہ
دل بیچتے پھرنے کا زمانہ ہی گیا وہ

کیا ہوگئی اللہ زمانے کی ہوا وہ
یاروں میں نہ اُلفت ہی نہ اُلفت میں وفا وہ

ہو جاتی ہی دم بھر کے لئے دل کو تسلّی
چپکے سے مرے کان میں کہدیتے ہیں کیا وہ

ہم ڈھونڈھ رہے ہیں دل کی جو گئے بھیس بدل کر
بھولا نہیں عیّار ہے پہچان گیا وہ

میں اور بھلا غیر کی یوں چال میں آتا
انصاف سے پوچھو تو مجھے مان گیا وہ

قاصد تجھے سودا ہی کہیں دل نہ اُلٹ جائے
آئیں گے یہاں میری عیادت کو بھلا وہ

ہم جان بھی دیتے اُنہیں ہم اُن کو دعا بھی
مشکل یہ ہی لیتے نہیں کچھ دل کے سوا وہ

یارب ہمیں مل جائے کوئی غیرت یوسف
جو خواب میں دیکھا نہ ہوا آنکھوں سے دکھا وہ

اب خیر اسی میں ہے کہ سن لیجئے دشنام
جب روٹھ گئے پھر کوئی سنتے ہیں بھلا وہ

ملتا ہے خدا ڈھونڈنے والے کو سنا ہے
ہم ڈھونڈ پھرے ساری خدائی نہ ملا وہ

اس واسطے کہتے تھے کہ ایسوں سے نہ ملنا
جو ہم سے کہا غیر نے تم نے بھی سنا وہ

آتی ہیں بہت یاد جوانی کی امنگیں
وہ شکر ہیں لذت ہے نہ شکوے میں مزا وہ

بیخود کہیں یوں کرتے ہیں اظہارِ تمنا
وہ بات کہی آپ نے جو سن نہ سکا وہ

جیتے جی مٹ گئے کمال تو دیکھ
پائمالوں کی اپنے چال تو دیکھ

اے دل اس شوخ کا جمال تو دیکھ
گات تو دیکھ چال ڈھال تو دیکھ

کون کہتا ہے دیکھ حال مرا
آئینے میں کبھی جمال تو دیکھ

شکل دشمن میں کیا لگے ہیں لعل
آبرو کا نہ ہو خیال تو دیکھ

کہیں چھوڑی نہ آرزو دل میں
تیر کی اپنے دیکھ بھال تو دیکھ

سیر گلشن نہ دیکھ اے بلبل
دیکھنا چاہتی ہے جال تو دیکھ

چھٹ رہی ہیں ہوائیاں منہ پر
راز داروں کا اپنے حال تو دیکھ

کیا ہی ہیں نباہ کی باتیں
ہر گھڑی کا یہ تو ملال تو دیکھ

دم نکلتا ہے یا نہیں میرا
تیر کو دل سے تو نکال تو دیکھ

ہر مصیبت میں کام آتی ہے
بیکسی کو مرا خیال تو دیکھ

ہے بجا آئینے کی حیرانی
اپنا تو حسن بے مثال تو دیکھ

بے لڑے دل پہ قبضہ کرتی ہیں
اپنی آنکھوں کا یہ کمال تو دیکھ

سینکڑوں مدح خواں ہیں بیخود کے
بے کمالی میں یہ کمال تو دیکھ

مری آنکھوں میں ایسی بس گئی تعمیر میخانہ — کہ مسجد میں نظر آنے لگی تصویر میخانہ

بغل میں دل ہے دل میں خواہش تعمیر میخانہ — بڑے پردوں میں رہتی ہے ابھی تصویر میخانہ

مٹا دے کیوں نہ دل کی کلفتیں تاثیر میخانہ — کہ بھٹی کی ہے خاکستر بھی تو اکسیر میخانہ

ہمارا نالۂ مستانہ ہے تفسیر میخانہ — کہ بوتل ہاتھ میں ہے جیب میں تصویر میخانہ

یہ میخواروں کی کم ظرفی ہے یا تقصیر میخانہ — نہیں بکواس ان کی داخل تحقیر میخانہ

دکھانا روشنی مسجد سمجھ کر شیخ آتا ہے — شب تاریک میں چمکی ہے کیا تقدیر میخانہ

مرید باادب دیکھے تو ہم نے رند ہی دیکھے — اگر مرشد ہے دنیا میں کوئی تو پیر میخانہ

ہوئی اُتنی ہی شہرت جتنی واعظ نے مذمت کی — زمانہ کی نظر میں بڑھ گئی توقیر میخانہ

پھسل کر حوض مے پر ناگہاں گیا چوٹ کھائی ہے — اسے کہتے ہیں دیکھ اے محتسب تعذیر میخانہ

نکالیگی نگاہ ناز ساقی خار حسرت کو — خلش دل کی مٹا دیگی یہ نوک تیر میخانہ

بنی شیخ حرم کے واسطے مسجد جو پہلو میں — خدا کی شان دُگنی ہو گئی توقیر میخانہ

جو پھر وحشت کی لی دیوانگان دختر رز نے — بنیں گے طوق گردن حلقۂ زنجیر میخانہ

ترقی اور ہو کچھ زیب و زینت اور ہو جائے — لگا دی جائے جنت میں اگر تصویر میخانہ

کریگا دل کو روشن دست رنگیں میرے ساقی کا — ہر اک اُنگلی ہے جس کی شمع پر تنویر میخانہ

یہ چسکا اور یہ نظارہ دونوں جان لیوا ہیں — شکار مے جگر اپنا تو دل نخچیر میخانہ

ابھی گھر دل میں وہ مخمور آنکھیں کرتی جاتی ہیں — ابھی تکمیل کو پہنچی نہیں تعمیر میخانہ

بہار آئی وہاں کھینچی مے گلرنگ ساقی نے — یہاں گلشن میں کھنچکر آگئی تاثیر میخانہ

وہ آیا ذکر مے لب پر وہ روزے میں پڑی کھنڈت — وہ چھیڑی حضرت واعظ نے پھر تقریر میخانہ

دکھانی ہے کرامت شیخ جی کو بادہ خواروں کی — ہمیں اک چلتی پھرتی چاہیے تصویر میخانہ

یہ سب جلوے انہیں کے ہیں یہی پچھلوں میں باقی ہیں
فروغ اب پیر میخانہ ہی طالب میر میخانہ

ابھی جام و سبو اٹھوا دئے کیوں آپ نے **بیخود**
ابھی تو کھینچنی ہے اور اک تصویر میخانہ

دل روشن ہی اپنا جام پر تنویر میخانہ
نظر آتی ہے اپنے عکس میں تصویر میخانہ

مقدر سے مرے وابستہ ہی تقدیر میخانہ
مری قسمت کے چکر سے بنی زنجیر میخانہ

یہی ہی شرح پیمانہ یہی تفسیر میخانہ
کہ لفظوں میں دکھا دوں کھینچکر تصویر میخانہ

کبھی ہم جان میخانے کی تھے اے پیر میخانہ
رہیگی جان بن کر ہم میں اب تصویر میخانہ

رخ روشن سے ساقی نے کیا مدہوش لاکھوں کو
یہ کیسی برق عالم سوز تھی تنویر میخانہ

فرشتے آدمی کی شکل میں ہم نے یہیں دیکھے
غضب کی چیز ہے دنیا میں فیض پیر میخانہ

یہاں ایسا مریض دل شکستہ کون آئیگا
کہ خاک پائے ساقی بن گئی اکسیر میخانہ

رہائی محتسب نے پائی شاید قید ہستی سے
کھلی دیکھی ہی ہم نے خواب میں زنجیر میخانہ

یہاں تک غور کی زاہد نے میخواروں کی حالت پر
نظر کے سامنے رہنے لگی تصویر میخانہ

برس جائیگی ہاں ساقی جو برسیں چار بوندیں بھی
گھٹا وہ گھر کر آئی کھل گئی تقدیر میخانہ

جگہ خالی ہی زاہد کے لئے بھی بزم رنداں میں
اگر تشریف لائیں تو بنا دیں میر میخانہ

ہوا ہی میکشوں سے جب کبھی واعظ کا کچھ جھگڑا
چلی ہی بن کے موج بوئے مے شمشیر میخانہ

سبب کیا حضرت زاہد جو آنکھیں بند رکھتے ہیں
ادائے بیخودی تو خاص ہی جاگیر میخانہ

جہاں راہ سلوک اک جام پی کر اس نے طے کر لی
پہنچ جاتا ہی سیدھا خلد میں رہگیر میخانہ

مغاں دفتر میں لکھ لے نام پھر جنت ہی مٹھی میں
مقدر کا لکھا بن جائے گی تحریر میخانہ

نشانہ ہی قضا کا اس کا چلنا ناز و تمکین سے
قد دلدوز ساقی بن گیا ہے تیر میخانہ

اسی حسرت میں مٹ جائیں تو کیا مٹ جائیگی حسرت
رہیگی خاک کو بھی حسرت تعمیر میخانہ

وہ عالم کا تماشا کیا اسی مے کے کرشمے تھے
وہ کیا تھا ساغر جم میں یہی تصویر میخانہ

جلاتا ہے وہ دل یہ آگ پانی میں لگاتا ہے
یہی ظالم ہیں دو پیر فلک یا پیر میخانہ

بھلا یہ حوض کوثر اور بیخود کوئی نسبت بھی
کہاں پہنچی ہے لیکر خاک دامن گیر میخانہ

کوئی چل جاتا ہے جب تیر نظر تیر کے ساتھ
خود تڑپ جاتا ہے صیاد بھی نخچیر کے ساتھ

دل کا سودا نہیں کرنا مجھے تحقیر کے ساتھ
جان حاضر ہے اگر لیجئے توقیر کے ساتھ

بدمزاجی بھی بڑھی زلف گرہ گیر کے ساتھ
ضبط فریاد کی بھی قید ہے زنجیر کے ساتھ

میری صورت سے ہوئے عشق کے ظاہر آثار
کھنچ گئی آہ بھی شاید مری تصویر کے ساتھ

زخم کو دیکھ کے ڈرتے ہو جو منھ پھیر لیا
کچھ اٹھائے بھی تو چلتے رہیں شمشیر کے ساتھ

چشم سفاک سے بچنا دل مشتاق ذرا
اک بلا اور بھی ہے زلف گرہ گیر کے ساتھ

کچھ بناتے بھی ہیں کچھ دل کے طلبگار بھی ہیں
شوخی طبع بھی ہے شوخی تقریر کے ساتھ

کبھی قسمت کی شکایت کبھی رونا دل کا
رات بھر رہتی ہیں باتیں تری تصویر کے ساتھ

جس میں کوشش ہو سوا کام بگڑتا ہے وہی
دشمنی ہے مری تقدیر کو تدبیر کے ساتھ

گالیاں دیتے ہو کیوں پھیر لو تم بوسے لب
ہم کو لینا نہیں منظور یہ تحقیر کے ساتھ

میں مسلماں ہوں اس کا بھی ذرا دھیان رہے
میری گردن پہ چھری پھیرئے تکبیر کے ساتھ

تیغ بھاری نظر آتی ہے کمر ہے پتلی
آنہ رہنا کہیں تم جھوک میں شمشیر کے ساتھ

آنکھ بھی مجھ سے لڑی سخت زبانی بھی ہوئی
اک برچھی بھی کلیجے میں لگی تیر کے ساتھ

آہ مظلوم میں تاثیر نہ ہو کیا معنے
آسماں کو بھی ہے گردش مری تقدیر کے ساتھ

صبر کیجے ابھی بیخود نہیں پچتائے گا
عشق میں کام بنا کرتے ہیں تدبیر کے ساتھ

سینے سے دل نکل آیا ترے پیکاں کے ساتھ
صاحب خانہ بھی رخصت ہوا مہماں کے ساتھ

ہے ترے وصل کا ارمان مری جان کے ساتھ
جان بھی تن سے نکل جائیگی ارمان کے ساتھ

منہ چھپائے ہوئے جاتا تھا کہیں رات کو میں
ہو لیا وہ بت کافر مجھے پہچان کے ساتھ

شوق سا شوق شب وصل بھرا ہے دل میں
کیسے ارمان نکلتے ہیں کس ارمان کے ساتھ

دم نکل جائے تو ہم قول سے پھرتے ہیں کہیں
کہدیا منہ سے جو کچھ ہم نے وہ ہے جان کے ساتھ

میں یہ ایمان سے کہتا ہوں کہ عاشق ہوں ترا
قبر میں جائیگا ایمان ہی انسان کے ساتھ

خواب میں آنے کے وعدے پہ وہ فرماتے ہیں
شرط یہ ہے کہ ہم آئیں گے نگہبان کے ساتھ

میں کہاں اور عذاب غم الفت کیسا
کیا کیا ہائے مرے دل نے مری جان کے ساتھ

ہونٹ ہلتے ہوئے ماتھے پہ شکن ہاتھ میں تیغ
قتل کو میرے وہ آتے ہیں عجب شان کے ساتھ

چاک کرتے ہو مری ضد پہ گریبان رقیب
دل بھی پھٹ جائے تو ہو لطف گریبان کے ساتھ

مجھ کو ڈر ہے کہیں بدنام نہ کر دے دشمن
آپ پھرتے تو ہیں دن رات نگہبان کے ساتھ

کیوں الجھتے ہو ہر اک بات پہ بیخود اس سے
تم بھی نادان بنے جاتے ہو نادان کے ساتھ

ردیف یائے تحتانی

یونہیں ایک ایک کرکے وصل میں ارمان بر آئے
پھر اس نے یہ تو دیکھو ایک کو ٹالا تو چار آئے

جوانی کا وہ عالم جس پہ دل بے اختیار آئے
وہ صورت پیاری پیاری دیکھتے ہی جس کو پیار آئے

قیامت ہے جو ایسے پر دلِ اُمیدوار آئے
جسے وعدے سے نفرت ہو جسے ملنے سے عار آئے

مری بیتابیاں چھا جائیں یا رب اُنکی تمکیں پر
تڑپتا دیکھ لوں آنکھوں سے جب مجھ کو قرار آئے

ہمارا فرض تھا سر کو تہِ شمشیر رکھ دینا
قضا کو کیا کریں ہم بوجھ گردن کا اُتار آئے

جفا و ظلم سے وہ ہوں پشیماں اُن کے دشمن ہوں
ترے دھوکے میں ہم کب اے نگاہِ شرمسار آئے

مرا دل مجھ کو واپس دیجیے سب کچھ ہیں نے بھر پایا
قسم لے لیجے مجھ سے پھر اگر یہ جانہار آئے

نگاہوں میں اشارے ہوں اشاروں میں ادا مطلب
اِدھر تم کو حیا آئے اُدھر کچھ ہم کو پیار آئے

خدا جانے کہ کیا گذری خدا جانے کہ کیا بیتی
جنابِ شیخ کعبے سے نہایت شرمسار آئے

نگاہِ ناز خنجر تھی چھری تھی تیر تھی کیا تھی
نکل کر جو تری محفل سے آئے دلفگار آئے

قیامت کا تو وعدہ اُس پہ یہ مضمون قیامت کا
یہ ممکن ہی نہیں کمبخت تجھ کو اعتبار آئے

مٹا دوں اپنی ہستی خاک کر دوں اپنے آپکو
مری باتوں سے گر دشمن کے بھی دل میں غبار آئے

گذر لی جو قیامت دل پہ اُس کا ذکر تو چھوڑو
تمہاری اب خوشی کیا ہو نہ آئے یا قرار آئے

کہیں کیا تم سے ہم اے اہلِ محشر ماجرا اپنا
مصیبت تھی کہ راحت جس طرح گذری گذار آئے

اجازت مانگتی ہے دخترِ رز محفل میں آنیکی
مزا ہو شیخ صاحب کہہ اُٹھیں بے اختیار آئے

وفا کے عہد و پیماں پر قسم مجھ سے نئے کھلواؤ
کہیں ایسا نہ ہو میری قسم کا اعتبار آئے

نہ مندر میں نشاں اُس کا نہ مسجد میں پتا اُس کا
یہاں بھی ڈھونڈ آئے ہم وہاں بھی ہم پکار آئے

خدا جانے کہ وہ **بیخود** سے اتنے بدگماں کیوں ہیں
کہ ہر جلسے میں فرماتے ہیں دیکھو ہوشیار آئے

بل بھی چتون پر ہنسی کے ساتھ آئے
بانکپن کس سادگی کے ساتھ ہے

نبض کو جنبش کمی کے ساتھ ہے
موت کا کھٹکا غشی کے ساتھ ہے

تم رُلا کر کیوں ہنساتے ہو مجھے
دل میں کاوش گدگدی کے ساتھ ہے

داغِ اُلفت سے بہل جاتا ہے جی
دل لگی دل کی لگی کے ساتھ ہے

اک زمانہ بن گیا اپنا رقیب
یاد اُس کی ہر کسی کے ساتھ ہے

کچھ لگاوٹ بھی ہے چشمِ قہر میں
کچھ رُکھائی بھی ہنسی کے ساتھ ہے

تیر و خنجر اُن کے تنہا نکلے کب
دل کسی کے دم کسی کے ساتھ ہے

کاٹتے ہیں تیز خنجر سے گلا
دوستی بھی دشمنی کے ساتھ ہے

زالِ دنیا بھی ہے عالم آشنا
اک لگاوٹ ہر کسی کے ساتھ ہے

کیوں پریشاں ہو پریشانی سے زلف
دل مرا بگڑی بنی کے ساتھ ہے

کہتے ہیں بُلبل کو ہرجائی ہے یہ
عشق اس کو ہر کلی کے ساتھ ہے

نعش میری قبر میں تنہا نہیں
اک ہجومِ بیکسی کے ساتھ ہے

مُسکرا کر پونچھ لیتے ہیں وہ اشک
میرا ماتم کس خوشی کے ساتھ ہے

ہم تری حوروں کو واعظ کیا کریں
عشق ہم کو اک پری کے ساتھ ہے

موت سے کوئی جگہ خالی نہیں
ہر جگہ یہ آدمی کے ساتھ ہے

آ کے وعدہ پر بگڑ بیٹھے ہیں وہ
رنج وابستہ خوشی کے ساتھ ہے

صاف باطن جان لیتے ہیں جسے
فتنہ پردازی اُسی کے ساتھ ہے

مر گیا **بیخود** تو کیا اس کا ملال
موت تو آخر سبھی کے ساتھ ہے

حصر کعبے پہ کیا ہے دیر سہی
حج کا موسم نہیں تو سیر سہی

جو نہ کرنی تھیں التجائیں کیں
اب بھی آزردہ ہیں تو خیر سہی

کس کی شامت جو تم کو جھٹلائے
بیر ہے مجھ کو تم سے بیر سہی

دل ملاتا ہوں دل سے اُس بُت کے
ایک کعبہ تو ایک دیر سہی

ایسے نادان سے گلا کیسا
غیر سمجھا مجھے وہ غیر سہی

ہم سے ظاہر میں تو ملا کیجے
غیر کی یاد دل میں غیر سہی

شبِ غم کس سے دل کو بہلاؤں
کوئی اپنا نہیں تو غیر سہی

ساتھ ہو لیجے میری میت کے
مفت کی یہ بھی ایک سیر سہی

چلئے بیخود کو لے کے دہلی
سیر میں یہ بھی ایک سیر سہی

یہ کس پہ غصہ ہے پھر خدا خدا کے لئے
بتاؤ کس نے خفا کر دیا خدا کے لئے

مچل گیا دلِ شیدا تو پھر قیامت ہے
نہ مسکرا کے کہیں دیکھنا خدا کے لئے

جو بولے اُن سے کوئی دوسرا تو لڑتے ہیں
اُٹھے مزاج یہ کس سے بھلا خدا کے لئے

گذر گئی جو مصیبت گذر گئی ظالم
نہ پوچھ مجھ سے مرا ماجرا خدا کے لئے

یہ ہر گھڑی کا بگڑنا یہ ہر گھڑی کا ملال
کہو تو کچھ تمہیں کیا ہو گیا خدا کے لئے

یہی ہے غصہ تو ہم التجا سے باز آئے
کریں نہ آپ ہمارا کہا خدا کے لئے

سنائیے ہمیں قصہ ہماری اُلفت کا
نہ کہیے حال کسی اور کا خدا کے لئے

تمہیں کو مانگیں گے ہم تو خدا سے محشر میں
وہاں تو عذر نہ کرنا ذرا خدا کے لئے

کچھ اور کام نہیں ہم کو اُن سے ملنے سے قاصد
چلے وہ آئیں ذرا کی ذرا خدا کے لئے

وہ کہہ رہے ہیں قیامت میں اپنے بیخود سے
رہے خیال ہمارا ذرا خدا کے لئے

تھے خفا پہلے ہی میرے نام سے
چڑ گئے وہ اور بھی پیغام سے

صبح تک تڑپا کیے ہم شام سے
وہ وہاں سوتے رہے آرام سے

ہو شب فرقت بسر آرام سے
موت آجائے الٰہی شام سے

ہجر میں کچھ غم غلط ہوتا رہے
پھوڑیئے دل کے پھپھولے جام سے

ہوگئی مقبول اس کو کیا کروں
جو دعا مانگی بتوں کے نام سے

خیر سے گذرے کہیں وہ عید کی شب
اُن کو غصہ آرہا ہے شام سے

قبر میں بھی ہے خیال زلف یار
جان دیکر بھی نہ چھوٹے دام سے

رو دیئے میری مصیبت سن کے وہ
دن پھرے ہیں گردش ایام سے

آرزوئے وصل اے دل خیر ہے
باز آ تو اس خیال خام سے

ہم سکھاتے کام دل کو عشق کا
ڈر یہ ہے جاتا رہیگا کام سے

شعر کب ہوتا ہے بے تائید غیب
شاعری بھی کم نہیں الہام سے

یہ معمہ آج بیخود سے کھلا
ہوش گم ہوتے ہیں میرے نام سے

آئینے سے جو کبھی اس کو حجاب آتا ہے
عکس رخ ڈال کے چہرہ پہ نقاب آتا ہے

صبر آتا ہے جدائی میں نہ خواب آتا ہے
رات آتی ہے الٰہی کہ عذاب آتا ہے

شوخیاں عہد جوانی کی قیامت ہونگی
منتظر ڈھلنے کے لئے ان کا شباب آتا ہے

اس کو نفرت کہوں شوخی کہوں یا شرم کہوں
میری تصویر سے بھی اُن کو حجاب آتا ہے

بیقراری دل بیتاب کی خالی تو نہیں
یا وہ خود آتے ہیں یا خط کا جواب آتا ہے

سچ تو یہ ہے کہ بُری شے ہے محبت اُس کی
جان کھونے کو دل خانہ خراب آتا ہے

چارہ گر عشق کی ایذا میں ہے راحت ہم کو
درد ہوتا ہے جو پہلو میں تو خواب آتا ہے

مجھ سے پوچھے جو کوئی کون ہے قاتل تو کہوں
وہ تبسم جو دمِ قہر و عتاب آتا ہے

چاہنے والے سے یکتائی کا دعویٰ کیسا
دلِ بیتاب کو شوخی کا جواب آتا ہے

مُنھ میں واعظ کے بھی بھر آتا ہے پانی اکثر
جب کبھی تذکرہ جامِ شراب آتا ہے

کس قیامت کی یہ آمد ہے خدا خیر کرے
فتنۂ حشر بھی ہمراہِ رکاب آتا ہے

رندِ مشرب کوئی بیخود سا نہ ہوگا واللہ
پی کے مسجد ہی میں یہ خانہ خراب آتا ہے

میرے بُلائے سے تو قضا بھی نہ آئیگی
ہر چند میں کہوں اسے آ بھی نہ آئیگی

صیّاد کے ہوں جال میں کیسی ہوائے گل
مجھ تک تو اب چمن کی ہوا بھی نہ آئیگی

خلوت میں اور مجھ سے ملاقات جھوٹ ہے
کھاؤ تو تم قسم کہ حیا بھی نہ آئیگی

جانے نہ پائے پھیر کے لائے فغاں اُسے
مشکل کے وقت کام ذرا بھی نہ آئیگی

بت بن کے آپ بیٹھ گئے بزمِ ناز میں
یہ تمکنت رہی تو ادا بھی نہ آئیگی

پوچھا تھا اب کب آؤگے وہ کہہ کے چل دیئے
چل ہٹ پرے ہماری بلا بھی نہ آئیگی

کرتا ہوں جب میں آہ تو کہتا ہے دل مرا
کیا عرش کو یہ جا کے ہلا بھی نہ آئیگی

ہم اُن کے بھول پن سے بہت دل شاد ہیں
آئی نہ جب وفا تو جفا بھی نہ آئیگی

وہ ہولیا وہیں کا جو اُس تک پہنچ گیا
پھر کر تو اب وہاں سے صبا بھی نہ آئیگی

وہ مجھ سے کہہ رہے ہیں کہ جنت ہے اپنا گھر
دشمن کو موت تم نے سُنا بھی نہ آئیگی

چتون ستمگر شوخ نظر چُلبلا مزاج
خالی تو شوخیوں سے حیا بھی نہ آئیگی

وہ شوخ بیوفا ہے تو کیا اُسے وفا نہیں
لیجا کے اُس گلی میں مٹا بھی نہ آئیگی

یہ کہہ کے اور اُس نے جلایا جفا کے بعد
تاثیر تیری آہ میں جا بھی نہ آئیگی

بیخود کی خامشی سے اُنہیں یہ یقین ہے
فریاد لب پہ روزِ جزا بھی نہ آئے گی

تیرہ بختوں میں کہاں بے سر و ساماں ہم سے
کھنچ کے ملتا ہے ترا سایۂ ایواں ہم سے

خواب میں ہو نہ گیا ہو کوئی پیماں ہم سے
آج کچھ کہتے ہیں اُس شوخ کے ارماں ہم سے

بوجھ سے دستِ تسلّی کے دبے جاتے ہیں
ناتواں وہ ہیں کہ اُٹھتے نہیں احساں ہم سے

جب یہ غصہ ہے تو پردے کی شکایت کیسی
کھلنے دیگی نہ اُسے رنجشِ پنہاں ہم سے

بیوفاؤں سے ہے آباد زمانہ سارا
اک فقط تو نے نباہی شبِ ہجراں ہم سے

چشمِ سفاک ہے لڑنے کے لئے پھر تیار
پھر اُلجھتی ہے تری زلفِ پریشاں ہم سے

بس بس اے دستِ جنوں دست درازی کب تک
جا کے دامن میں چھپا چاکِ گریباں ہم سے

چرخ سا دشمنِ عشاق مقدر سا عدو
اور پھر عہد شکن آپ سا ناداں ہم سے

غیر کے عشق میں ایسا نہ ہو اُڑ جائے ہنسی
کام آجائے گا لے لیجئے ارماں ہم سے

یہ لگاوٹ کی ادائیں ہیں نزاکت کیسی
ہم سے چلتا ہے ترا خنجرِ بُرّاں ہم سے

کبھی پہلو میں خلش ہے کبھی دل میں کاوش
شوخیاں کرتے ہیں کیا کیا ترے پیکاں ہم سے

عیش و راحت کے طلبگار بہت ہوتے ہیں
کم نکلتے ہیں غم و رنج کے خواہاں ہم سے

غیر کے مُنھ پہ خوشامد کی نہ لیجے اتنی
آپ نے شکوہ کیا آپ نے ہاں ہاں ہم سے

چاہنے والوں سے یہ شرم یہ پردہ یہ حیا
دل میں پوشیدہ رہے آپکے ارماں ہم سے

وصل میں ہم نے جو زلفوں کی بلائیں لی تھیں
مانگ لے اپنے لئے اے شبِ ہجراں ہم سے

پھرتے آنکھوں میں ہیں پھرتے ہیں مگر پوشیدہ
رہتے دل میں ہیں مگر رہتے ہیں پنہاں ہم سے

کر دیا عشقِ صنم نے ہمیں کافر بیخود
ورنہ کعبے میں بھی ملتے نہ مسلماں ہم سے

ایسی کیا گوں ہی جو دل بہرِ جفا دے کوئی
سیدھے منھ بات بھی کی ہو تو بتا دے کوئی

خوبیاں ظلم میں کب تھیں یہ بتا دے کوئی
جان پر کھیلنے والے کو دعا دے کوئی

شورِ محشر نہ سہی فتنہ رفتار سہی
میری سوتی ہوئی قسمت کو جگا دے کوئی

تیر برسانے لگیں بوسۂ لب پر آنکھیں
ہم سے تقصیر کسی کی ہو سزا دے کوئی

صاف انکار میں ہی حسنِ طلب کا پہلو
یعنی اب اور بھی کچھ دل کے سوا دے کوئی

مرنے والوں کا وہ کہتے ہیں بھروسہ کیا ہے
کہیں ایسا نہ ہو کمبخت دغا دے کوئی

ساتھ ہی شکوۂ بیجا کے یہ ارشاد بھی ہی
میں نے کچھ جھوٹ کہا ہو تو بتا دے کوئی

پڑ گیا ہے بہت اے دل تجھے الفت کا مزا
لطف تو جب ہے مزا تجھ کو چکھا دے کوئی

شبہ ہوتا ہے کہ دل ہم نے کہیں کھویا ہے
یاد آجائے اگر کچھ بھی پتا دے کوئی

لے تو چلتا ہوں تجھے پاس مغاں کے زاہد
اس کا ذمہ نہیں کرتا جو پلا دے کوئی

آج تک جس سے ملا رنج ملا داغ ملا
دیکھئے کل کی ملاقات میں کیا دے کوئی

غیر کے عشق کی شہرت کہیں مٹ سکتی ہی
یہ بھی کیا نقشِ قدم ہی کہ مٹا دے کوئی

آبداری تری شمشیر کی یہ کہتی ہی
پانی پی پی کے مرے دم کو دعا دے کوئی

دیکھئے مرتے ہیں ہم آپ بہت کہتے تھے
جان جاتی ہوئی آنکھوں سے دکھا دے کوئی

آنکھ کو جلوے کے آثار نظر آتے ہیں
یہی شوخی ہے تو پردے کو اٹھا دے کوئی

میں جو کہتا ہوں مجھے قول وفا کا دیجے
کہتے ہیں وہ مری دیتی ہی بلا دے کوئی

پھر کسی شوخ کا دم بھرنے لگے ہیں بیخود
کہیں ایسا نہ ہو پھر دم پہ بنا دے کوئی

کیں منتیں جو ہم نے یہ اُس کا جواب ہے
کہتے ہو ہٹ پرے ابھی کیا اضطراب ہے

عاشق کی ہر لباس میں مٹی خراب ہے
آئینہ دل کا صورتِ چشمِ پُر آب ہے

وہ شوخ سر سے تا بہ قدم لاجواب ہے
یادش بخیر ہائے غضب کا شباب ہے

کی اُس نے ہم سے بات مگر کچھ ڈکی ہوئی
پردے میں بھی اُسے ابھی اتنا حجاب ہے

یہ وہ نہیں کہ جس کو مصیبت مٹائیگی
کیا داغِ آرزو بھی ہمارا شباب ہے

بے پردہ سامنے ہو تو کھل جائے میرا حال
اُلفت کی پردہ پوش تمہاری نقاب ہے

اچھا کیا جو آپ نے دل کو مٹا دیا
مٹنے کا اُس کے غم کسے اپنے حساب ہے

تقدیر میں کہاں جو کریں آرزوئے وصل
بیوجہ بے سبب تمہیں یہ اجتناب ہے

رہتی ہے ہر گھڑی تری تصویر سامنے
میرا خیال بھی تو زلیخا کا خواب ہے

موسیٰ کو کوہِ طُور پہ تھی آرزوئے دید
سمجھے نہ تھے کہ برقِ تجلّی نقاب ہے

اے دل خیالِ خام ہے امیدِ صُبحِ وصل
رخصت شبِ فراق سے پہلے شباب ہے

برچھی چھپی ہے سینے میں نیچی نگاہ کی
آنکھوں سے بھی تو شوخ تمہارا حجاب ہے

پیغامبر کو وعدہ کی شب یہ ملا جواب
کہہ دینا ان سے آج طبیعت خراب ہے

یہ گھر بھی آپ کا ہے کسی غیر کا نہیں
دم لیجیے بیٹھئے ابھی کیا اضطراب ہے

بیٹھا ہے سر جھکائے ہوئے اُن کی بزم میں
کس دُھن میں آج **بیخود** خانہ خراب ہے

ہرگز نہ تھی اُمید یہ تقدیر سے مجھے
یوں چھین لے گی موت ترے تیر سے مجھے

سچ ہے وفا شعار کہاں ہوتے ہیں حسیں
تم مل گئے ہو اک مری تقدیر سے مجھے

بھیجا ہے عطرِ فتنے میں کاغذ بسا ہوا
آتی ہے بو فساد کی تحریر سے مجھے

کی تم نے دوست بن کے مرے ساتھ دشمنی
اب کچھ گلا نہیں فلکِ پیر سے مجھے

عاشق تھا میں تو زلفِ گرہ گیر کا تری
کرنا تھا قتل باندھ کے زنجیر سے مجھے

دل میں کھٹک رہی ہے رقابت رقیب کی
یہ پھانس کم نہیں ہے ترے تیر سے مجھے

اے چارہ گر یہ درد تو جائیگا دم کے ساتھ
آرام ہو چکا تری تدبیر سے مجھے

کیوں آشکار حشر میں ہو اپنا رازِ دل
لینی ہے خامشی تری تصویر سے مجھے

تم کو خبر ہے دل ہے مرا کس کی قید میں
ہے اُنس کس کی زلف گرہ گیر سے مجھے

اس سے بہل رہا ہے دلِ دردمند کچھ
نالہ بھی کم نہیں ہے مزا میر سے مجھے

مانگا جواب عرضِ تمنّا تو یہ کہا
ہوتا ہے دردِ سر تری تقریر سے مجھے

پہلو میں دل ہو دل میں کسی کا خیال ہو
درکار اور کچھ نہیں تقدیر سے مجھے

کچھ اور آفتیں ابھی آنی ہیں ہجر میں
ثابت ہوا یہ موت کی تاخیر سے مجھے

بوسے کے ڈر سے اُس نے مرے ہونٹ سی دیے
پہلے سزا ملی مری تقصیر سے مجھے

تدبیر وصل یار تو بیچ و عبث ہوئی
آیندہ کچھ اُمید ہے تقدیر سے مجھے

غزل نعتیہ

جب نظر خواب میں وہ چہرۂ انور آئے
میری آنکھوں میں اب دبے دلِ مضطر آئے

آنکھ کہتی ہے نظر روضۂ انور آئے
دل کی خواہش ہے کہ وہ سینے کے اندر آئے

میں تو کیا ایک خدائی ہے تمہاری عاشق
اُس کی قسمت جسے دیدار میسّر آئے

آپ کی زلف کہاں اور شبِ قدر کہاں
مُنھ تو یہ چشمۂ خورشید میں دُھو کر آئے

مرحبا طالعِ بیدار خوشا بختِ سعید
دھوم ہے حشر میں وہ شافعِ محشر آئے

یاد تازہ ہے ہر وقت نبیؐ کی یارب
دردِ فرقت میں مجھے چین نہ دم بھر آئے

کبھی اچھے نہ ہوں بیمارِ غمِ عشقِ رسولؐ
گر کہیں حضرتِ عیسیٰؑ بھی نہ باور آئے

دل میں بس جائے اگر گیسوئے احمدؐ کا خیال
سانس بھی آئے تو خوشبو سے معطر آئے

عشقِ احمدؐ میں ہے ہر عضو کو ہر عضو پہ رشک
دل تڑپ جائے اگر نام زباں پر آئے

پاؤں توڑے ہیں رہِ عشقِ نبیؐ میں برسوں
موت آئی نہ کبھی خضر تو اکثر آئے

راہ میں نکہتِ گیسو نہ اُڑا لے کوئی
اُن کے روضے سے صبا آنکھ بچا کر آئے

ق

پیشوائی کے لئے جمع تھے انصارِ نبیؐ
جب مدینے کی طرف شافعِ محشر آئے

اُٹھ کے دی گردِ سواری نے خبر آمد کی
شور تھا اہلِ زیارت میں مقرر آئے

گرم رَو ہوں قدِ بے سایہ کا عاشق ہوں میں
سایہ جل جائے اگر میرے برابر آئے

بزمِ میلاد ہے یا بزمِ سخن ہے **بیخودؔ**
ہر طرف دھوم ہے مدّاحِ پیمبر آئے

یہ چپکے چپکے اپنے آپ ہی گفتار کیسی ہے
یہ اپنے عکس سے آئینے میں تکرار کیسی ہے

مرا دل چھین لینے کے لئے تیار کیسی ہے
نگاہِ یار بدمستی میں بھی ہشیار کیسی ہے

کرم میں بدگمانی آپ کو سرکار کیسی ہے
دلِ بیمار کی پرسش یہ سو سو بار کیسی ہے

فریبِ مکر ہے یا اُن کے دشمن مجھ پہ مرتے ہیں
الٰہی خیر یہ حسرت بھری گفتار کیسی ہے

بہت سی قسم کے دل ہیں بہت سی دل کی قسمیں ہیں
ہمیں معلوم کیا تم کو یہ شئے درکار کیسی ہے

سوالِ وصل پر نیچی نظر اقرار ہے گویا
حیا ان فتنہ گر آنکھوں کی ظاہر دار کیسی ہے

قیامت کو بھی ہم نے تو یہی کہتے سُنا اکثر
خدا جانے تری اے فتنہ گر رفتار کیسی ہے

غضب کا حُسن آفت کی ادا باتیں قیامت کی
خدا جانے تری اے فتنہ گر رفتار کیسی ہے

نہیں اک بات ہے لیکن نہیں اک بات ہے اسمیں
تجھے ہر بات پر آساں مجھے دشوار کیسی ہے

غنیمت ہے کہ وہ ذکر وفا پر یہ تو کہہ اُٹھے
اسے ہم سیکھ تو لیتے مگر دشوار کیسی ہے

ہماری طرح کیا تو بھی ہے عاشق اُس پری رو کا
تجھے یہ بیقراری سایۂ دیوار کیسی ہے

قیامت کیا بتائیگی نظر اتنی کہاں اُس کی
میرے دل سے کوئی پوچھے تری رفتار کیسی ہے

تغافل کا گِلا ہے حضرتِ دل یہ نہیں کہتے
نگاہِ یار مستِ بادۂ پندار کیسی ہے

کہا موسیٰ سے ہنس کر طور پر برقِ تجلّی نے
ابھی سے بیخودی یہ طالبِ دیدار کیسی ہے

جب آنکھیں چار ہوتی ہیں بدل جاتا ہے رنگ اسکا
تری تصویر میری شکل سے بیزار کیسی ہے

انھیں دشمن کا ڈر تھا رات بھر کہتے رہے مجھ سے
یہ آہٹ دیکھنا اُٹھ کر یہ دیوار کیسی ہے

لہو رویا ہے بیخود یا اُڑایا ہے کوئی ساغر
یہ سرخی تیری آنکھوں میں جگر افگار کیسی ہے

وصال و ہجر کیسا دل لگانا یوں بھی ہے اور یوں بھی
محبت میں مگر نقصانِ جاں یوں بھی ہے اور یوں بھی

جفا بھی ہے وفا بھی امتحاں یوں بھی ہے اور یوں بھی
مری جانب سے کچھ وہم و گماں یوں بھی ہے اور یوں بھی

کمی کیوں اپنا بس چلتے کروں فریاد و زاری میں
کہ آخر تو مخالف آسماں یوں بھی ہے اور یوں بھی

کرم ہو لطف ہو غصہ ہو یا چیں بر جبیں کچھ ہو
مگر اندازِ اُس کا دلستاں یوں بھی ہے اور یوں بھی

کبھی کہتا ہے آتے ہیں کبھی یہ ہی بلاتے ہیں
تماشا ہے کہ قاصد کا بیاں یوں بھی ہے اور یوں بھی

ادھر ناقے کی شوخی ہے اُدھر لیلےٰ کی بیتابی
پریشاں مضطرب کچھ سارباں یوں بھی ہے اور یوں بھی

محبت کا سناؤں یا عداوت کا بیاں تم کو
سنو گے کس طرح یہ داستاں یوں بھی ہے اور یوں بھی

نظر سیدھی ہوئی تو اُسکی مژگاں نے چڑھائی کی
یہ سینہ تودۂ تیر و سناں یوں بھی ہے اور یوں بھی

فغاں ہو آہ ہو یا ضبطِ غم ضبطِ محبت ہو
خفا مجھ سے مگر وہ بدگماں یوں بھی ہے اور یوں بھی

نہ وعدے سے اسے تسکین اس کو کارگر تلقیں
یہ دل کمبخت سرگرمِ فغاں یوں بھی ہے اور یوں بھی

ستم کی طرح بیخود لطف سے بھی ان کے ڈرتا ہوں
مرے لب پر تو شورِ الاماں یوں بھی ہے اور یوں بھی

نگاہِ ناز میں شوخی ہوئی ایزاد یہ کیسی
شرارت پردے پردے میں ستم ایجاد یہ کیسی

کرم میں ظلم کیسا لطف میں بیداد یہ کیسی
نرالی رسمِ اُلفت ہے ستم ایجاد یہ کیسی

وہ آئے عید آئی اب یہ کیوں فریاد و زاری ہے
خوشی میں بدشگونی اے دلِ ناشاد یہ کیسی

قلق ہے سر کے کٹنے کا نہ غم ہے اپنے مرنے کا
وفا کو ہم تو روتے ہیں ہوئی برباد یہ کیسی

ستم کی ایسی کیا جلدی ہے ٹھیرو دل تو آنے دو
ابھی دو چار دن دیکھو ابھی بیداد یہ کیسی

اجل آئی ہماری یا وہ کافر راہ پر آیا
ہمیں دشمن نے دی آکر مبارکباد یہ کیسی

خوشامد اُن کی کی تھی کچھ شکایت کی نہ تھی ہم نے
وہ باتوں میں بگڑ بیٹھے پڑی افتاد یہ کیسی

جفائے تازہ وہ پہلے مجھی پر آزماتے ہیں
مجھی سے پوچھتے ہیں پھر ہوئی ایجاد یہ کیسی

وہ ہم کو بھولے بیٹھے ہیں ہم اُن کا کلمہ پڑھتے ہیں
الٰہی سہو یہ کیسا خدایا یاد یہ کیسی

خوشی ہے وصل کی ہم کو اُنہیں غم ہجرِ دشمن کا
اِدھر شادی اُدھر ماتم پڑی اُفتاد یہ کیسی

قیامت کی لگا دی شرط اُس نے کل کے وعدے پر
ذرا سی قید میں یارب بڑی میعاد یہ کیسی

گرہ میں جب نہ تھا کچھ پھر دیا دل اُس کو کیوں بیخود
سخاوت مفلسی میں خانماں برباد یہ کیسی

نہ کھلنے دی زباں اُس بدگماں کی
رکھی کچھ دل میں کچھ حسرت بیاں کی

بتاؤں مصلحت تم کو فغاں کی
دبی رہتی ہے کنّی آسماں کی

ہوئی تاثیر یہ اُلٹی فغاں کی
اُڑی ہے نیند اُن کے پاسباں کی

مرا دل دیکھ کر شوخی سے بولے
اُٹھا لائے ہو یہ آفت کہاں کی

ستم ٹوٹا جو کچھ مطلب کی کہہ دی
غضب آیا اگر حسرت بیاں کی

تمہارے کان تک پہنچے نہ پہنچے
بھلا فریاد کیا مجھ ناتواں کی

گرانبارِ مصائب ہوں کچھ ایسا
جھکی پڑتی ہے ٹہنی آشیاں کی

وہ غصّے میں تری ترچھی نگاہیں
وہ لڑنے میں ادائیں بانکی باں کی

شریکِ جور پھر کس کو کرو تم
اگر ہو جائے بدلی آسماں کی

کہا تھا ہم نے آؤ لیں بلائیں
جھجک کر پوچھتے ہیں وہ کہاں کی

بنائے لاکھ باتیں نامہ بر نو
کہیں چھپتی ہے بات اُس کی زباں کی

کئی دن سے کہاں تھے آپ ناصح
کوئی تازہ خبر کہیے وہاں کی

اُٹھیں ہاتھ ٹوٹیں باغباں کے
اُجاڑی کیسی بستی آشیاں کی

قیامت ہے بیانِ دردِ فرقت
بگڑ جاتی ہے حالت رازداں کی

عدو کا حال کچھ پوچھا تھا اُس نے
بیاں اک گھڑ کے ہم نے داستاں کی

چمن ہی کو لگا دی آگ ہم نے
تباہی کون دیکھے آشیاں کی

ہوئے مدہوش اک ساغر میں بیخود
کرامت دیکھنا پیرِ مغاں کی

گزارش منہ ہی منہ میں کیا مری دُہرائی جاتی ہے
کہ وہ نیچی نظر کچھ خود بخود شرمائی جاتی ہے

عجب انداز سے تربت مری ٹھکرائی جاتی ہے
نظر نیچی ہے پھر لب پر مسکراہٹ پائی جاتی ہے

عدو گر جھوٹ بھی بولے تو آ جائے یقیں اُن کو
ہماری بات سچی بھی ہو تو جھٹلائی جاتی ہے

اکیلا تم کو رخصت کس طرح کر دوں ذرا ٹھہرو
تمہارے ساتھ جانے کو قیامت آئی جاتی ہے

فلک کا بے سبب آزار دینا میں نہ مانوں گا
مجھے تو اس میں کچھ اُن کی شرارت پائی جاتی ہے

مری صورت سے کیوں ملنے لگی ہے آپ کی صورت
یہ زردی صبح کو چہرہ پہ کیسی چھائی جاتی ہے

محبت بھی اُسے ہم سے ہے نفرت بھی اُسے ہم سے
کبھی یہ پائی جاتی ہے کبھی وہ پائی جاتی ہے

خدا کی شان ہے ایسے بھی اُلفت دوست ہوتے ہیں
قسم دشمن سے جھوٹی میرے سر کی کھائی جاتی ہے

بیاں کی ہے اگر کچھ آرزو دل کی تو وہ تجھ سے
کوئی پوچھے تری تصویر کیوں شرمائی جاتی ہے

بڑی بھاری خیانت ہے محبت ہو جو کم اُس کی
یہ شئے دل میں امانت کی طرح رکھوائی جاتی ہے

صفائی کا مزا شمشیر کی یہ ہے کہ چل نکلے
یہ قسمت تو نہیں دشمن کی جو چمکائی جاتی ہے

مجھے بے رحم کہتے ہو خیال اتنا نہیں تم کو
یہ کس پر ڈھلتی جاتی ہے یہ کس پر چھائی جاتی ہے

خرامِ ناز میں یہ فتنہ زائی واہ کیا کہنا
قیامت سی قیامت ہے زمیں چکرائی جاتی ہے

عیادت کے لئے وہ بے خبر آتا نہ ہو یارب
کہ جانِ ناتواں سینے میں کچھ گھبرائی جاتی ہے

وہ فرماتے ہیں لیکر ہاتھ میں تصویر بیخود کی
یہ اپنی شکل تو دیکھے یہ کیوں اترائی جاتی ہے

مرے نصیب میں گردش ہے ہر زماں کیسی
یہ چال تو نے نکالی ہے آسماں کیسی

دلوں میں لینے لگے ہیں یہ چٹکیاں کیسی
بتوں نے پائی ہے چلتی ہوئی زباں کیسی

جھکی ہوئی ہے جو گردن تو آنکھ بھی نہ اُٹھے
حیا کے ساتھ نظر میں یہ شوخیاں کیسی

کوئی ہزار طرح سے ہزار سمجھائے
لگی ہیں راحت و تسکیں مگر یہاں کیسی

وہ چوکتے ہیں کہیں دل سے لب پہ جب آئی
مجھی سے ہوتی ہیں تیری برائیاں کیسی

کسی کا عشق کہاں اور ہم کہاں ناصح
تجھے بھی سوجھتی رہتی ہے بدگماں کیسی

سمجھ رہا ہوں کہ میرے لئے ہی تو بیتاب
غضب ہیں چلتی ہوئیں تیری شوخیاں کیسی

مجال کیا ہے جو تیور پہ میل آنے دے
تری نگاہ ہے میری مزاج داں کیسی

وفا کے ہونے کا انکار تو نہیں ہم کو
یہ شئے زمانے میں ہوگی مگر وہاں کیسی

سرِ نیاز کو فرصت نہیں ہے سجدوں سے
جبیں ہوئی ہے مری وقفِ آستاں کیسی

دیے نگاہ نے دھوکے وفا کے لاکھوں کو
نظر فریب کو یہ گھات ہے رواں کیسی

وفا سے کاش کسی کو ہم اپنا کر لیتے
ہوئی ہے عمر محبت میں رائیگاں کیسی

مجال کیا جو کسی اور کا تصور ہو
ہمارے دل پہ یہ نظریں ہیں بدگماں کیسی

خیال بھی نہیں ہوتا ہے بدگمانی کا
وہ ڈھونڈ لیتے ہیں اک وجہ امتحاں کیسی

حیا سے جس نے کبھی آئینہ نہ دیکھا ہو
اُسے خبر ہے کہ ہوتی ہیں شوخیاں کیسی

غضب کے شوخ طبیعت ہیں حضرت بیخود
کسی کو چھیڑ کے کھائی ہیں گالیاں کیسی

یوں غیر کی اُلفت کا ہی چرچا مرے آگے
لکھا تری تقدیر کا آیا مرے آگے

سو جان سے قربان ہوں تو بھی تو ہی تھوڑا
بیٹھا ہے مرا رشکِ مسیحا مرے آگے

یہ ناز یہ انداز کہاں غیر نے دیکھے
کچھ اور ہے شوخی کا تقاضا مرے آگے

آفت مرے دم پر ہے لڑائی ہے عدو سے
ہر روز نیا پیش ہے دعویٰ مرے آگے

کیا رشک ہی آتا ہے حسینوں کا جو کچھ ذکر
لیتے نہیں وہ نام کسی کا مرے آگے

موسیٰ نے نہ دیکھا تھا جو میں دیکھ رہا ہوں
کیونکر نہ ہو آئینے کو سکتا مرے آگے

نیرنگ دکھاتی ہے یہ دُنیا مجھے کیا کیا
ہوتا ہے زمانے کا تماشا مرے آگے

ظاہر کی ڈِھٹائی کو ڈھٹائی نہیں کہتے
وہ دل ہیں لئے جاتے ہیں کیا کیا مرے آگے

اللہ رے تغافل کہ وہ سُن سُن کے مرا حال
فرماتے ہیں یہ ذکر ہے کس کا مرے آگے

کس شوق سے کہتے ہیں تجھے قتل کریں گے
ہوتی ہے بیاں اپنی تمنّا مرے آگے

پھر بھُول گئے رسمِ وفا رسمِ مُحبّت
پھر تم نے کیا غیر کا شکوا مرے آگے

تصویر تری بات بھی کرتی نہیں مُجھ سے
یہ کھینچتی ہے اپنے کو کتنا مرے آگے

ناصح بھی مجھے عقل سے خالی نظر آیا
ہے ذکرِ بُتِ ہوش رُبا کا مرے آگے

دم بھرنے لگا سینے میں دل اور کسی کا
آیا یہ بڑا بول تمہارا مرے آگے

کہتا ہے تصور بھی یہ اُس زلفِ سیہ کا
کچھ مال نہیں ہے شبِ یلدا مرے آگے

ایسا ہی تو نادان ہو جو بات نہ سمجھے
بن جاتا ہے وہ جان کے بھولا مرے آگے

دیکھے ہوئے ہے چاہنے والوں کی نگاہیں
دشمن نہ کبھی ودن کی لے گا مرے آگے

اتنی تو خبر ہے مجھے ساقی نے سرِ بزم
کچھ کان میں بیخود کے کہا تھا مرے آگے

اک مصیبت ہے عاشقی کیا ہے
مرنے والوں کی زندگی کیا ہے

اور ساقی پلا ابھی کیا ہے
تیری سرکار میں کمی کیا ہے

کمسنی میں یہ قہر کی باتیں
حشر ڈھاؤ گے تم ابھی کیا ہے

رنج و اندوہ و حسرت و حرماں
دل سلامت رہے کمی کیا ہے

عشق کو عمرِ خضر دینی تھی
چار دن کی یہ زندگی کیا ہے

کوئی کرتا ہے جب مری تعریف
سُن کے کہتے ہیں وہ اجی کیا ہے

وہ دمِ نزع مجھ سے کہتے ہیں
ہوش میں آ یہ دل لگی کیا ہے

یہ بھی ہم کو خبر نہیں اب تک
عیش کیا چیز ہے خوشی کیا ہے

رنگ لائے گی غیر کی اُلفت
دیکھیے گا اسے ابھی کیا ہے

اب فقط اس لئے ہے یہ تکرار
کوئی پوچھے تری خوشی کیا ہے

بولنی آگئی جسے اُردو
سامنے اُس کے فارسی کیا ہے

ہم بھی **بیخود** سے آج مل آئے
اک فرشتہ ہے آدمی کیا ہے

صفت ہو کب رقم تیری معین الدین اجمیری
حقیقت کیا بھلا میری معین الدین اجمیری

مرا سر ہو گلی تیری معین الدین اجمیری
ترا در ہو جبیں میری معین الدین اجمیری

مری تقدیر برگشتہ مری تدبیر لاحاصل
پھر اُس پہ آرزو تیری معین الدین اجمیری

تری توصیف میں قاصر تری تعریف میں عاجز
قلم میرا زباں میری معین الدین اجمیری

ٹھکانا دین و دنیا میں نہیں میرا کہیں ہرگز
نگہ تو نے اگر پھیری معین الدین اجمیری

ثنائے حق ثنا تیری رضائے حق رضا تیری
دلائے حق دلا تیری معین الدین اجمیری

مئے الفت کی ایسی چاٹ تو نے ڈالدی مجھ کو
کہ اب ہوتی نہیں سیری معین الدین اجمیری

تری اُلفت سے سینے میں یہ دل خالی نہ میں خالی
یہ گویا جان ہے میری معین الدین اجمیری

یہاں بھی تو وہاں بھی تو ادھر تو ہے اُدھر تو ہے
فلک تیرا زمیں تیری معین الدین اجمیری

خدا کے فضل سے ساری مرادیں اُسکی بر آئیں
یہ چوکھٹ جس نے آ گھیری معین الدین اجمیری

تصدق تیرے روضہ پہ صبح و شام ہوتے ہیں
فلک پھرتا ہے چک پھیری معین الدین اجمیری

فلک نے کجروی کی ہے زمیں نے بیرخی کی ہے
زمانے نے نظر پھیری معین الدین اجمیری

رہا اب دل میں کیا باقی نہ دم باقی نہ غم باقی
فقط اک یاد ہے تیری معین الدین اجمیری

جو تیرا جلوہ دلکش قیامت تک کوئی دیکھے
نہ ہو دیدار سے سیری معین الدین اجمیری

جہاں ہیں ہم وہاں تو ہو جہاں تو ہو وہاں ہیں ہوں
کہوں اپنی سنوں تیری معین الدین اجمیری

جو مسکن ہے مرا دلی تو مدفن ہو درِ اقدس
لقب ہو میرا اجمیری معین الدین اجمیری

ترا بیخود ترا شیدا ترا عاشق ترا خادم
تجھی کو شرم ہے میری معین الدین اجمیری

جڑی ہے کچھ اُدھر ایسی کسی نے
کہ پھیری ہے نظر ایسی کسی نے

بہت کچھ دیکھنے والوں نے دیکھا
نہیں دیکھی کمر ایسی کسی نے

ستمگر یوں تو ہو گذرے ہیں لاکھوں
جفا کی تھی مگر ایسی کسی نے

قیامت آگئی جاتے ہی اُن کے
نہ دیکھی تھی سحر ایسی کسی نے

شبِ عشرت کا ماتم کر رہا ہوں
نکالی ہے کسر ایسی کسی نے

ہر اک کے دل کی اُن سے پوچھ لیجے
کہاں پائی نظر ایسی کسی نے

بہت گھبرائے ناصح مجھ سے مل کر
نہ لی ہوگی خبر ایسی کسی نے

سُنا دیجے سزائے جرم اُلفت
خطا کی پھر اگر ایسی کسی نے

شکایت کر کے خود نادم ہوا ہوں
گھڑی ہے سوچ کر ایسی کسی نے

وفاداری میں کامل ہیں تو ہم ہیں
نباہی عمر بھر ایسی کسی نے

حواس و ہوش کھو بیٹھے ہیں بیخود
سنا دی ہے خبر ایسی کسی نے

دیکھ کر دل مرا لئے ہے بنی
اُن کو بھی آرزو کئے ہی بنی

اُن کو عہدِ وفا کئے ہی بنی
وصل کی شب زباں دئے ہی بنی

خوف تھا اُن کی بدگمانی کا
حشر کے روز لب سیئے ہی بنی

عشق میں پاسِ وضع نبھہ نہ سکا
جو کہی اُس نے وہ کئے ہی بنی

اُس نے زندہ کیا مجھے آکر
چار و ناچار پھر جئے ہی بنی

دل کے لینے پہ جب وہ اڑ بیٹھے
دل تو دل جان بھی دیئے ہی بنی

اُس نے شکوے کا جب کیا شکوہ
شرم سے سر فرو کئے ہی بنی

ہجر میں اُس کے مے نہ تھی ساقی
زہر کے گھونٹ تھے پیئے ہی بنی

اپنی شوخی سے وہ بھی ہیں مجبور
چٹکیاں دل میں پھر لیئے ہی بنی

دعوئ اتقا تھا بیخود کو
ہاتھ سے اُس کے مے پیئے ہی بنی

کروں تعریف کیا اک آدمی کی
لطافت حور کی شوخی پری کی

کہوں میں کس سے اپنی بیکسی کی
کہ مجھ سے دوستی نے بھی دشمنی کی

دُعائیں مانگتے گذری ہے اُن کو
شبِ غم جان بچ جائے کسی کی

الٰہی گل پہ کیا گذری چمن میں
کہ پکڑی شکل پھر اس نے کلی کی

لیا تھا دل تو اُس نے دوست بن کر
مری قسمت نے مجھ سے دشمنی کی

وہاں جا کر پھنسا ہے دل ہمارا
جہاں چلتی نہیں پیری کسی کی

جفا کب تک کروگے ان سے پوچھوں
مگر وہ کب کہیں گے اپنے جی کی

چھڑایا آسماں نے مجھ سے تم کو
نکالی ہے کسر اس نے کبھی کی

ہوا ہے جلوہ فرما باغ میں کون
نظر آئی ہے رنگت گل کی پھیکی

ازل میں یہ ہوئی ہم سے بڑی چوک
بدل لینی تھی قسمت مدعی کی

ستمگر ہم کبھی تجھ پر نہ مرتے — اگر اُمید ہوتی زندگی کی
ادہر آؤ مرے پہلو میں بیٹھو — سُناؤں اک خبر تم کو خوشی کی
چلی جاتی ہے آئینے کی حیرت — ابھی بھولا نہیں صورت کسی کی
فلک ہے یا کوئی آفت کا پُتلا — یہ ساری فتنہ سازی ہے اسی کی

کہوں کیا حال اپنا تم سے بیخود
جُدائی شاق ہے ساجد علی کی

وہ نظر آمادۂ پیکار ہو کر رہ گئی — موت آنے کے لئے تیار ہو کر رہ گئی
آنکھ اپنی آج کچھ خونبار ہو کر رہ گئی — اُس کے کوچے کی زمیں گلزار ہو کر رہ گئی
بات کرنے کی تمنا ہی رہی اُن سے ہمیں — لب جہاں کھولے زباں بیکار ہو کر رہ گئی
ہائے وہ نیچی نظر سے مُسکرا کر دیکھنا — ایک برچھی تھی کہ دل کے پار ہو کر رہ گئی
اُس کے کوچے میں قیامت نے اُٹھایا سر جہاں — پائمالِ شوخیٔ رفتار ہو کر رہ گئی
آہِ سوزاں سے توقع تھی کہ پھونکیگی فلک — یہ قلم افسوس آتشبار ہو کر رہ گئی
کچھ طرح رندوں نے دی کچھ محتسب بھی دب گیا — چھیڑ آپس میں سرِ بازار ہو کر رہ گئی
غیر کے گھر تک شبِ دیجور کی جائے بلا — یہ تو میرے ہی گلے کا ہار ہو کر رہ گئی
ہاتھ دامن تک نہ پہنچا تھا کہ وہ چمپت ہوئے — خواب میں قسمت مری بیدار ہو کر رہ گئی
وصل کی دیگر زباں دل میں بگڑ بیٹھا وہ شوخ — داروئے دردِ دل بیمار ہو کر رہ گئی
غیر نے جادو کیا اُس کی نگاہِ قہر پر — برق بن کر رُک گئی تلوار ہو کر رہ گئی

جب کسی ظالم کا بیخود ذکر سُن پایا کہیں
دل میں پیدا خواہشِ آزار ہو کر رہ گئی

ضبطِ غم بھی ہو شریکِ آلام کے
ولولے روکے دلِ خود کام کے

نزع میں رخصت ہوئے آزارِ عشق
میکشو جانے کو ہے فصلِ بہار

ہم کو اس کی بھی نہیں اُن سے اُمید
اِس میں تیری یاد اُس میں تیرا درد

لے نہ آتے حضرتِ ناصح اُسے
درد کو کینہ کو نہ دو دل میں جگہ

عشقِ صادق سے غرض کیا ہے نہیں
کس کو پھانسا چاہتے ہیں آج وہ

نااُمیدی نے مٹا دی آرزو

آہ کرتا ہوں کلیجہ تھام کے
ہم نے اس شیشہ کو رکھا تھام کے

دن اب آئے ہیں مرے آرام کے
چار دن ہیں دور دورے جام کے

صبح آ جائیں جو بھولے شام کے
دل جگر دونوں ہیں اپنے کام کے

آدمی ہوتے اگر کچھ کام کے
حرف ہیں اس میں تمہارے نام کے

چاہنے والے ہیں دشمن نام کے
مشورے ہیں غیر سے پیغام کے

کام یوں نکلے دلِ ناکام کے

نام سن کر اُس نے بیخود کا کہا
جائیے قربان ایسے نام کے

لے تو جاؤ دلِ ناشاد رہے یا نہ رہے
عشق میں پھر کوئی برباد رہے یا نہ رہے

آج ہی وعدۂ فردا بھی وفا ہو جائے
اُلفتِ غیر کا انجام پشیمانی ہے

جس کی آنکھوں میں تری چال کے فتنے ہوں بسے
اس سے کیا کام تمہیں تم تو ستائے جاؤ

یوں مرا نام تمہیں یاد رہے یا نہ رہے
جب نہ ہوں ہم تو یہ اُفتاد رہے یا نہ رہے

کل خدا جانے تمہیں یاد رہے یا نہ رہے
کہیے لکھ دوں اسے میں یاد رہے یا نہ رہے

منصفی شرط ہے برباد رہے یا نہ رہے
طاقتِ نالہ و فریاد رہے یا نہ رہے

دن جُدائی کے کسی طرح گزارے ہم نے
کیوں بتائیں تمہیں ناشاد رہے یا نہ رہے

دل مچلتا ہے مرا زلف میں رہنے کیلئے
کہئے کیا ہوتا ہے ارشاد رہے یا نہ رہے

کر چکے تم تو غلامی سے بس آزاد اسے
تم کو کیا باغ میں شمشاد رہے یا نہ رہے

اور کر لو ستم انصاف ہو جب تک اپنا
طبع پھر مائل بیداد رہے یا نہ رہے

شاد اتنا نہ ہوا اے چرخ مٹا کر مجھ کو
تو بھی باقی ستم ایجاد رہے یا نہ رہے

اس سے اچھے تمہیں مِل جائیں گے مرنے والے
تم رہو بیخودِ ناشاد رہے یا نہ رہے

بہت ہی دل میں پشیماں ہیں ستا کے مجھے
ہوئی ہے قدر مری خاک میں ملا کے مجھے

جتائے جاتے ہیں احسان بھی ستا کے مجھے
سکھا رہے ہیں وہ گویا چلن وفا کے مجھے

ابھی گیا تھا کوئی قبر میں سُلا کے مجھے
جگا دیا ابھی محشر نے غُل مچا کے مجھے

رکھا نہ ہم کو کہیں کا تری محبت نے
وہ کہہ رہے ہیں عدو سے سُنا سُنا کے مجھے

تری زبان سی چلتی ہوئی ہے آنکھ تری
فریب دیتی ہے یہ فتنہ گر دفا کے مجھے

ہزار بار بھی کیا کم سے کم نہ مر چکتا
تم اختیار جو دیتے مری قضا کے مجھے

دمِ اخیر خدا جانے یاد کیا آیا
کہ حسرتیں مری روئیں گلے لگا کے مجھے

تمیزِ عشق و ہوس پیشتر نہ تھی اُن کو
وہ اور ہو گئے مغرور آزما کے مجھے

شبِ وصال ادائیں بھی ہیں جفائیں بھی
دکھائے جاتے ہیں انداز کس بلا کے مجھے

یہ کیا ستم ہے ستم داخلِ ستم بھی نہیں
ابھی تو دیکھ رہے ہیں وہ آزما کے مجھے

جفائیں بھی ہیں جبھی تک کہ عشق مخفی ہے
نگاہ بھی نہ ملاؤ گے آزما کے مجھے

بُری بلا ہے محبت تمہیں یہ یاد رہے
تم اس بلا میں نہ پھنسنا کہیں پھنسا کے مجھے

زمانے کو ہے ابھی حور کا گماں تم پر
تم اپنی قدر گھٹاتے ہو کیوں ستا کے مجھے

وہ آئی یاد شب غم کسی کی پہلو میں
وہ چٹکیاں کوئی لینے لگا جگا کے مجھے

یہ نقش پا نہیں تحریر ہے مقدر کی
ابھی گیا ہے کوئی خاک میں ملا کے مجھے

یہ میرے ساتھ عداوت ہے یا عیادت ہے
وہ دیکھ جاتے ہیں دشمن کے گھر سے آ کے مجھے

جفا کے رشک میں پیدا جفا سے بڑھ کر ہے
جلایا آپ نے دشمن کو کیوں جلا کے مجھے

جو سیر دیکھنی منظور ہے تمہیں بیخود
بھڑا دو حضرت زاہد سے مے پلا کے مجھے

جب اجازت ہی نہیں ہے شادمانی کیلئے
درد فرقت چھوڑ جاؤ پاسبانی کے لئے

ہے سلیقہ شرط ساقی میزبانی کے لئے
بند کر رکھو بوئے مے کو شیخ فانی کے لئے

آدمی کی شکل میں دعویٰ خدائی کا چہ خوش
کیا زباں دی ہے بتوں کو لن ترانی کے لئے

تم سنو یا داور محشر سنے کوئی سنے
سننے والا چاہیئے میری کہانی کے لئے

کیوں دیا روز ازل داغ جدائی کیوں دیا
کیا یہی دل تھا الٰہی اس نشانی کے لئے

زیب دیتی ہیں ابھی تو شوخیاں بیباکیاں
نیچی نظر دل کو لگا رکھو جوانی کے لئے

آپ کیوں عہد وفا پر مجھ سے لیتے ہیں قسم
اس کو رہنے دیجئے اپنی بدگمانی کے لئے

دیکھ کر آئینہ پہلے چپ ہوئے پھر یہ کہا
منہ تو بنوائیے یہ اپنا دلستانی کے لئے

حرف مطلب کو اڑا کر بات کی جب بات کی
یوں زباں سے کام ہم نے بیزبانی کے لئے

جھک گیا جب سر تو یاد آیا وہ تن کر بیٹھنا
ہم نے پیری میں مزے جوش جوانی کے لئے

ٹوٹنا شمشیر کا تھکنا ترا آساں نہیں
چاہیئے پتھر کا دل بھی سخت جانی کے لئے

حسن میں کامل ادا میں فرد یکتا ظلم میں
آپ نے چھوڑا ہی کیا ہے نقش ثانی کے لئے

آسماں نے تو دیئے بیخودؔ بہت رنج و الم
ہم نے جانا تھا یہ ہر راحت رسانی کے لئے

متانت ہے اُس بت کی چتون میں کیسی
نکالی ہے صورت لڑکپن میں کیسی

حیا فتنہ گر شوخ چستون میں کیسی
بناوٹ یہ بیساختہ پن میں کیسی

کہیں سے جو اُترا ہو وہ شوخ پرفن
پھبن ہے قیامت کی جوبن میں کیسی

یہ اُس کی نگاہیں ہیں یا میری آہیں
چمکتی ہے بجلی سی چلمن میں کیسی

پھری آنکھ اُس کی کہ پلٹا زمانہ
یہ چلنے لگی دوست دشمن میں کیسی

دغا دی جو حسرت نے بھی بعدِ مردن
بنیگی مرے دم پہ مدفن میں کیسی

وہ انبار پھولوں کے یارب کہاں ہیں
لٹی آج لنکا یہ گلشن میں کیسی

مجھے خونِ بلبل کی بو آرہی ہے
یہ کلیاں ہیں گلچیں کے دامن میں کیسی

وہ اپنے پرائے پہ منھ آرہے ہیں
کھلی ہے زباں بزمِ دشمن میں کیسی

گلا گھونٹتی ہے تری زلفِ پُرخم
یہ پھانسی پڑی میری گردن میں کیسی

کہیں کھل پڑا دل تو میری خطا کیا
گرہ آپ نے دی تھی دامن میں کیسی

بُری چیز ہے آرزو بھی ہماری
کھٹکتی ہے یہ چشمِ پرفن میں کیسی

نکل ہند سے چل مدینے کو بیخودؔ
رمائی ہے دھونی مہابن میں کیسی

خاک بھی ہم تو نہ اے ناصح ناداں سمجھے
جا کے سمجھا اُسے تو جو تجھے انساں سمجھے

دشمنِ جاں اسے غارت گرِ ایماں سمجھے
کیا ترے وصل کے ارماں ہم ارماں سمجھے

جان کر چاک کئے ہم نے وہ دیوانے ہیں
جیب کو جیب گریباں کو گریباں سمجھے

چل سرک دور ہو ہٹ جا وہ سحر آ پہنچی
جا نکل تجھ سے خدا اے شبِ ہجراں سمجھے

دیکھ کر مجھ کو کہا ناز سے مرتا بھی نہیں
موت آجانے کو اُلفت میں وہ آساں سمجھے

دیکھ لی میری وفا کھل گئے دشمن کے فریب
ہوگیا اب تو یقیں اب تو مری جاں سمجھے

کیا ملاقات تری کھیل سمجھ رکھی ہے
کہیں ایسا نہ ہو دشمن سے نگہباں سمجھے

ہم نے کی عشق سے تعلیم فنا کی حاصل
دردِ الفت کو ہر اک درد کا درماں سمجھے

ہوچکا قطعِ تعلق تو لگاوٹ کیسی
کیا مرے دل کو وہ ٹوٹا ہوا پیماں سمجھے

دیکھ کر چیں بہ جبیں ہو گئے منھ پھیر لیا
آئینے کو وہ مرا دیدۂ حیراں سمجھے

کعبہ و دیر ہے خالی وہ مرے دل میں ہے
کیا خدا جانے اُسے گبر و مسلماں سمجھے

ناسمجھ تم نے بتوں کو جو سنا ہو ناصح
اُنہیں لوگوں میں ہے وہ دشمنِ ایماں سمجھے

چھیڑ اچھی نہیں اُن سے شبِ وعدہ بیخود
دل میں کچھ مصلحتِ وقت بھی انساں سمجھے

محبت غیر کی اے حیلہ گر کچھ اور کہتی ہے
ترے سر کی قسم تیری نظر کچھ اور کہتی ہے

صبا آج اُن کے آنے کی خبر کچھ اور کہتی ہے
ہمارے دل کی بیتابی مگر کچھ اور کہتی ہے

یہ تیری حیلہ سازی فتنہ گر کچھ اور کہتی ہے
زباں کچھ اور ہی کچھ ہے نظر کچھ اور کہتی ہے

نگاہِ ناز کی شوخی سے کیا واقف نہیں دشمن
اِدھر کچھ اور کہتی ہے اُدھر کچھ اور کہتی ہے

تری تصویر کہتی ہے کہ اب میں بول اُٹھتی ہوں
جھجکتی کیوں ہے کہہ گذرے اگر کچھ اور کہتی ہے

پیامِ رشک لایا ہے جواب خط نہیں لایا
یہ تیری بیقراری نامہ بر کچھ اور کہتی ہے

کسے جھوٹا کسے سچا کہوں یہ تو بتا دیجے
زباں کچھ اور کہتی ہے نظر کچھ اور کہتی ہے

تری تشخیص بھی کامل تری تدبیر بھی اچھی
مری قسمت مگر اے چارہ گر کچھ اور کہتی ہے

نزاکت ایک جانب ہے عتاب و قہر اک جانب
نظر کچھ اور کہتی ہے کمر کچھ اور کہتی ہے

زمانے میں ہزاروں خوبرو دیکھے ہیں ہم نے بھی
تری صورت مگر رشکِ قمر کچھ اور کہتی ہے

چھپاتی ہے تری چشمِ سخن گو رازِ دشمن کا
یہ کہنے کو تو کہتی ہے مگر کچھ اور کہتی ہے

سنوں کیا کان رکھ کر میں ترے نغموں کو اے بلبل
نسیمِ صبح گلشن کی خبر کچھ اور کہتی ہے

ہماری سادہ لوحی ہے جو اس کو سادگی سمجھیں
تری بانکی ادا ترچھی نظر کچھ اور کہتی ہے

کہا کیجے ہمیں نفرت ہے تجھ سے میں نہ مانوں گا
محبت کی نظر باہم دگر کچھ اور کہتی ہے

قیامت کی خبر تو لوگ پہلے سے بھی دیتے ہیں
تری اٹھتی جوانی فتنہ گر کچھ اور کہتی ہے

پھنسے ہو بے طرح اب کے کسی ظالم کے پھندے ہیں
یہ وحشت بیخود آشفتہ سر کچھ اور کہتی ہے

کہیں قاصد سے بھی یہ کام بھلا ہوتا ہے
دل کا پیغام تو نظروں میں ادا ہوتا ہے

ابھی اس سر کی قسم عہدِ وفا ہوتا ہے
مرنے والا تو مری جان برا ہوتا ہے

غیر کے عشق میں تاثیر کہاں سے آئی
اور ہوتا ہے وہ نالہ جو رسا ہوتا ہے

کس کی طاقت ہے بری آنکھ سے دیکھے ان کو
ان بتوں کا تو نگہبان خدا ہوتا ہے

ابھی کیا کیا نہیں ٹوٹی ہے قیامت مجھ پر
مجھ ہی کمبخت سے پھر عہدِ وفا ہوتا ہے

کر چکے وعدۂ فردا پہ خدا کو شاہد
اب مکر جائیں اگر آپ تو کیا ہوتا ہے

رائے دیجے جو کسی کام میں سنتے بھی نہیں
کام بگڑے تو مزا یہ ہے گلا ہوتا ہے

کوئی اس وقت کا عالم مرے دل سے پوچھے
جس گھڑی غیر سے وہ دل میں خفا ہوتا ہے

ہر جگہ حضرتِ زاہد نے بتایا اس کو
ہم تو سمجھے تھے فقط ایک خدا ہوتا ہے

میں جو کہتا ہوں کہ پیمانِ وفا ہو جائے
منہ بنا کر وہ یہ کہتے ہیں بھلا ہوتا ہے

یوں پلٹ جائے جو دم بھر کو زمانہ یارب
ق
ابھی حاصل ہمیں الفت کا صلا ہوتا ہے

منتوں سے شب وعدہ وہ منائیں ہم کو
ہم تجاہل سے کہیں آج یہ کیا ہوتا ہے

بیخود اُس بزم میں جاتا ہے خدا خیر کرے
ہائے کیا شخص گرفتارِ بلا ہوتا ہے

خدا رکھے تجھے میری بُرائی دیکھنے والے
وفاداری میں طرزِ بیوفائی دیکھنے والے

سنبھل اب نالۂ دل کی رسائی دیکھنے والے
قیامت ڈھائیں گے روزِ جدائی دیکھنے والے

ترے خنجر کو بھی تیری طرح حسرت سے تکتے ہیں
تری نازک کمر نازک کلائی دیکھنے والے

جھجک کر آئینہ میں عکس سے اپنے وہ کہتے ہیں
یہاں بھی آگئے صورت پرائی دیکھنے والے

پلک جھپکی کہ دل غائب بغل خالی نظر آئی
تری نظروں کی دیکھیں گے صفائی دیکھنے والے

انہیں آنکھوں سے تو نے نیک و بد عالم کا دیکھا ہے
اِدھر تو دیکھ لے ساری خدائی دیکھنے والے

گرے غش کھا کے جب موسیٰ کہا برقِ تجلی نے
قیامت تک نہ دیگا وہ دکھائی دیکھنے والے

مری میت پہ بن آئی ہے اُن کی سب سے کہتے ہیں
وفاداروں کی دیکھیں بیوفائی دیکھنے والے

نظر ملتی ہے پیچھے پہلے تنتی ہیں بھنویں اُن کی
کہاں تک دیکھے جائیں کج ادائی دیکھنے والے

مٹا انکار تو حجت یہ نکلی منھ دکھانے میں
کہ پہلے جمع کر دیں رونمائی دیکھنے والے

کہاں تک وُہ قسمت کے لکھے کو بس اُلٹ پردہ
تجھے دیکھیں گے اب تیری خدائی دیکھنے والے

کبھی قدموں پہ تھا اب اُن کے دل میں ہے جگہ میری
مجھے دیکھیں مقدر کی رسائی دیکھنے والے

کوئی اتنا نہیں جو آکے پوچھے ہجر میں بیخود
ترا کیا حال ہے رنجِ جدائی دیکھنے والے

فریفتہ یہ دلِ بیقرار کس کا ہے
یہ نوکِ لب پہ مرے بار بار کس کا ہے

بنے ہیں نقش قدم دیدۂ تمنائی
یہ انتظار سر رہگذار کس کا ہے

چلا جو بزم سے میں اوٹھ کر کہا اُس نے
برائے دل یہ بھلا اختیار کس کا ہے

شب وصال یہ آواز کان میں آئی
ہجوم شوق میں اب انتظار کس کا ہے

ہمارے دل کی طرح چھا رہی ہے حسرت سی
تری گلی میں نیا یہ مزار کس کا ہے

کسی کے ظلم کی جی کھول کر کریں فریاد
کہ خوف اب ہمیں روز شمار کس کا ہے

عدو کے قول کی تردید کیوں نہ ہم کرتے
یہ دیکھنا تھا تمہیں اعتبار کس کا ہے

یہ کون مجھ سی ہم آغوش ہے خدا جانے
مری بغل میں یہ دل بیقرار کس کا ہے

ہم ایک عمر سے واقف ہیں خوب بیخود سے
کوئی اُبھارے اسے پھر یہ یار کس کا ہے

تم اُڑانے لگے ہنسی دل کی
کیا کہے تم سے اب کوئی دل کی

اُن کے آگے نہ کچھ چلی دل کی
دل ہی میں آج رہ گئی دل کی

نظر آیا جو کوئی گھر ویراں
شکل آنکھوں میں پھر گئی دل کی

ناز تھا ہم کو ضبط الفت پر
بیقراری نہ چھپ سکی دل کی

خاک تربت مری مٹاؤ گے
تم سے حسرت نہ مٹ سکی دل کی

ہجر میں اُس کے جان کیا نکلی
پھانس گویا نکل گئی دل کی

اُس کی حسرت بھی کر گئی پامال
کہہ رہی ہے یہ بیکسی دل کی

آہ میں کچھ اثر سا پاتا ہوں
رنگ لائی شکستگی دل کی

اُن کو روشن ہے حال سب اپنا
دل کو ہوتی ہے آگہی دل کی

اُس نے باتوں میں کر دیا جادو
بات منھ سے نکل گئی دل کی

آئینہ مُنھ تو اپنا بنوائے
یہ کرے گا برابری دل کی

جب کہا میں نے کیوں ستاتے ہو
ہنس کے اُس نے کہا شوخی دل کی

اس محبت کی آگ نے ظالم
خوب مٹّی خراب کی دل کی

ایسے گھُنّے کہاں زمانے میں
بات بیخود نے کب کہی دل کی

قضا کے ہیں وعدے وفا ہونے والے
کوئی دن کے ہیں مبتلا ہونے والے

تمہاری نگاہیں ہوں یا میری آہیں
یہ ناوک نہیں ہیں خطا ہونے والے

ستم وہ بھی کرلو جو باقی رہا ہو
ملیں گے نہ ہم سے فدا ہونے والے

رہیں گے لحد میں بھی ارمان اُن کے
نہیں ہیں یہ دل سے جدا ہونے والے

وہ اقرار کرتے ہیں کہتی ہے شوخی
یہ وعدے نہیں ہیں وفا ہونے والے

زمانے میں دیکھے نہیں ہم نے تم سے
خفا کرنے والے خفا ہونے والے

پہنچنے لگا ہاتھ بندِ قبا تک
یہ ناخن ہیں عقدہ کشا ہونے والے

بہت مرچکے ہیں بہت جاں بلب ہیں
بہت تجھ پہ ہیں مبتلا ہونے والے

جنہیں لوگ کہتے ہیں بیخود یہی ہیں
ہزاروں میں تجھ پر فدا ہونے والے

عاشق کے لئے ظلم ہے یہ لطف و کرم بھی
داخل ہو ستم میں نہ کہیں عذرِ ستم بھی

کھا جائیں فریب ایسے تو ناداں نہیں ہم بھی
وعدہ بھی غلط آپ کا جھوٹی ہی قسم بھی

کعبے کا پتہ ہم کو بھی اے شیخ بتادو
شاید کبھی جانکلیں اُدھر بھول کے ہم بھی

جھوٹا تمہیں یہ کرتے ہیں شرم آتی ہے ہم کو
دیکھو تو ذرا شوخ ہیں کیا نقشِ قدم بھی

آنکھیں مرے صیاد کی کیا صید فگن ہیں
قربان ہیں ان آنکھوں پہ آہوئے حرم بھی

اب خط میں لکھا چاہتے تھے حرفِ تمنا
ٹوٹا ہے کہاں آ کے مقدر سے قلم بھی

بھولا ہوں جو دم بھر کو بھی میں یاد کسی کی
پیغام یہ آیا کبھی یاد آتے ہیں ہم بھی

قیمت تو گراں ہے دلِ مضطر کی ہمارے
ہاں آپ خریدیں گے تو ہو جائیگی کم بھی

اک بات نکلتی ہے ہر اک بات میں اُس کی
انداز سے خالی نہیں ہوتا ہے ستم بھی

جنت جسے کہتے ہیں وہ اُس شوخ کا گھر ہے
اُس کوچے کا اک نام ہے گلزارِ ارم بھی

انداز نرالے ہیں زمانے سے کچھ ان کے
کیا چیز ہیں اس عالمِ امکاں میں صنم بھی

کہتے ہیں شبِ وصل وہ کچھ بن نہیں آتی
مجبور ہیں تیرے دلِ بیتاب سے ہم بھی

ہر سانس کھٹکتا ہی رہا سینے میں پیہم
گذرا نہ تری یاد سے خالی کوئی دم بھی

بیخود بھی ہوا چاہتے ہیں اُس کے خریدار
گو جیب میں حضرت کی نہیں ایک درم بھی

کرامت یہ ہوئی ظاہر چمن میں بادہ خواروں سے
برس کر جب کھلا تو پھول برسے شاخساروں سے

ابھی واقف نہیں ہے کوئی تیرے دلفگاروں سے
قیامت میں یہ دولہا بن کے نکلیں گے مزاروں سے

ترے بیخود ہی کچھ اچھے رہے پرہیزگاروں سے
کہ حوروں نے نکالا تھام کر بازو مزاروں سے

جلایا خرمنِ گل کو تری برقِ تبسم نے
یہ وہ بجلی ہے جو بچ کر گری گلشن میں خاروں سے

جہاں مڈبھیڑ ہو جاتی ہے بے لوٹے نہیں رہتے
اجل کترا کے چلتی ہے تمہارے جاں نثاروں سے

مجھے منظور ہے اے فلک آنکھیں تو ہوں تجھ کو
ملا کر دیکھ میرے دل کے داغوں کو ستاروں سے

اُجاڑا گلشنِ ہستی کو کیا کیا تیغِ قاتل نے
خزاں آئی ہے میرے باغ میں کن کن بہاروں سے

لگائے تو نہیں دیوارِ چمن پر ہر طرف کانٹے
کہیں بادِ خزاں اُلٹی ہے ایسے ایسے خاروں سے

ہماری سخت جانی پر اُنہیں کیا کیا بھروسہ تھا
یہ کیونکر مر گیا وہ پوچھتے ہیں سوگواروں سے

سُنا ہے ہم نے ظالم ہیں بہت دلکش تری آنکھیں
مزاج ہے کہ یہ دل چھین لیں پرہیزگاروں سے

اُدھر بجلی کی کیفیت اِدھر سیماب کی حالت
وہ جب ملتے ہیں یوں ملتے ہیں اپنے بیقراروں سے

رسائی آہِ سوزاں کی فقط اتنی نظر آئی
چمک جاتی تھی اک بجلی سی کچھ اونچے ستاروں سے

زباں سے حرفِ وعدہ صاف کیونکر اُن کی آجاتا
وہ کچھ سمجھا گئے مجھ کو کنائے سے اشاروں سے

قیامت ہیں وہ مشتاقوں کو اپنے دیکھ کر بولے
بچے گی جان کیونکر دیکھئے اُن جاں نثاروں سے

اگر تخمِ محبت باغباں گلشن میں بو دیتا
بجائے برگِ گل شعلے نکلتے شاخساروں سے

وہ کہتے ہیں تمہارا دل بھی بدظن بدگماں تم بھی
کرے میری بلا عہدِ وفا بے اعتباروں سے

کہیں تم سادگی سے اُس کے فقروں میں نہ آجانا
بڑا عیّار ہے بیخود بلا ہوگا ہزاروں سے

قیامت چھپتی پھرتی ہے تمہارے بیقراروں سے
اجل کا دم نکلتا ہے انہیں آفت کے ماروں سے

بہار اب کے نئی آئی ہے کچھ اگلی بہاروں سے
بجائے غنچہ نکلے شاخسانے شاخساروں سے

تجلی تیری کب کرتی ہے پردہ جاں نثاروں سے
نکلتی دیکھ لی ہے روشنی اکثر مزاروں سے

بناوٹ کی حیا ہم تاڑ لیں گے سات پردوں میں
تمہاری آنکھ کی شوخی کہیں چھپتی ہے یاروں سے

بگڑنا روٹھنا وہ اُن کا وہ میرا منا لینا
مگر یہ کس طرح کیونکر اشاروں میں اشاروں سے

یہاں سوزِ جگر پنہاں ہاں پابندیٔ ظاہر
ترے عشّاق کی بنتی نہیں پرہیزگاروں سے

نہ آنکھوں کو خبر تیری نہ دل آگاہ ہے تجھ سے
چھپایا راز تیرا ہم نے ایسے رازداروں سے

سمٹنا، پھیلنا، جھکنا، سنبھلنا ان کا حصہ ہے
تڑپنا سیکھنی ہے برق تیری بیقراروں سے

وہ دل کا لوٹ جانا وہ حواسوں کا بکھر جانا
پھرا کر آنکھ وہ جانا ترا اُمیدواروں سے

ہمارا مُدّعا جس کو مہینوں ہم نے سوچا تھا
جواب اُس کا مِلا چٹکی بجاتے ہیں اشاروں سے

بشر ہیں یا سپہرِ حسن و خوبی کے ستارے ہیں
رہے آباد میخانہ الٰہی بادہ خواروں سے

نزاکت کا نیا پہلو ہی گونگے بن بیٹھے ہیں
زباں کو کیوں تھکائیں بات کرتے ہیں اشاروں سے

خدا کے طالبِ دیدار تو محشر میں سب ہونگے
ملیں گے آپ کیا اُس دن نئے اپنے جاں نثاروں سے

شہیدانِ وفا کی خاک پر کیسے گُلِ نرگس
تمہارے شوق میں آنکھیں نکل آئیں مزاروں سے

نہ چھیڑو بیخودِ مضطر کو تم اچھا نہیں دیکھو
ستانا دلفگاروں کو اُلجھنا بیقراروں سے

مصیبت جب کوئی مجھ پر پڑی ہے
دُعا تقدیر سے جا کر لڑی ہے

لڑی ہے آنکھ جب تجھ سے لڑی ہے
پڑی ہے جب نظر تجھ پر پڑی ہے

سہے جاتی ہے یہ جھٹکے پہ جھٹکا
مری زنجیر بھی کتنی کڑی ہے

اُسی کو صدر بزمِ حُسن پایا
اُسی پر آنکھ ہر پھر کر پڑی ہے

عدو کے گھر کی جانب تم نہ جانا
قیامت آج رستے میں کھڑی ہے

کسی پر مر کے کچھ بگڑا نہ دل کا
مصیبت جھیلنی مجھ کو پڑی ہے

شبِ غم چھت سے آنکھیں لگ رہی ہیں
جُھکی پڑتی ہے سر پر جو کڑی ہے

کبھی وعدے کا ہے اُن پر یقین بھی
کبھی کہتا ہوں قاصد نے گھڑی ہے

درازی دیکھ لی زلفِ رسا کی
شبِ فرقت مری اس سے بڑی ہے

نہ دی مے بخل سے پیرِ مغاں نے
یونہیں یہ رکھے ہی رکھے سڑی ہے

خفا ایسے نہ ہوتے تھے وہ مجھ سے
خدا جانے کسی نے کیا جڑی ہے

کیا پیرِ مغاں نے بھی عجب کام
جما کر دہول زاہد کے جڑی ہے

رہو اک رات بیخود اور مہماں
کہ دن بھی کم ہے منزل بھی کڑی ہے

پھر ملیں گے نہ تجھے ہم سے منانے والے
دیکھ پچھتائیگا اے روٹھ کے جانے والے

ہم دکھاتے کہ یہ ہیں دل کے لگانے والے
اس زمانے میں نہیں اگلے زمانے والے

دیکھ پایا جو ترا طالبِ دیدار مجھے
مجھ سے کترا کے چلے طور پہ جانے والے

تم نے دیکھا مجھے بدنام کیا غیروں نے
کیا بُرے لوگ ہیں یہ عیب لگانے والے

کس کو معلوم ہو اُس شوخ کی منزل کا پتا
راہبر ملتے ہیں سب راہ بُھلانے والے

اے دلِ زار تری حسن پرستی نہ مٹی
آگ لگ جائے تجھے میرے جلانے والے

نقشِ پا ہوں ترے کوچے میں ہر اک رہرو کا
چھوڑ جاتے ہیں مجھے راہ میں جانے والے

اپنے حصے کی بھی ساقی نے عطا کی مجھ کو
آپ پیتے نہیں اوروں کے پلانے والے

کیا دکھاتے ہیں ہمیں غیر تمہاری تصویر
میرے دل کو بھی تو دیکھیں یہ دکھانے والے

ہم نے معشوقِ طرح دار تو لاکھوں دیکھے
دل تو دو چار بھی ملتے نہیں آنے والے

اُن کو کیوں ہوتی ہے عاشق کی گوارا تکلیف
دل نہیں رکھتے ہیں کیا دل کے دُکھانے والے

بدگماں مجھ کو کئے دیتے ہیں یہ ڈھنگ ترے
لڑکھڑاتے ہوئے اے جھوم کے آنے والے

سُن کے پیغام دیا اُس نے یہ قاصد کو جواب
کون ہوتے ہیں وہ مہمان بلانے والے

دیکھنا اُن کی طرف سوچ سمجھ کر بیخود
دل چُرا لیتے ہیں یہ آنکھ چُرانے والے

دل کے ہاتھوں سے بچی جان بڑی مشکل سے
دم میں آیا ہے یہ نادان بڑی مشکل سے

روک کر ہم نے ترے تیر کو دل میں رکھا
آج ٹھیرا ہے یہ مہمان بڑی مشکل سے

بیوفائی کا گماں دل سے مٹا کر چھوڑا
مجھ پہ لائے ہیں وہ ایمان بڑی مشکل سے

یوں تو لاکھوں ہی ڈھلا کرتے ہیں سانچے میں حسیں
آدمی بنتا ہے انساں بڑی مشکل سے

بندوبست آپ کی محفل کا نرالا دیکھا
آنے پائے مرے اوسان بڑی مشکل سے

لے گئے وہ مرے ہاتھوں سے بچا کر دامن
اب بچے گا یہ گریبان بڑی مشکل سے

چاندنی کا چمن و بادہ و ساقی سی ہے لطف
جمع ہوتا ہے یہ سامان بڑی مشکل سے

رات دن غیر کے جھگڑوں میں پھنسے رہتے ہیں
اُن کو آتا ہے مرا دھیان بڑی مشکل سے

دیکھ کر بیخودِ دیں دار کو کہتے ہیں صنم
رام ہوگا یہ مسلمان بڑی مشکل سے

پچھتاؤ گے پھر ہم سے شرارت نہیں اچھی
یہ شوخ نگاہی دمِ رخصت نہیں اچھی

سچ یہ ہے کہ گھر سے ترے جنّت نہیں اچھی
حوروں کی ترے سامنے صورت نہیں اچھی

بھولے سے کہا مان بھی لیتے ہیں کسی کا
ہر بات میں تکرار کی عادت نہیں اچھی

کیوں کل کی طرح وصل میں تشویش ہوا اتنی
تم آج بھی کہدو کہ طبیعت نہیں اچھی

جب اتنی سمجھ ہے تو سمجھ کیوں نہیں جاتے
میں بھی یہی کہتا ہوں کہ حجّت نہیں اچھی

حوروں کی طرف آنکھ اُٹھا کر بھی نہ دیکھا
کیوں اب بھی کہو گے تری نیت نہیں اچھی

پہنچا ہے قیامت میں بھی افسانۂ اُلفت
اتنی بھی کسی بات کی شہرت نہیں اچھی

ہم عیب سمجھتے ہیں ہر اک اپنے ہنر کو
کیا کیجیے مجبور ہیں قسمت نہیں اچھی

مل آئیے دیکھ آئیے آج آپ بھی جا کر
بیخود کی کئی روز سے حالت نہیں اچھی

ڈھونڈ کر اُس کو نکالے سرِ محشر کوئی
چھپ گیا ہے مری فریاد سے ڈر کر کوئی

دیکھنا چاہے تو دیکھے اسے کیونکر کوئی
جلوہ گر ہے دلِ آباد کے اندر کوئی

دوست غمخوار مرے ڈھونڈ کے لاویں مجھ کو
ہاتھ لگ جائے جو اچھا سا مقدر کوئی

وہ اگر جھوٹ بھی بولیں تو یقیں ہو سب کو
ہم کہیں سچ بھی تو کرتا نہیں باور کوئی

تیری بیداد کا ہے ایک زمانہ شاکی
خوف سے کچھ نہیں کہتا ترے منھ پر کوئی

باغ میں کہتے ہیں وہ مجھ کو دکھا کر قامت
تم نے اس قد کا بھی دیکھا ہے صنوبر کوئی

غیر کے باب میں اک فقرہ تراشا ہے نیا
لطف آجائے جو کرلے اسے باور کوئی

جلوے سے کام ہے ہم طور پہ جا دیکھیں گے
لئے بیٹھا ہے اپنا رخِ انور کوئی

یہ وہ شے ہے کہ خدا نے بھی کیا جس کو پسند
کام دنیا میں نہیں عشق سے بہتر کوئی

تیرے چہرے سے بھلا ماہ کو نسبت کیا ہے
دلفریبی کا وہ رکھتا نہیں جوہر کوئی

اُڑ کے جاتا ہے قفس سے وہ چمن کی جانب
ٹوٹتا ہے جو پھڑکنے میں مرا پر کوئی

سو رہے شام ہی سے وصل میں وہ یہ کہکر
ہم بھی دیکھیں تو جگائے ہمیں کیونکر کوئی

خاک سے کوچۂ جاناں کی صدا آتی ہے
ظلم اس طرح بھی کرتا ہے کسی پر کوئی

آپ کو نام سے بیخود کے اگر نفرت ہے
آپ رکھ دیجئے پھر نام بدل کر کوئی

دردِ فرقت کا علاج اُن کی شرارت ٹھہری
دل جو تڑپا تو ذرا اپنی طبیعت ٹھہری

چاہنے والوں سے تم کو تو عداوت ٹھہری
عاشقی کاہے کو ٹھہری کوئی آفت ٹھہری

غیر کے گھر میں کسی نے نہ کیا ہو آرام
دیر تک آج ہماری شبِ فرقت ٹھہری

چرخ اچھا ہے تم اچھے ہو رقیب اچھا ہے
اک بُری سب میں ہماری ہی تو قسمت ٹھہری

پھر تو بیتابیٔ فرقت سے سُلٹ لونگا میں
دو گھڑی کو بھی اگر میری طبیعت ٹھہری

وعدہ کی شب مرے گھر تک وہ مچلتے آئے
سو جگہ راہ میں چل چل کے قیامت ٹھیری

اس طرح کا کوئی مہمان نہ دیکھا نہ سنا
گھر بنا کر دلِ بیتاب میں حسرت ٹھیری

کوئی کمبخت کسے پاسِ نزاکت کب تک
تم کو تو وصل میں تکرار کی عادت ٹھیری

آگئی ہائے بہت جلد گھڑی رخصت کی
دو پہر بھی تو نہ پوری شبِ عشرت ٹھیری

حسرتِ قتل نے آخر کو کیا کام تمام
میری قاتل مرے قاتل کی نزاکت ٹھیری

اور باتوں کو تو فرصت میں سنوں گا قاصد
یہ تو کہدے کوئی ملنے کی بھی صورت ٹھیری

ٹھوکریں کھائیگی دس بیس تو چل نکلیگی
سایہ بن کر ترے قدموں میں قیامت ٹھیری

کر لیا وعدۂ دیدار پہ سودا ہم نے
اُن سے ٹھیری بھی جو دل کی یہ قیمت ٹھیری

بے خیالی میں تو برسوں بھی پی ہم نے شراب
ڈگمگائی ہوئی مشکل ہی سے نیت ٹھیری

قتل کر کے مجھے کس ناز سے وہ کہتے ہیں
اب تو تسکین ہوئی اب تو طبیعت ٹھیری

وصل ہو ہجر ہو شادی ہو الم ہو غم ہو
چار دن ہے نہ سوا کوئی بھی حالت ٹھیری

کون بیٹھا رہے دن رات نگہباں بن کر
روز پی لینے کی بیخود کو تو عادت ٹھیری

شبِ فرقت خیالِ نرگسِ مستانہ رہتا ہے
لبوں پر دم ہے لیکن سامنے پیمانہ رہتا ہے

ادائے ناز سے خالی نہیں ہے اُن کی رنجش بھی
کہ اس میں بھی تو اک اندازِ معشوقانہ رہتا ہے

مری الفت کا سکہ ہو گیا جاری زبانوں پر
جہاں دیکھو یہی چرچا یہی افسانہ رہتا ہے

وہی تو ہے وہی تیرا تصور ہے وہی دل ہے
سوا تیرے کوئی اس میں نہ رہتا تھا نہ رہتا ہے

نہیں ممکن تلافی محتسب کے ظلمِ بیجا کی
مرے دل کی طرح ٹوٹا ہوا پیمانہ رہتا ہے

ترے پیکاں نے ارماں کی طرح گھر کر لیا دل میں
رہے ہل جل کے گر کوئی تو کب بیگانہ رہتا ہے

اسے کہتے ہیں ربطِ حسن و الفت بعد مرنے کے
حسینوں میں مرے بدلے مرا افسانہ رہتا ہے

فروغِ حسن جوشِ عشق سے خالی نہیں رہتا
ہمیشہ اُس گلی میں اک نہ اک دیوانہ رہتا ہے

مرے افسانۂ دل سے زمانہ ہوگیا واقف
بہت اب شمع سے کھٹکا ہوا پروانہ رہتا ہے

ہوا تھا مجھ سے کیا وعدہ ابھی نظروں ہی نظروں میں
تجھے کچھ یاد بھی اے نرگسِ مستانہ رہتا ہے

نہ کہنا بدگمانی اس کو یہ عینِ عقیدت ہے
نظر میں محتسب کی رات دن میخانہ رہتا ہے

مزا دردِ محبت کا لیا کرتے ہیں ہم بیخود
فغاں کے ساتھ لب پر نالۂ مستانہ رہتا ہے

دل میں کچھ چبھتی ہوئی تقریر ہونی چاہیے
نالہ کیسا بات میں تاثیر ہونی چاہیے

میری وحشت نے بنا رکھا ہے دیوانہ اسے
چارہ گر کی بھی مرے تدبیر ہونی چاہیے

مجھ سے وہ منہ پھیر کر بیٹھیں مجھے پروا نہیں
ہمنشیں سیدھی مری تقدیر ہونی چاہیے

قتلِ عالم آپ سے قاتل کو کیا دشوار ہے
اک ذرا چلتی ہوئی شمشیر ہونی چاہیے

وہ دکھاتے ہیں مجھے آئینہ بزمِ غیر میں
ہاتھ میں میرے بھی اک تصویر ہونی چاہیے

سن کے شکوہ ظلم کا چپکے سے وہ فرما گئے
آپ کی فریاد میں تاثیر ہونی چاہیے

چارۂ دردِ جدائی چارہ کچھ اور ہے
وہ کہاں ہوتی ہے جو تدبیر ہونی چاہیے

بن سنور کر چل چکے ہیں گھر سے وہ رستے میں ہیں
دم نکلنے میں ذرا تاخیر ہونی چاہیے

دیر لگتی ہی نہیں اُن کو خفا ہوتے ہوئے
جھوٹی سچی نام کو تقصیر ہونی چاہیے

حشر کے وعدے پہ بھی بیخود کو سمجھا لیں گے ہم
آپ کی مُہری کوئی تحریر ہونی چاہیے

تصویر نظر آگئی گلزارِ ارم کی
رونق ہے یہ کل باغ میں اک آپ کے دم کی

میرے دل مظلوم کو دیتے ہیں یہ دہمکی
کیا حشر کے دن کوئی منادی ہو ستم کی
بوسہ تو مجھے پاؤں کا لینے نہیں دیتے
آنکھوں سے بلائیں بھی نہ لوں نقشِ قدم کی
مشکل نہیں ہوتی ترے بیمار کی آسان
پڑھ پڑھ کے بہت سورۂ یٰسین بھی دم کی
ہو رشک اُڑائے نہ فلک ظلم ہمارے
ہر روز بدل دیتے ہیں وہ طرزِ ستم کی
انکار ہی لینے سے رہا مجھ کو ہمیشہ
خواہش کبھی پوری نہ ہوئی اہلِ کرم کی
ہو لاگ مرے رشکِ مسیحا کو اجل سے
بستی نہ ہو ویران کہیں ملکِ عدم کی
احسان جتا کر تو ستم ترک نہ کیجے
کافر ہو اگر آپ سے خواہش ہو کرم کی
ڈرتا ہوا نکلا ہی ترے کوچے سے کوئی
لغزش کہے دیتی ہے ہر اک نقشِ قدم کی
گذری ہیں جدائی میں برسات کی راتیں
بجلی کی طرح سے کبھی تقدیر نہ چمکی

بیخود تو ٹلا وصل کا اقرار ہی لیکر
کھاتے ہی رہے وہ تو قسم قول و قسم کی

دشمن کی محبت ہے عیاں طرزِ بیاں سے
قائل ہوئے جاتے ہو تم اپنی ہی زباں سے
کیوں مجھ کو برا کہتے ہو تم اپنی زباں سے
واقف ہوئے جاتے ہیں عدو رازِ نہاں سے
کچھ سینے میں رکتا ہے دم نزع مرا دم
رستے میں نہ ٹھیرا ہو کوئی چل کے مکاں سے
میں آپ کی الفت کا مقر ہو نہیں سکتا
جو دل میں نہیں آپ وہ کہتے ہیں زباں سے
دل دیکھ کے میرا وہ کس انداز سے بولے
مجھ کو تو دکھاؤ یہ اڑا لائے کہاں سے
ہوتی ہے شبِ وعدہ جو کچھ یاس سی دل کو
کہہ دیتے ہیں ہم اب کوئی آتا ہے وہاں سے
ہم ترک کریں عشقِ صنم حضرت ناصح
تشریف تو لے جائیں ذرا آپ یہاں سے
لینی ہے شہیدوں کی خبر حشر میں اُن کو
سینوں پہ وہ لکھ دیتے ہیں کچھ نوکِ سناں سے

کیوں ٹھوکریں کھانے کیلئے کعبہ کو جاؤں
آزاد سمجھتا ہوں اُسے قیدِ مکاں سے

تعریف سے یوسف کی مری درغرض تھی
کیوں لڑتے ہو اچھے سہی تم سارے جہاں سے

مستوں کی ہیں آنکھوں میں سمائی ہوئی نیندیں
یہ حشر میں چونکے ہیں بڑے خواب گراں سے

بیخود ہے یہ تصدیق کا انداز نرالا
سنتے ہیں مرا حال وہ دشمن کی زباں سے

جُدائی میں صدمے جو گذرے ہیں مجھ پر نہیں کہہ سکوں گا نہ تم سُن سکو گے
ستم کی کہانی ہے یہ بندہ پرور نہیں کہہ سکوں گا نہ تم سُن سکو گے

کہو حالِ دل ہے جو تاکید مجھ پر نہیں کہہ سکوں گا نہ تم سُن سکو گے
غرض کیا بنوں میں جو دیوانہ کہکر نہیں کہہ سکوں گا نہ تم سُن سکو گے

کئے ہیں ستم جس قدر تم نے مجھ پر وہ تم اپنے ہی دل سے پوچھو تو بہتر
کرو گے مرا حال کیا مجھ سے سُن کر نہیں کہہ سکوں گا نہ تم سُن سکو گے

دمِ عرض رُکنے لگا دم گلو میں نہ پوچھو مرا حال بزم عدو میں
وہ کچھ آنے والا ہے میری زباں پر نہیں کہہ سکوں گا نہ تم سُن سکو گے

تمہیں یاد بھی ہے وہ دشمن سے لڑنا سبب پوچھنے پر وہ مجھ سے بگڑنا
وہ غصے میں کہنا یہ پھر منھ بنا کر نہیں کہہ سکوں گا نہ تم سُن سکو گے

بنی ہے مرے نامہ بر کی وہ صورت کہ دیکھے سے جس کے ہوئی مجھ کو حیرت
سبب پوچھتا ہوں تو کہتا ہے رو کر نہیں کہہ سکوں گا نہ تم سُن سکو گے

مصیبت غمِ عشق کی کیوں سناؤں نہیں کوئی نادان جو دم میں آؤں
یہ وہ داستاں ہے بجز روزِ محشر نہیں کہہ سکوں گا نہ تم سُن سکو گے

سمجھ کر ہی کچھ دل میں خاموش ہوں میں نہ مے نوش ہوں میں نہ بیہوش ہوں میں
یہ قصہ یہ جھگڑا نہ چھیڑو تو بہتر نہ میں کہہ سکوں گا نہ تم سُن سکو گے

مفصل کہوں تم سے اپنی حقیقت سُنو حال تم یہ کہاں میری قسمت
مگر ایک شب میں یہ دفتر کا دفتر نہ میں کہہ سکوں گا نہ تم سُن سکو گے

وہ مُنھ پر شکایت کسی جنگجو کی وہ اک چھیڑ باتوں میں ذکرِ عدو کی
وہ کہنا مرا پھر یہ چپکے سے ہنس کر نہ میں کہہ سکوں گا نہ تم سُن سکو گے

اشارے بھی آپس میں کچھ ہوتے جائیں کہانی جدائی کی ہم روتے جائیں
سنو گے اسی طرح گر بن کے پتھر نہ میں کہہ سکوں گا نہ تم سُن سکو گے

بیاں کیا کروں تم سے میں دردِ دل کا کہ **بیخود** ہوں بیخود کو کیا ہوش اپنا
عبث ہے خموشی کا الزام مجھ پر نہ میں کہہ سکوں گا نہ تم سُن سکو گے

کیا ہوئے وہ جو تھے کرم پہلے — بات پیچھے ہے اب ستم پہلے
ہائے وہ ابتدا محبّت کی — یاد آتے ہیں رنج و غم پہلے
حسرتِ دید تو نکل جاتی — کاش آتے وہ ایک دم پہلے
دیکھنا ہے ترا جمال ہمیں — اپنے کو دیکھتے ہیں ہم پہلے
اب نہ آئیں گے ہم ترے دم میں — یاد ہیں ہم کو تیرے دم پہلے
رہروِ عشق سے بھی رہبر کے — ڈگمگانے لگے قدم پہلے
اب کسی میں نہیں تراش خراش — اور ہوتے تھے کچھ صنم پہلے
غیر سے وہ مرے لئے لڑنا — وہ مرے حال پر کرم پہلے
تو بتوں کو بُرا نہ کہہ زاہد — ان سے آباد تھا حرم پہلے

اب سنبھالا ہی ہوش قاتل نے
ایسے دلکش نہ تھے ستم پہلے

اب وہ بیخود نہیں رہا اے شوخ
ذکر ہیں یہ تری قسم پہلے

عشق کے شغل سے خالی نہ کسی آن رہے
توبہ کے بعد بھی دل میں بہت ارمان رہے

مہربان وہ بتِ کافر اگر اک آن رہے
ہی تو یوں پھر کوئی کافر ہی مسلمان رہے

کفر کے ساتھ بُرا کیا ہی جو ایمان رہے
آستینوں میں ہوں بت ہاتھ میں قرآن رہے

تم وہ ہشیار کہ طفلی میں بھی کھایا نہ فریب
ہم وہ بھولے کہ جوانی میں بھی نادان رہے

سادگی ایک زمانے کو تماشا ہو جائے
بانکپن کی بھی اگر اس میں کوئی شان رہے

اُس گنہگار کو زاہد نہ گنہگار سمجھ
عمر بھر اپنے کئے سے جو پشیمان رہے

حُسن و خوبی کی ادا ہے وہ پریشانی بھی
زلف کی طرح سے دل بھی جو پریشان رہے

لوٹ قاتل کی ادا پر نہ رہے دل اتنا
کھا کے خنجر بھی تڑپنے کو ذرا جان رہے

بات کا حضرتِ ناصح یہ کوئی موقع تھا
عمر بھر آپ تو حیوان کے حیوان رہے

ہو چکا چاک بہت اب تو یہی بہتر ہے
پردۂ چاکِ جگر بن کے گریبان رہے

وہ نہ آئیں شبِ وعدہ تو اجل آ جائے
زندگی تلخ ہے کچھ اور بھی سامان رہے

حشر کے روز تو ہنگامہ غضب کا ہو گا
چاہنے والوں کی اپنے تمہیں پہچان رہے

یوں رہا دل میں ترے میرا تصور برسوں
غیر گھر میں کوئی جس طرح سے انجان رہے

کس کی محفل ہے یہ کیا کہتے ہو منھ سے بیخود
کون بیٹھا ہے اُدھر کا بھی ذرا دھیان رہے

نگاہِ شرم میں پیدا شرارت ہوتی جاتی ہے
تری اُٹھتی جوانی اب قیامت ہوتی جاتی ہے

طبیعت کی برائی چھپ نہیں سکتی چھپانے سے
تری ہر لطف سے ظاہر عداوت ہوتی جاتی ہے
بیاں مجھ سے وہ دشمن کی برائی کرنے بیٹھے ہیں
مزا یہ ہے کہ میری بھی شکایت ہوتی جاتی ہے
ابھی تو خیر سے ارمان دل میں بڑھتے جاتے ہیں
بہت اس گھر میں مہمانوں کی کثرت ہوتی جاتی ہے
مجھے برباد کر کے وہ ستم سے باز آئے ہیں
بیاں کس ورد سے میری مصیبت ہوتی جاتی ہے
کہیں جو بات ہم تم سے نہ کہنا تم وہ غیروں سے
بٹھا کر مجھ کو پہلو میں نصیحت ہوتی جاتی ہے
رہا جب دم نہ خنجر میں تو زخموں میں نمک چھڑکا
مزا یہ ہے عنایت پر عنایت ہوتی جاتی ہے
بڑھاپے میں جگر سے داغ الفت مٹتے جاتے ہیں
یہ دولت ہاتھ آ کر مفت غارت ہوتی جاتی ہے

زمانہ اور تھا وہ حضرت بیخود کی چاہت کا
بہت اب چاہنے والوں کی کثرت ہوتی جاتی ہے

غرض ہے صرف اُس پردہ نشیں سے
ہمیں مطلب نہیں دنیا و دیں سے
کہے کیا کوئی تم سے نازنیں سے
کہوں گا دل کی صورت آفریں سے
عیاں ہے ترے کوچے کی زمیں سے
اُٹھے گا حشر کا فتنہ یہیں سے
تمہیں سے کرتے ہیں شکوہ تمہارا
یہ شیوہ ہم نے سیکھا ہے تمہیں سے
شب فرقت رہے پہلو نہ خالی
کوئی پتھر ہی لا ہمدم کہیں سے
مجھے آئے تھے رونے زندگی ہیں
گئے ہیں وہ ابھی اُٹھ کر یہیں سے
کوئی وعدہ وفا ہوتے نہ دیکھا
تری ہاں کم نہیں ظالم نہیں سے
نزاکت کھینچنے دیگی نہ خنجر
کریں گے قتل وہ چین جبیں سے
اُٹھے فتنے ترے کوچے میں اتنے
فلک چکرا گیا اس سرزمیں سے
وہ آئے جب کہ حسرت دیکھنے کی
ہوئی رخصت نگاہِ واپسیں سے

سنا کر حالِ دل کیا سر اٹھاؤں
خجل ہوں میں نگاہِ شرمگیں سے

تمہارے کام کا یہ دل نہیں ہے
تمہیں ہم اور لا دیں گے کہیں سے

اگر دشمن سے بھی ہوتا ہی جھگڑا
نگاہیں ان کی لڑتی ہیں یہیں سے

وہ گھبرا کر مرے پہلو سے اٹھے
ہوا حاصل یہ آہِ آتشیں سے

خدا آباد رکھے میکدے کو
یہ گھر بھی کم نہیں خلدِ بریں سے

ستم کی ابتدا کیونکر ہوئی تھی
یہ قصہ پھر سنا دیجے وہیں سے

بغل بھاری نظر آتی ہے بیخود
اڑا کر لائے ہو بوتل کہیں سے

ملا کے خاک میں دل کا خیال ہوتا ہے
ستم کے بعد انہیں انفعال ہوتا ہے

عجب بتوں کا بھی دلکش جمال ہوتا ہے
نگاہ ملتے ہی دل کا سوال ہوتا ہے

بیاں نہ کیجیے مجھ سے عدو کی رنجش کا
کہ اس خوشی سے بھی مجھ کو ملال ہوتا ہے

قضا کو لیکے شبِ وعدہ ساتھ آئے ہیں
غضب ہے وصل سے پہلے وصال ہوتا ہے

کہا یہ بوسے پر اس نے جھکا کے گردن کو
تری خطا سے ہمیں انفعال ہوتا ہے

کسی غریب پر آ جائے رحم کیا امکان
یہ ان بتوں میں ستم کا کمال ہوتا ہے

انہیں ہے دل کی ہوس وصل کی مجھے خواہش
کدھر سے دیکھیے پہلے سوال ہوتا ہے

بیاں کیا جو غمِ ہجر حسن سے فرمایا
یہی فراق میں اپنا بھی حال ہوتا ہے

کمالِ غیظ سے وہ مجھ کو ذبح کرتے ہیں
یہ قہر دیکھیے خنجر بھی لال ہوتا ہے

رکھو ہمارے دلِ سوختہ کو مٹھی میں
کہ بھاگوان ہتیلی میں خال ہوتا ہے

گرے جو چاہ میں یوسف کی ہو گئی شہرت
زوال ہی سے تو حاصل کمال ہوتا ہے

مزا دکھاتی ہے برسات کی اندھیری رات | مری بغل میں جو وہ مہ جمال ہوتا ہے

مزا یہ دل کو پڑا ہے تڑپنے کا **بیخود**
بغیر درد کے جینا وبال ہوتا ہے

وعدہ وہ ہو کہ جھوٹ کا جس پر گماں رہے | پھرتی ہوئی نظر کی طرح سے زباں رہے
انصاف کچھ تو اے دلِ مشتاق چاہیئے | کب تک شبِ وصال کوئی مہرباں رہے
مندر میں تیرا ذکر تھا مسجد میں تیری یاد | غافل کبھی نہ تجھ سے رہے ہم جہاں رہے
دنیا میں ظرفِ طالبِ دیدار دیکھ لو | موقوف حشر پر نہ فقط امتحاں رہے
ہے قافلے کو منزلِ مقصد کی جستجو | اُن کی خبر کسے جو پسِ کارواں رہے
دل کی لگی ہوئی کو بجھا دے نہ جوشِ یاس | گریہ کے ساتھ نالۂ آتش فشاں رہے
ان کو حیا کا پاس مجھے وضع کا لحاظ | برسوں پیامِ وصل تو نہیں درمیاں رہے
آ کر ہماری قبر پر اُس نے یہ کی دُعا | میرے مٹے ہوئے کا الٰہی نشاں رہے
معلوم ہوں اسے بھی نشیب و فرازِ عشق | گردش میں میرے ساتھ اگر آسماں رہے
برتوں وفا کے ڈھنگ کچھ ایسے کسی کے ساتھ | دشمن کی بھی زباں پہ مری داستاں رہے
یہ آرزو یہ شوق یہ ارمان یہ اُمید | کیا ہو اگر انہیں کی جگہ لب پہ ہاں رہے

بیخود تمہاری بزم میں کیا آ کے شاد ہو
تم نے تو اُس سے یہ بھی نہ پوچھا کہاں رہے

داد خواہوں کے لئے موت کے ساماں ہونگے | حشر میں آپ کے دشمن جو پریشاں ہوں گے
وہ مرے سامنے ہونگے بھی تو پنہاں ہونگے | پردے آنکھوں کے نقابِ رخِ تاباں ہوں گے
کہے دیتی ہے یہ دزدیدہ نظر کی شوخی | آج پورے کسی کمبخت کے ارماں ہوں گے

جینے دیتی نہیں اب ہم کو تمنائے وصال
آپ کی جان سے دور آپ پہ قرباں ہوں گے

مرگِ دشمن کی خوشی کیا ہو یہ معلوم نہ تھا
گیسوئے یار مری طرح پریشاں ہوں گے

پیشتر قول کے دینے سے بتا دو اتنا
کبھی اقرار یہ پورے بھی مری جاں ہوں گے

لیجیے حضرتِ دل وہ تو فلاطوں نکلے
میں نے جانا تھا کہ میرے ہی سے ناداں ہوں گے

یاد آئیں گی بہت اُن کو وفائیں میری
اب نہیں چار گھڑی بعد پشیماں ہوں گے

بد نصیبوں کو ترے موت کہاں وصل کے دن
میرے ارمان تو پورے شبِ ہجراں ہوں گے

بارِ منت کے اُٹھانے کی مجھے تاب نہیں
سر نہ ہوگا مری گردن پہ جو احساں ہوں گے

فصلِ گل ختم ہوئی جوشِ جنوں کم نہ ہوا
اور دس بیس ابھی چاک گریباں ہوں گے

یہ تو ممکن نہیں وہ غیر سے مل کر خوش ہوں
مُنھ سے کہتے ہیں مگر دل میں پشیماں ہوں گے

شاد تھا وصل میں اس کی نہ خبر تھی دل کو
پھر میسّر نہ مجھے عیش کے ساماں ہوں گے

نام سے بادہ و ساغر کے انہیں نفرت تھی
آج سُنتے ہیں کہ بیخودؔ بھی مُسلماں ہوں گے

ہچکیاں موت کی دو چار تو آنے دیجے
دم تو لیجے ابھی تلوار تو آنے دیجے

سب سمجھتا ہوں کہ ہوں نام کا میں دیوانہ
مجھ پہ مُنھ آتے ہیں اغیار تو آنے دیجے

عہدِ طفلی میں ہے کیوں حشر اُٹھانے کی ہوس
پاؤں میں طاقتِ رفتار تو آنے دیجے

جا کے قاصد تو وہاں حضرتِ دل بیٹھ رہا
موت آنے کو ہے تیار تو آنے دیجے

سخت جاں ہوں مجھے اک وار سے کیا ہوتا ہے
ایسی چوٹیں کوئی دو چار تو آنے دیجے

ہے سرِ ناز فروشی تو یہ جلدی کیا ہے
لاکھ دو لاکھ خریدار تو آنے دیجے

نوگرفتارِ محبت ہوں وفا مجھ میں کہاں
کم سے کم دل ابھی سو بار تو آنے دیجے

خیر جھوٹا ہی سہی وعدہ بھی ہو جائیگا — اُن کے لب تک ابھی اقرار تو آنے دیجے

کوئی روکے نہ اُسے حکم ہو دربانوں کو
آئے گر بیخود میخوار تو آنے دیجے

غیر اُس بزم میں ہیں پھولنے پھلنے کے لئے — مجھ کو یہ حکم ہے بیٹھے رہو جلنے کے لئے
چھیڑ کرتے ہیں وہ مجھ سے مرے جلنے کے لئے — پاس بیٹھا ہے عدو زہر اُگلنے کے لئے
داغ بن کر کوئی ٹھیرا کوئی پیکاں بن کر — دل میں آتے نہیں ارمان نکلنے کے لئے
تم کو انکار ہی جس سے وہ تمنّا نہ سہی — حسرتیں اور بہت سی ہیں نکلنے کے لئے
داغ دل میں نظر آتے ہیں جگر میں چھالے — کوئی جلنے کے لئے ہے کوئی پھلنے کے لئے
وہ نئی وصل کی راتیں وہ لڑکپن اُن کا — وہ ہر اک بات پہ تکرار مچلنے کے لئے
دی ہے کیا بلبل و پروانے کی قسمت مجھ کو — دن تڑپنے کے لئے رات ہے جلنے کے لئے
داور حشر سے اب لیکے تجھے چھوڑوں گا — خوب ہے حشر کا میدان مچلنے کے لئے
بات وہ کہئے کہ جس بات کے سو پہلو ہوں — کوئی پہلو تو رہے بات بدلنے کے لئے
رشک آتا ہے مجھے شمع کو تکلیف نہ دو — دل ہی کافی ہے مرا بزم میں جلنے کے لئے
عطرداں غیر کی محفل میں نہ آیا مجھ تک — مجھ کو موقع نہ ملا ہاتھ بھی ملنے کے لئے

وہ تو سنتے ہی نہیں کس سے کہوں میں بیخود
میرے ارمان تڑپتے ہیں نکلنے کے لئے

ہے اُن کی جُدائی میں یہ حالت کوئی دن کی — مہماں ہے میری شب فرقت کوئی دن کی
اِک حال میں انسان ہمیشہ نہیں رہتا — عشرت کوئی دن کی ہے مصیبت کوئی دن کی
گلشن میں بہار آئی ہے صیّاد سے کہدو — مل جائے اسیروں کو بھی رخصت کوئی دن کی

میں کیا کہوں کس طرح سے گذری ہے جوانی
لکھی تھی مقدر میں مصیبت کوئی دن کی

ہم تو ابھی دنیا کے بکھیڑوں میں پھنسے ہیں
مرنے کے لئے چاہیئے فرصت کوئی دن کی

وہ غیر کے کوچے سے اُسے ساتھ لگا لائے
بھٹکی ہوئی پھرتی تھی قیامت کوئی دن کی

وہ ایک دغا باز ہے دھوکے میں نہ آنا
اے حضرتِ دل ہے یہ عنایت کوئی دن کی

وعدہ پہ یہ انکار کا پہلو ہی نیا ہے
فرماتے ہیں ہے آپکی چاہت کوئی دن کی

آجائیگا جب وقت تو یہ بھی نہ رہیگی
بیمار محبت کو ہے غفلت کوئی دن کی

دل سے کہیں مٹتی ہے حسینوں کی محبت
ہے حضرتِ **بیخود** کو یہ نفرت کوئی دن کی

حوروں سے نہ ہوگی یہ مدارات کسی کی
یاد آئیگی جنت میں ملاقات کسی کی

چلنے کی نہیں آج کوئی گھات کسی کی
سُننے کے نہیں وصل میں ہم بات کسی کی

جھوٹا جو کہا میں نے تو شرما کے وہ بولے
اللہ بگاڑے نہ بنی بات کسی کی

ہے صبر ابھی اس دلِ مشتاق کو لازم
کچھ اور اُبھر آئے ذرا گات کسی کی

کیجے یہ دعا خیر سے اللہ گذارے
ہے زلفِ رسا سے بھی بڑی رات کسی کی

ہر وقت کسی شخص کی جپنی ہے زباں کو
دُھن ہے دلِ مشتاق کو دن رات کسی کی

کافر ہو اگر وصل کا ارمان ہو دل میں
مجھ کو تو فقط دیکھنی تھی بات کسی کی

جاتے ہوئے موت آتی ہے پیغامبروں کو
اُس کوچے میں گھٹ جائیگی کیا ذات کسی کی

دل نذر کیا تھا اُنہیں وہ پھیر کے بولے
لیتے نہیں ہم تو کوئی سوغات کسی کی

اقرار نہ ہو مُنھ سے لگاوٹ تو چلی جائے
انکار میں رہ جائیگی کیا بات کسی کی

مہمان جب آیا کوئی ناراض سدھارا
بیخود سے ہوئی کچھ نہ مدارات کسی کی

کس طرح لوں میں کروٹ کچھ ایسی لاغری ہے
بستر پہ جو شکن ہے سدِّ سکندری ہے

اُس چشمِ فتنہ گر میں پتلی نہیں پری ہے
سُرمے کے بدلے شوخی کچھ کوٹ کر بھری ہے

کہنے کو ذات اُس کی ہر چیز سے بری ہے
ہر شے میں جلوہ گر ہے کیا طرزِ دلبری ہے

دل میں بھرا ہوا ہے کینہ دغا کدورت
دیکھنے میں آنکھ اُس کی کیا صاف ہے کھری ہے

اُن پر نثار ہوں میں یہ ہے وفا کی خوبی
مجھ پر ستم کریں وہ یہ بندہ پروری ہے

پوشیدہ ہیں نظر سے صبر و سکون و طاقت
شامِ شبِ جدائی کیا تیرہ اختری ہے

ڈھائیگا قہر یا رب کیا اُس [illegible] پھرنا
گردش میں ساتھ جس کے یہ چرخِ چنبری ہے

ٹھوکر سے اُس نے لاکھوں مُردے جلا دئے ہیں
اعجازِ عیسوی ہے یا یہ فسوں گری ہے

جو زخم ہے بدن پر ہے چاکِ صبحِ محشر
جو داغ ہے جگر میں خورشیدِ خاوری ہے

بیمار پر تمہارے تصویر کا ہے عالم
تڑپے جو دردِ دل سے طاقت کہاں دھری ہے

کھلتے ہی کاگ زاہد اُڑ جائیگی ہوا پر
شیشے میں مے نہیں ہے اُتری ہوئی پری ہے

دل کس طرح نہ تڑپے ہر تیر ہے ترازو
پیکاں سے کم نہیں ہے ناوکِ جگر سری ہے

آتا نہیں ہے اس کو مکر و فریب ہرگز
ہے راستباز **بیخود** جو بات ہے کھری ہے

دل ٹھکانے نہیں ایسی وہ ضرورت کیا ہے
بیٹھے بیٹھے یہ آپ کو وحشت کیا ہے

جور کے بعد ستمگر یہ ندامت کیا ہے
منھ سے میں اُف بھی نکالوں مری طاقت کیا ہے

دے نہ سکتا جسے میں چیز وہ مانگی ہوتی
تم پہ قرباں کیا دل کی حقیقت کیا ہے

خاک میں مجھ کو ملانے کی ہیں ساری باتیں
میں تری بات سنوں مجھ کو ضرورت کیا ہے

محفلِ یار ہے یا حشر کا میداں یا رب
کوئی سنتا نہیں میری یہ قیامت کیا ہے

مجھ سے پوچھو نہ مرا حال عیاں را چہ بیاں
دیکھ لو تم مرے غمخوار کی حالت کیا ہے

اپنی شوخی کے اسے اور سکھاؤ انداز
دلِ بیتاب کی اب ہم سے شکایت کیا ہے

مانتے ہی نہیں تم یہ تو کوئی بات نہیں
مان لو بات ہماری تو قباحت کیا ہے

غیر سے عہدِ وفا تم نے کیا ظلم کیا
ٹوٹ سکتا نہیں پیمان یہ نزاکت کیا ہے

میں تو کہہ دوں گا مگر سن نہ سکو گے ہرگز
مجھ سے کیوں پوچھتے ہو تم، تری حسرت کیا ہے

مار رکھنے کے لئے ایک نظر کافی تھی
اس قدر بندہ نوازی کی ضرورت کیا ہے

مانگئے آپ نہ پہلی ہی ملاقات میں دل
مجھ کو معلوم تو ہو آپ کی عادت کیا ہے

غیر سے پوچھئے بیخود کی بلا کو ہے خبر
عشق کس چیز کو کہتے ہیں محبت کیا ہے

دل کھول کے جس وقت ستمگر سے چلے گی
برچھی سے چھنے گی کبھی خنجر سے چلے گی

ہے کتنی گرانبارِ الم خاک بھی اپنی
آندھی سے اڑیگی نہ یہ صرصر سے چلے گی

نکلی ہے دمِ ذبح مری نبض تو بجلی
تھا کس کو گماں تیز یہ خنجر سے چلے گی

کیا بھول گئی ہے تری ٹھوکر کو قیامت
کیونکر نہ دبے پاؤں ترے ڈر سے چلے گی

میں مان گیا تھی جو شبِ وصل تو پھر کیا
بیری نہ کسی کی دلِ مضطر سے چلے گی

رکتی ہے کہیں عمرِ رواں، بوجھ سے غم کے
کشتی یہ نہیں ہے جو نہ لنگر سے چلے گی

ہوتا ہے ترے گھر میں نئی بات کا ایجاد
جب بات چلیگی کوئی اس گھر سے چلے گی

ساتھ آپ کے چلتے ہوئے رکتی ہے قیامت
ٹھکرائیں اسے آپ یہ ٹھوکر سے چلے گی

دنیا ہی میں چلتی ہے یہ تلوار تمہاری
محشر میں زباں بھی نہ مرے ڈر سے چلے گی

آتا ہوا دل کوئی نظر آئے گا جس دم
لینے کو ادا چشمِ ستمگر سے چلے گی

تقدیر میں دشمن کی شہادت نہیں لکھی
وہ تیغ ہمارے ہی مقدر سے چلے گی

رستے میں مجھے دیکھ کے بیٹھا ہوا بولے
مخلوق خدا کیا ترے سر پر سے چلے گی

اُس کی صفِ مژگاں سے مقابل نہ ہو بیخود
نادان ہے کچھ پیش نہ لشکر سے چلے گی

منھ پھیر کر وہ کہتے ہیں بس مان جائیے
اس شرم اس لحاظ کے قربان جائیے

یوں خاک میں ملا کے نہ ارمان جائیے
غصّہ کو تھوک دیجئے بس مان جائیے

آئینہ دیکھ لیجے جو میری نگاہ سے
میری طرح سے آپ بھی قربان جائیے

بھولے نہیں ہیں ہم وہ مدارات رات کی
جی چاہتا ہے پھر کہیں مہمان جائیے

یہ کہہ کے میرے سامنے ٹالا رقیب کو
مجھ سے کبھی کی جان نہ پہچان جائیے

وہ غیر کا ہے اور یہ میرا مزار ہے
اچھی طرح سے قبر کو پہچان جائیے

قاتل کو میرے قتل کا فرمان مل چکا
جائیں گے دشمنوں کے اب اوسان جائیے

کیوں؟ آنکھ تو ملائیے کیسے ستم سہے
انصاف تو یہ ہے کہ مجھے مان جائیے

میں بیوفا ہوں اور وفادار آپ ہیں
کیا سچ کہا ہے آپ کے قربان جائیے

بولے وہ مسکرا کے بہت التجا کے بعد
جی تو یہ چاہتا ہے تری مان جائیے

آگے ہے گھر رقیب کا بس ساتھ ہو چکا
اب آپ کا خدا ہے نگہبان جائیے

انجامِ عشق حضرتِ ناصح سمجھا چکے
کیجے نہ مجھ کو اور پریشان جائیے

ظاہر ہے یہ تو آپ مری مانتے نہیں
انعام کیا ملے گا اگر مان جائیے

اُلفت جتا کے دوست کو دشمن بنا لیا
بیخود تمہاری عقل کے قربان جائیے

صبح ہو جائے گی اب دم بھر میں چل کر سوئیے
ہو چکی میری شکایت بندہ پرور سوئیے

دشمنوں کے خواب میں دشمن نہ آ جائے کہیں
طالع خوابیدہ کو میرے جگا کر سوئیے

حشر کا فتنہ جو ہو بیدار یہ اچھا نہیں
جاگنے سے آپ کا سونا ہے بہتر سوئیے

خواب کیسا ہوش اُڑتے ہیں تصور سے یہاں
اِن بتان سنگ دل کے غم میں پتھر سوئیے

آپ گھبرائیں نہیں میری کہانی ہو چکی
رہ گئی ہے اور تھوڑی سی یہ سن کر سوئیے

ہجر کی شب یہ نیا ظلم و ستم تو دیکھیے
خواب میں آ کر وہ لڑتے ہیں جو دم بھر سوئیے

سر مرا زانو پہ رکھ کر وصل میں کہتے ہیں وہ
ہجر میں جاگے تھے لیجے نیند بھر کر سوئیے

نیند تو آتی ہو جب کوئی خلش دل میں نہ ہو
دل ہو جب بیتاب پہلو میں تو کیونکر سوئیے

اُن کو آنا ہے تو بیخود خواب میں آئیں گے وہ
بے جگائے جاگ اُٹھے گا مقدّر سوئیے

کھڑے دے رہے ہیں دُہائی کسی کی
ہمیں دیکھنی ہے خدائی کسی کی

قیامت ہے یارب جُدائی کسی کی
مجھے کاش آ جائے آئی کسی کی

خوشی سے وہ کب بزمِ دشمن میں آئے
قضا کھینچ کر اُن کو لائی کسی کی

یہ جوبن تو دیکھا مگر یہ تو کہہ دو
تمنّا بھی تم سے بر آئی کسی کی

اسے دیکھ کر آپ کیا کیجیے گا
یہ دل ہے امانت پرائی کسی کی

یہ باتیں ہیں سب جھوٹ پیغامبر کی
وہاں تک نہیں ہے رسائی کسی کی

فلک کی طرف میں نے حسرت سے دیکھا
مجھے شکل جب یاد آئی کسی کی

بگڑتے چلے ہیں وہ تیور کسی کے
قضا اب کوئی دم میں آئی کسی کی

نہ بھولا نہ بھولا یہ کمبخت برسوں
بہت یاد دل سے بھلائی کسی کی

بھٹکتے پھرے لوگ راہِ طلب میں
نہ کی خضر نے رہنمائی کسی کی

سُنی تم نے یاروں کی تقریر بیخود
سمجھ میں کوئی بات آئی کسی کی

عقل زاہد کی یہاں حیران ہے
بُت خدا بنتے ہیں اُسکی شان ہے

وصل میں جو تھا وہی ارمان ہے
وہ نہیں ہے پاس اُس کا دھیان ہے

مر چلے ہم تو لبوں پر جان ہے
کیا ستم کا اور بھی ارمان ہے

آپ کی طرزِ حیا ہے اک ستم
آپ کی شوخی ستم کی جان ہے

لو ادھر دیکھو بتاؤ کون ہوں
تم کو عاشق کی اگر پہچان ہے

کیوں قسم کھاتے ہو میری جان کی
جانتے ہو کون میری جان ہے

میرے دل کی اپنے دل سے پوچھیے
کیا خبر مجھ کو کہ کیا ارمان ہے

وہ زمانہ ہی گیا ارمان کا
اب تو اُس ارمان کا ارمان ہے

بیٹھے بیٹھے کچھ کھُلے جاتے ہیں لب
مُسکراہٹ کا کسی کی دھیان ہے

کوئی مر جائے تو بیخود اُس کو کیا
ناسمجھ ہے وہ ابھی نادان ہے

اب کسی کی نہ جستجو ہوگی
ہم نہ ہوں گے جو آرزو ہوگی

حشر کے روز دو بدو ہوگی
تم سمجھ لو جو گفتگو ہوگی

حسرتوں کا حنا نے خون کیا
سونگھ لیجے لہو کی بو ہوگی

قبر میں بھی تو اے شبِ فرقت
جانتا ہوں ضرور تو ہوگی

تو تو اے آرزو ہے دل کیلئے
دل جہاں ہوگا کیا نہ تو ہوگی

اُن کی چتون یہ مجھ سے کہتی ہے
آج پوری نہ آرزو ہوگی

بات کرتے بتوں سے ڈرتا ہوں
کیا خدا سے نہ گفتگو ہوگی

بیخودی گر یونہیں ہی شبِ وصل
اُن کو بھی میری جستجو ہوگی

چار دن بعد دیکھنا بیخود
آرزو کی بھی آرزو ہوگی

عاشق ہیں مگر عشق نمایاں نہیں رکھتے
ہم دل کی طرح چاک گریباں نہیں رکھتے

سر رکھتے ہیں سر میں نہیں سودائے محبت
دل رکھتے ہیں دل میں کوئی ارماں نہیں رکھتے

نفرت ہی کچھ ایسی اُنہیں آشفتہ سروں سے
اپنی بھی وہ زلفوں کو پریشاں نہیں رکھتے

رکھنے کو تو رکھتے ہیں خبر سارے جہاں کی
اک میرے ہی دل کی وہ خبر ہاں نہیں رکھتے

گھر کر گئیں دل میں وہ محبت کی نگاہیں
اُن تیروں کا زخمی ہوں جو پیکاں نہیں رکھتے

دل دے کوئی تم کو تو کس اُمید پر اب دے
تم دل تو کسی کا بھی مری جاں نہیں رکھتے

رہتا ہے نگہبان مرا اُن کا تصور
وہ مجھ کو اکیلا شبِ ہجراں نہیں رکھتے

دشمن تو بہت حضرتِ ناصح ہیں ہمارے
ہاں دوست کوئی آپ سا ناداں نہیں رکھتے

دل ہو جو پریشان تو دم بھر بھی نہ ٹھیرے
کچھ باندھ کے تو گیسوئے پیچاں نہیں رکھتے

گو اور بھی عاشق ہیں زمانے میں بہت سے
بیخود کی طرح عشق کو پنہاں نہیں رکھتے

کیا چاہنے کے واسطے ساماں چاہیئے
ہم بیچتے ہیں گر کوئی ارمان چاہیئے

ہر وقت دل کے واسطے ارمان چاہیئے
اس گھر میں روز رہنے کو مہمان چاہیئے

آنکھوں میں اشک لب پہ فغاں دل میں آرزو
چاہت کے واسطے بھی تو ساماں چاہیئے

خالی رہے نہ دست جنوں جس جگہ رہے
میری تو جیب میں بھی گریبان چاہیئے

ہوتے ہیں بزم ناز میں دشمن بھی دوست بھی
اچھے برے کی آپ کو پہچان چاہیئے

پریوں سے ہم کو کام نہ حوروں کی آرزو
معشوق چاہیئے مگر انسان چاہیئے

ہوتی نہیں ہے یہ تو کہ دل تم کو مفت دوں
حاضر ہے لیتے جاؤ اگر جان چاہیئے

پڑتی ہیں سب طرح کی نگاہیں بری بھلی
اللہ ان بتوں کا نگہبان چاہیئے

بیخود پرائے واسطے دیتے نہیں ہیں جان
اپنا خیال بھی تجھے نادان چاہیئے

قتل سے قتل نہ کرنے کا گلا مشکل ہے
تم سے نازک مری نظروں میں تمہارا دل ہے

جب کہا میں نے ترے وصل کا طالب دل ہے
ہنس کے ظالم نے کہا مجھ سے بڑی مشکل ہے

پھر وہی درد محبت ہے وہی پھر دل ہے
اب کے تھمنا مرے نالے کا بہت مشکل ہے

پھول اک توڑ کے چٹکی میں مسلتے ہیں وہ
پھر دکھا کر مجھے کہتے ہیں یہ کس کا دل ہے

بس گئیں دل میں کچھ اس طرح ادائیں اس کی
رات دن سامنے آنکھوں کے وہی محفل ہے

تھامنا پردے کا لیلیٰ کو ہوا ہے مشکل
کس کی آہوں کا اثر پردہ کش محمل ہے

آپ کے چاہنے والوں کے لئے صبر کہاں
سہل جس کام کو سمجھے تھے وہی مشکل ہے

دیکھئے ہجر نے کیا حال کیا ہے اس کا
آپ رہتے تھے کبھی جس میں وہی یہ دل ہے

جاں بلب غیر نہ کیونکر ہو تری شوخی سے
اس میں بیتابیٔ دل بھی تو مری شامل ہے

دشت الفت میں ہر اک گام پہ آتی ہے صدا
خضر جس راہ سے بچتے ہیں یہ وہ منزل ہے

قتل کرتا ہے لگاوٹ سے بگڑنا اس کا
یہ بنایا ہوا انداز نیا قاتل ہے

کر چکے ہیں ابھی وہ اپنی نزاکت کا بیاں
ان کو اقرار سے پھرنا بھی تو اب مشکل ہے

کون ہے وہ جو نہیں چاہنے والا تیرا | دیکھ آئینہ بھی صورت پہ تری مائل ہے

سینکڑوں اور بھی ہیں اچھے سے اچھے عاشق
تم کو بیخود یہ ہے کیوں ناز وہ کس قابل ہے

وہ جو روٹھے شب وعدہ مری شامت آئی | صبح ہونے بھی نہ پائی کہ قیامت آئی

رحم آیا نہ مروت نہ محبت آئی | دل میں اُن کے کبھی آئی تو کدورت آئی

میرے ہمراہ مرے گھر یہ بھی آفت آئی | آسمان ٹوٹ پڑا برق گری چھت آئی

آئیں ہمراہ جوانی کے ادائیں لاکھوں | ساتھ لیتی ہوئی فتنوں کو قیامت آئی

مشورہ دل سے کیا آؤ چلیں یار کے گھر | بیٹھے بیٹھے جو مری رات کو شامت آئی

شرم آئی بھی جو اُس شوخ کی آنکھوں میں کبھی | شوخیاں کرتی ہوئی ساتھ شرارت آئی

آپ کرتے ہیں مرے رنج کا شکوہ مجھ سے | شکر کیجے کہ زباں تک نہ شکایت آئی

ہجر میں جان ہی دو بھر یہ لکھا تھا اُن کو | خط میں لکھی ہوئی مرنے کی اجازت آئی

وعدے کی شب کبھی تشریف جو وہ لائے بھی | تو سفارش کے لئے ساتھ نزاکت آئی

مُردے قبروں سے نکل آئے تڑپ کر باہر | میرے مدفن پہ وہ آئے کہ قیامت آئی

جب نہ دُنیا میں ملا کوئی ٹھکانا اُس کو | گھر بنانے کو مرے سینے میں حسرت آئی

دل کی تسکین کیلئے اُن سے کہا تھا ہم نے | وہ خفا ہو گئے یہ اور مصیبت آئی

عہد طفلی میں ملا داغ محبت ہم کو | ہوش آنے بھی نہ پایا کہ طبیعت آئی

پوچھ لیتے ہیں عنایت سے وہ ہر ظلم کے بعد | کچھ مزا عشق کا کچھ چاہ کی لذت آئی

سوچتا جاتا ہوں رستے میں کہ دونگا جواب | گفتگو اُن سے اگر غیر کی بابت آئی

عشق کے نام سے بھی میں تو خبردار نہ تھا | مجھ پر آفت یہ مرے دل کی بدولت آئی

وہ یہ سمجھے کہ یہ دنیا سے بہت شاد چلا
مسکراہٹ سی جو لب پر دمِ رحلت آئی

پھر ہر اک شعر میں کچھ درد کا پاتا ہوں اثر
پھر کہیں حضرتِ بیخود کی طبیعت آئی

کھل گئی سب تری باتوں سے شرارت تیری
شوخ تجھ سے بھی زیادہ ہے طبیعت تیری

دل میں ارمان ترا آنکھ میں حسرت تیری
مجھ پہ قبضہ کئے بیٹھی ہے محبت تیری

نہیں ملتی ہے کسی میں بھی شباہت تیری
آئینہ دیکھ کے حیران ہے صورت تیری

نہ کبھی چشمِ نگہبان سے نکلتے دیکھا
آدمی آنکھوں سے کرتے ہیں حفاظت تیری

چٹکیاں لے کے کیا پھر مرے دل کو بے چین
وصل میں بھی نہیں جاتی ہے شرارت تیری

مٹ گئے اک نگہِ لطف میں سب رنج و ملال
اب نہ قسمت کا گلا ہے نہ شکایت تیری

اپنی شوخی کی صفت بھی نہ سنی جس نے کبھی
وہ سنے گا دلِ بیتاب حقیقت تیری

کوئی ہوتا نہیں فرقت میں مصیبت کا شریک
جس سے کہتا ہوں وہ کہہ دیتا ہے قسمت تیری

سیکھ لے کوئی نگاہوں میں سمانا تجھ سے
جس طرف دیکھئے ہے سامنے صورت تیری

چین سے بیٹھنے دیگی نہ کسی کو دم بھر
تجھ کو دشمن کی تمنا مجھے حسرت تیری

ہجر میں اے دلِ بیتاب تجھے موت بھلی
ہم سے دیکھی نہیں جاتی ہے یہ حالت تیری

حال بگڑا ہوا رہتا ہے شب و روز مرا
ہے مرے حال پہ جس دن سے عنایت تیری

سانس میں آتی ہے آوازِ انا عاشق کی
مجھ کو رسوا کئے دیتی ہے محبت تیری

میری آنکھوں سے نہ آئینہ کو دیکھا ہوگا
آ مرے پاس دکھاؤں تجھے صورت تیری

خاک میں مل کے بھی دعویٰ ہے محبت کا مجھے
نہیں مٹنی ہے مٹائے سے بھی حسرت تیری

مانگئے ان سے اگر جرمِ محبت کا ثبوت
کہتے ہیں وہ ہمیں معلوم ہے عادت تیری

رات ہی بھر میں ترا حُسن یہ بڑھ جاتا ہے
صبح تصویر سے ملتی نہیں صورت تیری

عزم دلّی سے دکن کا تو ہوا ہے بیخود
اور لے جائے کدھر دیکھئے وحشت تیری

جو تجھے امتحان دیتا ہے
کس خوشی سے وہ جان دیتا ہے

کیا دیا ہم نے جان دی جو اُسے
یہ تو سارا جہان دیتا ہے

دینے والا تو اور ہے کوئی
رنج کیا آسمان دیتا ہے

چاہیئے آپ کو تو لے لیجے
جان اک ناتوان دیتا ہے

تجھ سے باوضع ہے ترا خنجر
مرنے والوں پہ جان دیتا ہے

وہم آتا ہے تیری محفل میں
غیر کیوں مجھ کو پان دیتا ہے

کیا کروں قول لیکے میں اُس سے
وہ تو جھوٹی زبان دیتا ہے

ق

ہم نے پوچھا تھا اُن سے لیتے ہو
دل کوئی نوجوان دیتا ہے

کس رکھائی سے یہ جواب ملا
مفت کیوں اپنی جان دیتا ہے

نام سُنتا ہے جب وہ بیخود کا
گالیاں بدزبان دیتا ہے

نہ یوں روٹھ کر قصد جانے کا کیجے
گلے مل کے پھر وعدہ آنے کا کیجے

شکایت رقیبوں کی سُن کر وہ بولے
کہ ہم سے نہ شکوہ زمانے کا کیجے

مرے ساتھ فتنے اُٹھیں گے ہزاروں
ارادہ نہ میرے اُٹھانے کا کیجے

نظر سے مری راز افشانہ ہو گا
علاج اپنے کچھ مُسکرانے کا کیجے

یہ زیبا نہیں آپ کو بات ہرگز
کہ ساماں میرے ستانے کا کیجے

وہاں گالیاں ملنے لگتی ہیں لاکھوں
ہے یاد جس کو نہ اپنی جفا بھی
غضب تو یہ ہو وہ سوا روٹھتے ہیں

اگر کام انعام پانے کا کیجے
گلا اُس سے کیا بھول جانیکا کیجے
اگر قصد اُن کے منانیکا کیجے

نہ ہو رنج بیخود کی گستاخیوں سے
اگر پاس کچھ منھ لگانیکا کیجے

مرقد پہ بعدِ مرگ گھٹا آکے رو گئی
دل بھی جگر کے ساتھ چھدا ایک تیر میں
پایا نہ اُس گلی میں قیامت کا کچھ پتا
میرا ہی دل وہ پھینک کے مجھ سے پھر کہیں
دیکر زبانِ وصل کی کہنا تو دیکھئے
کھلتے ہی میری چاہ اُنہیں بڑھ گیا غرور
وعدے کی رات نیند نے فرصت اُنہیں نہ دی
اُس کی نگاہِ شرم بھی چوکی نہ وقت پر
تھا آبِ اشک میں نفسِ سرد کا اثر

کلفت یہ بیکسی کی مرے دل سے دھو گئی
صیاد کی نگاہ تو موتی پرو گئی
کیا یہ بھی آبرو تھی عدو کی کہ کھو گئی
ہم سے کسی کی آج کوئی چیز کھو گئی
اب تو دہن سے ہجر کی تلخی کھو گئی
یہ چشمِ تر تو اور بھی مجھ کو ڈبو گئی
افسوس جاگ کر مری تقدیر سو گئی
برچھی سی ایک یہ بھی جگر میں چبھو گئی
گرمی تری نگاہ کی پانی سمو گئی

دشمن سے اُس کے ظلم کا کرنا نہ تھا گلا
بیخود یہ آج تم سے بڑی چوک ہو گئی

وصل میں کچھ عجیب حالت ہے
آپ آئیں کہاں یہ قسمت ہے
اُن کو اک بات پر قیام نہیں

مجھ کو سکتہ ہے اُن کو حیرت ہے
کیسی تکلیف عین راحت ہے
کچھ عجب چلبلی طبیعت ہے

عرضِ مطلب پہ یہ جواب ملا — ایسی باتوں سے ہم کو نفرت ہے
وہی ہوتا ہے وہ جو کہتے ہیں — بات ہے یا کوئی کرامت ہے
اُس کی ٹھوکر سے جی اُٹھا دشمن — کس قیامت کی یہ قیامت ہے
وہم آتے ہیں شک گذرتے ہیں — آج کیوں اس قدر عنایت ہے
کیوں جلاتے ہو یہ جو میں نے کہا — ہنس کے بولے ہماری عادت ہے
اُس نے رُک رُک کے یوں کیا وعدہ — میں نے جانا زباں میں لکنت ہے
بے سبب تو نہیں عتاب اُن کا — اس میں پوشیدہ کوئی حکمت ہے
وقتِ رخصت یہ شوخیاں دیکھو — پوچھتے ہیں مجھے اجازت ہے
میں نے پوچھا تھا دل کو لیتے ہو — مُسکرا کر کہا یہ علّت ہے
دل بٹے عاشقوں کے غیر کو — یہ نئی طرح کی سخاوت ہے
اُن کے جو مُنھ میں آئے وہ کہہ لیں — کوئی بولے یہ کس کی طاقت ہے
دل کو پاسِ وفا کہاں ظالم — تجھ سے بڑھ کر یہ بے مُروّت ہے
حالِ غم سُن کے مجھ سے وہ بولے — تجھ کو جینے کی کیا ضرورت ہے
دین و دنیا اسی سے ہیں دونو — کچھ عجب چیز یہ محبت ہے

یوں تو اچھا ہے سب طرح بیخود
بادہ خواری کی اک بُری لت ہے

عدو سے جو برہم طبیعت ہوئی — مرے حال پر بھی عنایت ہوئی
یہ کہتی ہوئی جان رخصت ہوئی — بڑی مشکلوں سے اجازت ہوئی
بھلاتے بھلاتے عدو کا خیال — اُنہیں بھول جانے کی عادت ہوئی

پلائے رقیبوں کو بھر بھر کے جام
مجھے اپنی جھوٹی عنایت ہوئی

پلٹ تو نجائیں سے گر وعدے آپ
اگر آج برپا قیامت ہوئی

وہی ہو گیا اُس نے جو کہدیا
ہر اک بات اس کی کرامت ہوئی

وہ انجامِ اُلفت کو سمجھے نہ تھے
مرا حال سُن سُن کے حیرت ہوئی

بڑھاتے تو جاتے ہو دشمن کو تم
جو میری سی اس کی بھی قسمت ہوئی

مزا ہو جو محشر میں آئے ندا
عطا بادہ خواروں کو جنت ہوئی

زمانے میں اب ہیں یہ پیدا کہاں
مرا دل ہوا تیری صورت ہوئی

اشاروں میں مجھ سے وہ کچھ کہہ گئے
نگاہوں میں طے دل کی قیمت ہوئی

ادھر سے ہوا وصل کا جب سوال
طلب اُس طرف سے ضمانت ہوئی

مٹا کر بھی مجھکو ستاتے رہے
مرے بعد پامال تربت ہوئی

کہاں لیکے جائیں گے **بیخود** کو پھر
اگر اس کو جنت میں وحشت ہوئی

قضا بن کر دلِ مضطر سے جب زلف دوتا لپٹے
گلے سے میرے کیوں لپٹے وہ پھر اُس کی بلا لپٹے

الٰہی اشتیاقِ وصل کی تاثیر ایسی کو
وہ کھولیں جس قدر خط کو یہ ہاتھوں میں سوا لپٹے

لپٹے تو ہیں زاہد میکشوں سے راہ میں اکثر
کہیں مسجد سے حضرت کا نہ بدھنا بوریا لپٹے

بتوں سے مل کے رہتا ہی نہیں انساں پھر انساں
سمجھ کر سوچکر ان بیوفاؤں سے ذرا لپٹے

بُرا ہو جذبِ دل تیرا کیا کیا تو نے اے ظالم
وہ کیسے مضطرب ہو کر مرے سینے سے آ لپٹے

اگر دیتے بھی ہم کس کس کو دیتے ایک دل اپنا
ہزاروں مہ لقا دیکھے ہزاروں بیوفا لپٹے

ترے دامن پر اپنا خون بن کر ہم کو بہنا تھا
اگر اب خاک ہو کر اس سے لپٹے بھی تو کیا لپٹے

مثل مشہور ہے دنیا میں سب ملتے ہیں ملاتے ہیں
مزا جب ہے لپٹنے کا جو کوئی دوسرا لپٹے

اگر چاہیں کسی سے دل کی حسرت کا بیان کرنا
زباں ہلنے نہ پائے لب سے حرف مدعا لپٹے

گیا ہے کون سا مشتاق پھر کر آپ کے در سے
کہ آغوشِ تمنا بن کے باہم نقشِ پا لپٹے

نگاہوں نے کسی کی آج اپنے دل کو تاکا تھا
گیا کوسوں الگ بچکر بہت تیرِ قضا لپٹے

صفائی حضرتِ **بیخود** سے کیا دشوار ہے اُنکی
منالیں گے جہاں دو چار مل کر آشنا لپٹے

کہتے ہو بری سب سے طبیعت ہے تمہاری
جو سب سے بری ہے وہ محبت ہے تمہاری

ہم تم پہ فدا ہوں یہ محبت ہے تمہاری
تم قتل کرو ہم کو عنایت ہے تمہاری

آنکھوں میں ہے گھر جس کا وہ صورت ہے تمہاری
ہے دل میں گذر جس کا وہ حسرت ہے تمہاری

ڈھاتا ہے ستم دیکھئے کیا وصل تمہارا
فرقت تو مری جان قیامت ہے تمہاری

دیکھا نہیں دنیا میں یہ انداز یہ نقشہ
لاکھوں میں جو اچھی ہے وہ صورت ہے تمہاری

پھر میری کسی بات سے مطلب تو نہ ہوگا
میں اور کو چاہوں یہ اجازت ہے تمہاری

ہے وصل کا انکار تو وعدے سے زیادہ
تم کہہ کے پلٹ جاتے ہو عادت ہے تمہاری

اُٹھتا نہیں زلفوں کا بھی اب بوجھ کمر سے
آفت ہے قیامت ہے نزاکت ہے تمہاری

دیدار سے دم لینے کی فرصت نہیں ملتی
ہر وقت مرے سامنے صورت ہے تمہاری

تقریر جو کی غیر نے کچھ تم اُسے سمجھے
تعریف کے پردے میں شکایت ہے تمہاری

آنکھیں کہے دیتی ہیں سب انداز تمہارے
مشہور زمانے میں مروت ہے تمہاری

بوسے سے تو انکار ہے دل مانگ رہے ہو
ہر بات میں یہ خوب حکومت ہے تمہاری

تم کیا نہیں کہہ لیتے ہو ہم کچھ نہیں کہتے
کیا اچھا نبے کیا ہم کو مروت ہے تمہاری

کیا تم نے بتو میرے خدا کو نہیں دیکھا
تم مجھ سے بدل جاؤ یہ قدرت ہے تمہاری

بیخود اُنہیں کس طرح نہ ہو تم سے محبت
سچ کہتے ہو ایسی ہی تو صورت ہے تمہاری

کیا دُور یارِ غیر کی کچھ التجا ہوئی
شوخی تری زبان کی وہ آج کیا ہوئی

اُن کی طرف سے دل کی طلب بارہا ہوئی
چکمے چلے فریب دئے التجا ہوئی

ایسی تو ہم سے وصل کی شب بارہا ہوئی
غصّے سے جب نہ کام چلا التجا ہوئی

چھپتی نہیں چھپائے سے بھی آنکھ پیار کی
میری تو ہر نگاہ مرا مُدّعا ہوئی

پھر تو یہ کہہ کہ ہم تجھے پہچانتے نہیں
لاکھوں میں یہ تو ایک ہی اے بیوفا ہوئی

دشمن سے اپنے عشق کا شکوہ نہ کیجئے
مجھ سے ہوا قصور یہ مجھ سے خطا ہوئی

ایک ایک پل کا ہجر کی دینا پڑا حساب
میری شبِ وصال بھی روزِ جزا ہوئی

شیریں کا جاں نثار فقط کوہکن ہوا
تجھ پر تو اک جہان کی خلقت فدا ہوئی

اے دردِ عشق کس کو نوازا تھا پیشتر
یہ تو بتا کہاں سے تری ابتدا ہوئی

کمبخت کی زبان میں کیا زہر تھا شریک
قاصد سے مل کے دخترِ رز بے مزا ہوئی

حرفِ وصال خاطرِ نازک پہ بار ہے
اِس نازکی پہ آپ سے کیونکر جفا ہوئی

عاشق ہے غیر آپ کا میں بوالہوس بجا
یہ اُس سے بڑھ گئی ہے وہ اس سے سوا ہوئی

دشمن کے پیچھے چھپ گئے وہ دیکھ کر مجھے
پردہ ہوا یہ خوب یہ اچھی حیا ہوئی

بیخود ضرور رات کو سوئے ہو پی کے تم
یہ تو کہو نماز پڑھی یا قضا ہوئی

اُن سے جب ملتے ہیں اک داغ نیا ملتا ہے
واہ کیا خوب محبت کا صلا ملتا ہے

کوئی اس طرح سے ملنے کا مزا ملتا ہے
اوپری دل سے وہ ملتا ہے تو کیا ملتا ہے

مل گئے خاک میں ہم وہ بت کافر نہ ملا
لوگ کہتے ہیں کہ ڈھونڈے سے خدا ملتا ہے

اس کی ہر بات زمانے سے نرالی دیکھی
اس کی ہر بات میں کچھ لطف نیا ملتا ہے

دفن ہوتے مجھے دیکھا تو کہا ظالم نے
خاک میں کشتۂ انداز و ادا ملتا ہے

حور کے ذکر پہ وہ کہتے ہیں معلوم ہوا
تو کسی اور سے بھی میرے سوا ملتا ہے

خلعت رنج و الم ملتے ہیں دہرے دہرے
وہ جدا دیتے ہیں قسمت سے جدا ملتا ہے

تیرے دیوانوں سے آباد ہے جنگل سارا
روز ٹوٹا ہوا اک بند قبا ملتا ہے

کبھی دربان کے دھوکے میں نہ تم آ جانا
کوئی دن جاتا ہے جو غیر سے جا ملتا ہے

پاؤں پڑتا ہے زمیں پر تو فلک پر ہے دماغ
خاکساروں سے وہ یوں ماہ لقا ملتا ہے

پی کے زاہد نے مے ناب یہ ارشاد کیا
اس کا انگور کے شربت میں مزا ملتا ہے

عالم کیف میں ہستی سے گذر جاتا ہوں
چشم ساقی سے مجھے جام فنا ملتا ہے

ہم سمجھتے ہیں کہ یہ بھی ہے طلبگار ترا
بھولا بھٹکا جو کوئی راہ میں آ ملتا ہے

میری قسمت کا نوشتہ ہے یہ خط اس کا نہیں
اس میں تقدیر کے لکھے کا پتا ملتا ہے

ان حسینوں کی عدالت کا نیا ہے انصاف
مجرم عشق کو فرمان قضا ملتا ہے

منتوں سے وہ پلاتا ہے تو پی لے **بیخود**
تجھ کو انکار میں کیا مرد خدا ملتا ہے

دل بیتاب میں شوخی کا پتا ملتا ہے
مٹنے والے میں کچھ انداز ترا ملتا ہے

دل کو اس وقت محبت کا مزا ملتا ہے
جب گلے خنجر قاتل سے گلا ملتا ہے

حسن سے بڑھ کے کیا انکی ادا نے بیتاب
ایک سے ایک محبت میں سوا ملتا ہے

بتکدے میں ہے خدائی کا تماشا موجود
اور کعبے میں فقط ایک خدا ملتا ہے

عشق کے ڈھنگ زمانے سے نرالے دیکھے
دم پہ بنتی ہے تو جینے کا مزا ملتا ہے

آپ نے دیکھ لیا تیرِ دعا کا پلّہ
دل سے چلتے ہی تو یہ عرش سے جا ملتا ہے

حور کی آنکھ کو نسبت نہیں آنکھوں سے تری
نیچی نظروں میں کچھ اندازِ حیا ملتا ہے

اُس سے لڑتی ہے اگر آنکھ تو قسمت بھی لڑے
وہ تو جب ملتا ہے جب بختِ رسا ملتا ہے

ظلم میں ناز ہو شامل تو ستم میں انداز
یوں بھلا کوئی ہمیں لطفِ جفا ملتا ہے

بے طلب دیتے ہیں وہ جس کو عطا کرتے ہیں
جس کو ملتا نہیں کچھ دستِ دعا ملتا ہے

موت بھی دشتِ طلب میں نہیں ملتی مجھ کو
اور ہوں گے وہ جنہیں راہنما ملتا ہے

قتلِ عشاق پہ باندھی ہے کمر ظالم نے
خاک میں مجمعِ اربابِ وفا ملتا ہے

تیرے مجروح کا رتبہ کوئی ہم سے پوچھے
زخم دھونے کو جسے آبِ بقا ملتا ہے

تیری تمکین میں بھی انداز ہے اک شوخی کا
تیری شوخی میں بھی تمکین کا مزا ملتا ہے

سختیاں ہجر کی مٹ جاتی ہیں سب بعدِ وصال
قطرۂ انجام کو دریا ہی میں جا ملتا ہے

اب تو خاموش ہو بیخود کہ وہ پھر روٹھ گئے
تجھ کو کمبخت ستا کر انہیں کیا ملتا ہے

وہ دشمن کی بیتی سنے جائیں گے
وہ بیٹھے ہوئے سر دھنے جائیں گے

ہلائیں زباں اپنی طاقت نہیں
کہے جاؤ تم ہم سنے جائیں گے

انہیں مجھ کو منظور ہے ٹالنا
وہ ہاتھ پر افشاں چنے جائیں گے

اگر ایک نے بھی ہو دی کچھ خطا
تو سب مرنے والے پٹنے جائیں گے

دیے جاؤ تم جھڑکیاں گالیاں
پیئے جائیں گے ہم، سنے جائیں گے

یہاں تو بن آئی ہے اغیار کی
قیامت میں جا کر دُہنے جائیں گے

یہ شیشہ نہ ہاتھ آئے گا ٹوٹ کر
مرے دل کے ٹکڑے چُنے جائیں گے

کہیں گے نہ وہ اپنے دل کی کبھی
مری حسرتوں کو بُنے جائیں گے

کرو جمع میرے گریباں کے تار
کفن عاشقوں کے بُنے جائیں گے

وہ کہتے ہیں تم مر کے جیتے رہے
یہ طعنے نہ ہم سے سُنے جائیں گے

پڑھے جاؤ بیخودؔ غزل پر غزل
وہ بُت بن گئے ہیں سُنے جائیں گے

ہر ایک بات تری بے ثبات کتنی ہے
پلٹنا بات کو دم بھر میں بات کتنی ہے

ابھی تو شام ہوئی ہے ابھی تو آئے ہو
ابھی سے پوچھ رہے ہو کہ رات کتنی ہے

وہ سُنتے سُنتے جو گھبرائے حالِ دل بولے
بیان کتنی ہوئی واردات کتنی ہے

ترے شہید کو دولہا بنا ہوا دیکھا
رواں جنازے کے پیچھے برات کتنی ہے

کسی طرح نہیں کٹتی نہیں گذر سکتی
الٰہی سخت یہ قیدِ حیات کتنی ہے

ہماری جان ہے قیمت تو دل ہے سعیانہ
گراں بہا لبِ نازک کی بات کتنی ہے

جو شب کو کھلتے ہیں پیچے وہ دن کو جھڑتے ہیں
بہارِ باغِ جہاں بے ثبات کتنی ہے

مہینوں ہو گئے دیکھی نہیں ہے صبحِ اُمید
کسے خبر یہ مصیبت کی رات کتنی ہے

عدو کے سامنے یہ دیکھنا ہے ہم کو بھی
کدھر کو ہے نگہ التفات کتنی ہے

غزل لکھیں بھی تو کیا خاک ہم لکھیں بیخودؔ
زمین دیکھئے یہ واہیات کتنی ہے

بے سبب ہے ہر دم قیامت کی مچا رکھی ہے
تیرے قامت نے کوئی بات اُٹھا رکھی ہے

چینِ ابرو میں مری جان ادا رکھی ہے
زہر میں تم نے یہ تلوار بجھا رکھی ہے

طرزِ رنجش کی زمانے سے جُدا رکھی ہے
بات کی تو نے گرہ دل میں لگا رکھی ہے

اور خلوت میں شب روز عدو سے ملئے
سُن بھی لی آپ نے جو اُس نے اُڑا رکھی ہے

کوئی سُننے کا نہیں کان میں میرے کہہ دو
کیا چُرایا ہے جو یوں آنکھ چُرا رکھی ہے

بادہ نوشی سے زمانے میں ہوا ہوں بدنام
ابرِ رحمت نے مری خاک اُڑا رکھی ہے

چارہ سازی کی نفرمائیں مسیحا تکلیف
منحصر موت پہ عاشق کی شفا رکھی ہے

محتسب دیکھ لے بوتل میں بھرا کیا ہے یہاں
سونگھنے کے لئے اک بوند لگا رکھی ہے

دیکھ لیں تجھ کو تو پھر کافر و دیندار ہیں ایک
تیرے پردے نے قیامت یہ اُٹھا رکھی ہے

ہم تو جب جانیں مسیحا سے ہوں دو دو باتیں
لبِ نازک نے تری بات بنا رکھی ہے

ہجوِ مے بیٹھ کے رندوں میں نہ کر اے واعظ
سوجھتا بھی ہے تجھے دیکھ وہ کیا رکھی ہے

سر جھکائیگا ندامت سے وہ توبہ توبہ
ایسے بیباک کی آنکھوں میں حیا رکھی ہے

یہ تو ممکن ہی نہیں آج نہ جائیں وہ کہیں
گوندھ کر میرے دکھانے کو حنا رکھی ہے

جی میں آتا ہے کہ آنکھوں میں بٹھا لوں تجھ کو
یہ نجبت نے تری شان بڑھا رکھی ہے

کیا کہوں کس سے کہوں ہم ہیں کیا کیا مجھ کو
تیری شوخی نے مرے دم پہ بنا رکھی ہے

تم ہر اک بات پہ کیوں ہم سے قسم لیتے ہو
بدگمانی کے لئے یہ تو لگا رکھی ہے

تیری تصویر کو بھی ہے تیری اُلفت ظالم
مُنھ سے کہتی نہیں کچھ دل میں چُھپا رکھی ہے

غیر کے ذکر پہ یہ کہہ کے مجھے ٹال دیا
ہم نے کیا تجھ سے کوئی بات اُٹھا رکھی ہے

جان دیتا شبِ فرقت میں مری طاقت تھی
یہ امانت تری تو پاس تو آٹ رکھی ہے

آتشِ شوق سے لیلےٰ کو نہیں آگاہی
آگ یہ قیس نے محمل میں لگا رکھی ہے

تکیہ ہٹتا نہیں پہلو سے یہ کیا ہے بیخود
کوئی بوتل تو نہیں تم نے چھپا رکھی ہے

کہاں کا عزم ہے کس سے لڑے کیا جی میں ٹھانی ہے
شکن ماتھے پر آنکھیں سرخ چہرہ ارغوانی ہے

یہی جب مٹ گئی مرنے سے بدتر زندگانی ہے
بشر کیواسطے جو کچھ ہے دنیا میں جوانی ہے

خدا بخشے دل مرحوم کی اب قدر جانی ہے
یہ داغ آرزو اُس مٹنے والے کی نشانی ہے

جگر کے داغ مٹتے ہیں نہ دل کے زخم بھرتے ہیں
فلک کی وہ عنایت یہ تمہاری مہربانی ہے

ہمیں تکرار سے نفرت تمہیں انکار کی عادت
خوشی سے کوئی بھی تم نے ہماری بات مانی ہے

یہ کاغذ دے بھی دیگا کبھی لیگا اُس سے اے قاصد
لکھا ہے خط میں کچھ مضمون غم کچھ مُنہ زبانی ہے

تم اپنی سی کیے جاؤ ہم اپنی سی کیے جائیں
جفا کا حسن موجد ہے وفا کا عشق بانی ہے

نہ ہم نکلیں کہیں شب کو نہ دن کو تم کہیں جاؤ
تمہاری تو خدا جانے ہمیں تو بدگمانی ہے

سنا ہے کیا بڑا قصہ ہے ہمدم مختصر سن لو
ہمارا دردِ دل سن کر وہ بولے سب کہانی ہے

ترے غم کی غذا دل ہے ترا غم ہے غذا دل کی
یہ اچھی میزبانی ہے یہ اچھی میہمانی ہے

مجھے سمجھا رہے ہیں قُم کے معنی جان جانا ہے
لب عیسیٰ پر اُن کو خون کی تہمت لگانی ہے

نظر کا اُس سے لڑنا تھا کہ مجھ پر گر پڑی بجلی
تعجب ہے الٰہی یا بلائے آسمانی ہے

حیا کیسی اِدھر دیکھو اِدھر آؤ ہنسو بولو
ابھی شوخی نہیں آئی ابھی پھیکی جوانی ہے

بھلا رندوں کے دم میں شیخ صاحب آ پھنستے ہیں
شراب اس کو نہیں کہتے ولایت کا یہ پانی ہے

کہا تھا ہم نے دل لیتے ہو کس وہ یہ کہتے ہیں
نوازش ہے عنایت ہے کرم ہے مہربانی ہے

وہ اُس کے چُست فقرے اور وہ آواز کی نرمی
عجب رنگیں بیانی ہے عجب شیریں زبانی ہے

ستم سے تھک گئے ہیں بات کا پہلو بدلتے ہیں
وہ کہتے ہیں خدا کو بھی ہمیں صورت دکھانی ہے

کسے معلوم پہلے کامیابی کس کو حاصل ہو
تجھے میرا مٹانا مجھ کو یہ ہستی مٹانی ہے

جگر پہ ہاتھ دل پر تکیہ آنکھوں پر رہے دامن
یہ افسانہ نہیں مجنوں کا یہ میری کہانی ہے

دکھا دیتا جو وہ جلوہ تو بیخود ہوش اڑ جاتے
یہ ساری تیری شیخی ہے یہ ساری لن ترانی ہے

دل ہے کیا مال کہ لے آپ سے قیمت ہوگی
نذر کر دیں گے اگر اس کی ضرورت ہوگی

جب کیا عشق کو پیدا تو فرشتوں نے کہا
کس کی قسمت میں خدا جانے یہ دولت ہوگی

نہ سہی میری فغاں سے تیری ٹھوکر سے سہی
اک نہ اک روز تو ہونی ہے قیامت ہوگی

تیغ رکھ کر مری گردن پہ وہ دھمکاتے ہیں
پھر بھی کمبخت کسی سے تجھے الفت ہوگی

کام دے جائیگی دشمن کی زباں کاٹ تو لو
جھوٹ کی تم کو قیامت میں ضرورت ہوگی

کھول لینا تھا دمِ وعدہ بڑی ہم سے رہی
آپ کے ساتھ نہ ہوگی کہ نزاکت ہوگی

سونگھ لینا مری تربت کی اٹھا کر مٹی
میری تو خاک میں بھی بوئے محبت ہوگی

ہے ابھی سے تری شوخی پہ نظر عالم کی
چشمِ بد دور جوانی میں قیامت ہوگی

مجھ کو دو غیر کی تصویر زیارت کر لوں
مرنے والے کی تمہاری یہی صورت ہوگی

داد چاہی تھی شب ہجر بسر کرنے کی
ہنس کے ظالم نے کہا آپ کی عادت ہوگی

خُم سے اڑ جاتی ہے ساغر سے چھلک جاتی ہے
دختِ رز پہ کسی میخوار کی نیت ہوگی

ہو گئے قیدِ مکاں سے ترے طالب آزاد
تو جہاں ہم سے ملیگا وہی جنت ہوگی

داستاں اپنی مصیبت کی ابھی کہنی تھی
دیکھیے کب اُنہیں آئینے سے فرصت ہوگی

جس قدر خُم میں ہے یاروں کو پلا دو بیخود
توبہ مقبول تو جب آپ کی حضرت ہوگی

یہ بت پتھر کے ہیں ترشے ہوئے فولاد کے ٹکڑے
کئے اس ناز کی پر عاشق ناشاد کے ٹکڑے

نکلنے دی دمِ کشتن نہ منھ سے آہ بھی پوری
کئے ہیں میرے قاتل نے مری فریاد کے ٹکڑے

کسی مظلوم کے محشر میں شاید کام آجائیں
اُٹھا دیجے مجھے میرے دلِ ناشاد کے ٹکڑے

قیامت تھا قیامت ہیں کسی کا سرنگوں ہونا
اُڑائے ہیں نے دانتوں سے لبِ فریاد کے ٹکڑے

کسی کے حُسنِ لاثانی کا ثانی کر دیا پیدا
جو میں ہوتا تو کرتا خامۂ بہزاد کے ٹکڑے

بنا کر تو وہ تیرِ نظر رہنے دیا ہوتا
کئے پتھر سے کیوں آئینہ فولاد کے ٹکڑے

نگاہِ ناز نے چھریاں لگائیں بزمِ دشمن میں
ہوئے ہیں میرے پہلو میں دلِ ناشاد کے ٹکڑے

خدا جانے بنی کیا میرے قاتل کی کلائی پر
اِدھر دل کے اُدھر ہیں خنجرِ فولاد کے ٹکڑے

دکھا دیں گے تمہیں بھی ہم قیامت اِس پہ گذرے گی
اُڑیں گے ایک دن چرخِ ستم ایجاد کے ٹکڑے

ستم ڈھایا خزاں نے آتے ہی گلشن میں کیسا
یہ گُل کی پتیاں ہیں یا دلِ ناشاد کے ٹکڑے

قیامت ڈھا گئی تیغِ نظر محشر میں قاتل کی
مرے ہونٹوں پہ ظالم نے کئے فریاد کے ٹکڑے

گذر جاتے ہیں دو دو دن ہمیں بے دانے پانی کے
قفس میں کون کھائے بیٹھ کر صیاد کے ٹکڑے

کیا تھا حضرتِ بیخود سے دعوے ہمزبانی کا
ہوئے کیسے زبانِ بلبلِ ناشاد کے ٹکڑے

بلائیں لے کوئی کس کس ادا کی
قیامت کی ادا شوخی بلا کی

حیا دمسازِ چشمِ فتنہ زا کی
جو اس سے رہ گئی اُس نے ادا کی

چلے آؤ ہمارے ساتھ سیدھے
نہ چھوڑیں گے گرہ بندِ قبا کی

بڑا بیدرد ہے دردِ محبت
زمانہ ہم نے دیکھا اس کا شاکی

فقط اتنا بتا دیجے مجھے آپ
کہ دشمن سے دغا کی یا وفا کی

کرے کیا دیکھئے اوچھے کا احساں
غضب ڈھایا عنایت اس نے کیا کی

مرے دل کی رقم تم سے گئے تھے
کہاں بھولے کسے دے آئے کیا کی

مرے آگے تمہیں جھٹلا رہا ہے
ڈھٹائی دیکھتے ہو نقشِ پا کی

اُڑا لی تھی اسی نے بوئے کاکل
یہ چوری کھل گئی بادِ صبا کی

خموشی کا سبب میں کیا بتاؤں
عنایت ہے یہ چشمِ سرمہ سا کی

اداؤں سے بچی تھی جتنی شوخی
قیامت بن کے قدموں میں رہا کی

شبِ فرقت بجھاتے شمع کیونکر
ہماری جان بن کر یہ جلا کی

تری آنکھوں میں گھر کرنے لگی ہے
کہیں شامت نہ آجائے حیا کی

مری تعریف ہے دشمن کے آگے
تلافی ہو رہی ہے یہ جفا کی

نگاہِ خشمگیں کو تاڑ لوں گا
مجھے پہچان ہے اپنی قضا کی

جوابِ صاف پھر برسوں میں وہ بھی
بہت ہی جب کسی نے التجا کی

نوازش ہے جو تو مجھ کو نوازے
بلائیں لے رہا ہوں ہر بلا کی

مرے کوچے سے وہ گذرا ہے شاید
ہوا میں ہے لپٹ عطرِ حنا کی

تری رفتار سے کیا پیش چلتی
قیامت دستِ حسرت ہی ملا کی

نمازوں پر نمازیں پڑھ رہا ہے
مگر زاہد نے کوئی حور تا کی

بتوں کو جس نے دیکھا بول اُٹھا
نظر آتی ہے اک قدرت خدا کی

ابھی ہنجو و ستم ایسے ہوئے کیا
ابھی سے پڑ گئی روزِ جزا کی

پینے کے یہی دن تو ہیں ساقی گھر آئے
شیشی کی پری ابر میں اُڑتی نظر آئے

برچھی سی لگی دل پہ جہاں وہ نظر آئے
ہر وقت کی چوٹوں کو کہاں سے جگر آئے

اب رات ہی کیوں ہو جو وہ دشمن کے گھر آئے
دن چھپنے نہ پائے کہ الٰہی سحر آئے

پھر خاک نہ سوجھے مجھے جب وہ نظر آئے
اللہ کرے دل سے اجل پیشتر آئے

خالی ہے وہ صف دیکھئے دشمن اگر آئے
آنکھوں میں کھٹکنے کے لئے کیوں ادھر آئے

وہ دیکھ کے **بیخود** کو یہ بولے کدھر آئے
دیدار رہے بہت دن میں تمہارے نظر آئے

جوہر تری شمشیر نکالے گی وفا کے
اُمید تو ہے میرے لہو کا اثر آئے

اُس دل پہ فدا جان ہے جس میں ترا دھیان
اُس آنکھ پہ قربان جسے تو نظر آئے

قاتل کو ستم کا نہ مزا ہی نہ سلیقہ
لایا ہے نمک پیس کے جب زخم بھر آئے

تم کہتے ہو دل میں نہ کوئی میرے سوا ہو
کیا ٹال دوں اُس کو بھی محبت اگر آئے

آیا جو عرق حُسن کی گرمی سے جبین پر
آئینے میں دن کو اُنہیں تارے نظر آئے

دو نور کے بقعے ہیں وہ رخسارِ درخشاں
پروانہ ہے حیران ادھر آئے اُدھر آئے

بخشی ہے ترے شوق نے وہ منزلِ عالی
برسوں میں جہاں سے مجھے اپنی خبر آئے

عادت بھی نہیں شرم بھی ہے غیر کا ڈر بھی
دن کو کہیں کس طرح وہ رشکِ قمر آئے

اب ترچھی نظر اس میں ہو یا بانکی ادا ہو
دلکش ہے وہی تیر جو دل میں اُتر آئے

اغیار کی محفل میں ہمیں تم نے بُلایا
گو پاؤں نہ اُٹھتا تھا ہمارا، مگر آئے

تو میری نگاہوں میں سما جائے کچھ ایسا
جب آئینہ دیکھوں تری صورت نظر آئے

تاکا ہے ستمگر نے مرا دل بھی جگر بھی
یہ کس کو خبر چوٹ وہ پہلے کدھر آئے

تم پھر تو چلے آؤ گے بے عذر مرے گھر
لینے کے لئے تم کو قیامت اگر آئے

ظالم یہ علامت ہے تری سنگدلی کی
پتھر سے جو دو سینے کرا [illegible] اُبھر آئے

دل نے ہی چکا جان بھی دوں گا مگر اُس کو
تم ہو کہ اجل وعدے پہ جو پیشتر آئے

آتے ہیں مرے قتل کو وہ باندھ کے تلوار
لو اور سنو گھاتی میں جن کی کمر آئے

دل تھام کے اُٹھنے کا مزا بزم سے جب ہے
در تک مرے ہمراہ کسی کی نظر آئے

مسجد میں بھلا بیخودِ میخوار کا کیا کام
معلوم نہیں آج یہ حضرت کدھر آئے

سنتے سنتے وصفِ دشمن جان اپنی جل گئی
پھر بلا دیتی ہو ان سے جل گئی جب چل گئی

گرم نالوں سے اُدھر منقارِ بلبل جل گئی
آتشِ گل سے ادھر غنچے کی چٹکی پھل گئی

بیکسی میں تھا تو اے دیگر سہارا اُس کا تھا
موت بھی آ کر کفِ افسوس مجھ پر مل گئی

تو نے بھی اے آسماں دیکھا جلانے کا مزا
آشیانے سے مرے بجلی بہت بیکل گئی

بٹنا تو آبرو کا ہے محبت میں مجھے
جان کی پروا کسے آخر گئی اوّل گئی

یوں لگی دل کی کہیں بجھتی ہو میرا کیا گیا
آپ کی تلوار ساری آبلوں سے چھل گئی

میکدے میں شیخ زاہد کی کہیں آتی نہ ہو
کل تو اک ساغر تھا غائب آج اک بوتل گئی

بھیج کر بھی میں تو پچھتایا صبا کو اُن کے پاس
مجھ کو دم دے کر خدا جانے کہاں یہ ٹل گئی

اُس کی اک ٹھوکر میں سیدھی ہو گئی اُٹھتی نہیں
اب قیامت سے کوئی پوچھے کدھر چہل پہل گئی

دیکھنے کو دل لیا تھا لیکے وہ چمپت ہوئے
گھات میں مدت سے تھے یہ چال اُن کی چل گئی

تیر چوکا اُن کا میرے دل کے ٹکڑے ہو گئے
مر گیا بے موت میں آئی ہوئی جب ٹل گئی

نوجواں ہے جوانی چار دن کی چاندنی
آج جانے سے اگر یہ رک گئی تو کل گئی

لے گئی ہوش و خرد صبر و تحمل چھین کر
کیا نظر اُس کی چھلاوہ تھی کہ مجھ کو چھل گئی

ہائے اب اتنی تسلی کا سہارا بھی گیا
ہاتھ جب دل پر رکھا اُس نے ہتیلی جل گئی

اُن کی شوخی پر عجب انداز سے نکلی ہے جان
ڈھونڈتا ہی رہ گیا میں تو کدھر چل گئی

بول اُٹھے حشر میں اُس شوخ کو سب دیکھ کر
حُسن کے سانچے میں سرتا پا قیامت ڈھل گئی

بن گئی بزمِ عدو میں شمع بھی میری رقیب
مجھ کو جلتا دیکھ کر محفل میں یہ بھی جل گئی

گر چھپاؤ مجھ سے **بیخود** تو ہو میرا لہو
کس کی دعوت کے لئے پھر آج یہ بوتل گئی

چوٹ اُن بانکی اداؤں کی جگر تک آئی
زلف بڑھ کر مرے قاتل کی کمر تک آئی

باریابی کی تو نوبت بھی نہ در تک آئی
دُور سے خلقِ خدا اُس کو نگر تک آئی

کہیں چلنا کہیں رُکنا کہیں کچھ کھچ جانا
کس نئی چال سے شمشیر جگر تک آئی

رات بھر اُس کی گلی میں کوئی روتا ہی رہا
ہچکیوں کی مجھے آواز سحر تک آئی

حسرتِ دید کو کیا پوچھتے ہو نزع میں تم
گرتی پڑتی ہوئی کمبخت نظر تک آئی

نکلے بیمارِ جدائی کا ترے سامنے دم
یہی حسرت ترے آنے کی خبر تک آئی

جیتے جی اب نہ شبِ ہجر دکھائے اللہ
موت ہی موت نظر چار پہر تک آئی

نہ دبا شرم و حیا سے نہ دبا جوشِ شباب
بڑھ کے شوخی کی ادا اُن کی نظر تک آئی

وار دزدیدہ نظر کا بھی تو خالی نہ گیا
تیغ اوچھی تھی مگر چوٹ جگر تک آئی

اُس کے قامت سے قیامت کو بھلا کیا نسبت
بہت اُچکی جو کبھی یہ تو کمر تک آئی

گم ہوئی مٹ گئی پھر کچھ نہ چلا اُس کا سُراغ
میرے ہمراہ قیامت ترے در تک آئی

ہو گیا سیر کو بھی اُن کا نکلنا موقوف
اُڑ کے جب خاک مری راہگذر تک آئی

ریسیا بزم میں دشمن کی تماشا دیکھا
آپ ہی آپ ہنسی اُن کو سحر تک آئی

اُٹھ گئی آنکھ جدھر اپنی تجھی کو دیکھا
تیری ہی شکل نظر حدِ نظر تک آئی

جذب دل کھینچ کے تو لائیگا گھر سے اُس کو
آج تک جس کی نہ آواز بھی در تک آئی

میری قسمت ہی میں تھا رشک سے مرنا بیخود
کہ مجھے لے کے اجل غیر کے گھر تک آئی

ایسا بنا دیا تجھے قدرت خدا کی ہے
کس حُسن کا ہے حسن ادا کس ادا کی ہے

چشمِ سیاہِ یار سے سازش حیا کی ہے
لیلی کے ساتھ میں یہ سہیلی بلا کی ہے

تصویر کیوں دکھائیں تمہیں نام کیوں بتائیں
لائے ہیں ہم کہیں سے کسی بیوفا کی ہے

انداز مجھ سے اور ہیں دشمن سے اور ڈھنگ
پہچان مجھ کو اپنی پرائی قضا کی ہے

مغرور کیوں ہیں آپ جوانی پر اس قدر
یہ میرے نام کی ہے یہ میری دعا کی ہے

دشمن کے گھر سے چل کے دکھا دو جُدا جُدا
یہ بانکپن کی چال یہ ناز و ادا کی ہے

رہ رہ کے لے رہی ہے مرے دل میں چٹکیاں
پھسلی ہوئی گرہ ترے بندِ قبا کی ہے

گردن مڑی نگاہ لڑی بات کچھ نہ کی
شوخی تو خیر آپ کی تمکین بلا کی ہے

ہوتی ہے روز بادہ کشوں کی دُعا قبول
اے محتسب یہ شانِ کریمی خدا کی ہے

جتنے گلے تھے اُن کے وہ سب دل سے دُھل گئے
جھیپی ہوئی نگاہ تلافی جفا کی ہے

چھپتا ہے خون بھی کہیں مٹھی تو کھولئے
رنگت یہی حنا کی یہی بو حنا کی ہے

کہدو کہ بے وضو نہ چھوئے اس کو محتسب
بوتل میں بند روح کسی پارسا کی ہے

میں امتحان دے کے انہیں کیوں نہ مرگیا
اب غیر سے بھی اُن کو تمنا وفا کی ہے

دیکھو تو جا کے حضرتِ بیخود نہ ہوں کہیں
دعوت شراب خانے میں اک پارسا کی ہے

خوب تدبیر ہوئی خوب تشفی کر دی
کھینچ کر تیر بغل آپ نے خالی کر دی

وار دشمن نے کیا تم نے تسلی کردی
چوٹ دل پر ادھر آئی ادھر اچھی کردی

آج دو ٹوک ہوئی اُن سے صفائی کیسی
اور بھی دل کی گرہ غیر نے پکی کردی

میرے کہنے سے ذرا آئینہ تو دیکھ تو لے
شرم نے اور تری آنکھ رسیلی کردی

دیکھ کر گُل کو ذرا دیکھئے بلبل کی طرف
تمکنت دی کہیں حالت کہیں ایسی کردی

چشمِ مشتاق کو یہ رات بھی سُولی پہ کٹی
آپ کے وعدے نے یہ رات بھی سُولی کردی

رشکِ دشمن بھی تو ہے عشق ہیں کیا صبر کریں
زہر نے مل کے دوا اور بھی کڑوی کردی

چُٹکیاں لیں گی مری آہ کہا تھا کہ نہیں
اے فلک دیکھ لے چھاتی تری نیلی کردی

اب کسی اور کو چاہیں گے ملیں گے اُس سے
آپ ہٹ جائیے بس آپ سے کُٹی کردی

حسرتِ وصل سے تصویر بھی پوری نہ کھچی
اُنگلیوں سے بھی کمر یار کی پتلی کردی

قول مانگا جو وفا کا تو کہا ظالم نے
چوس کر میری زباں آپ نے جھوٹی کردی

اُن کے آتے ہی نہ تھی داغِ جگر میں وہ چمک
نورِ خورشید نے ضو شمع کی پھیکی کردی

دل ہی مشتاق ترے جلوۂ زیبا کا نہیں
جان بھی ہم نے تو اب نذرِ تجلی کردی

خاک میں خوب ہی ارمان ملائے دل کے
کیسی بستی ستم ایجاد نے سُونی کردی

ابھی یہ جلوہ نمائی ابھی کچھ خاک نہیں
بلبلا پانی کا انسان کی ہستی کردی

دستِ قاتل نے بھی اعجاز دکھائے کیا کیا
خون مہدی کا کیا خون کی مہدی کردی

آتے آتے وہ ادھر پھر گئے دشمن کی طرف
جا بھی اے جذبۂ دل تو نے تو ہیٹی کردی

خوب تیرِ نگہِ ناز کی بوچھار ہوئی
آپ نے غیر کی تصویر تو چھلنی کردی

مجھ کو بیخود نہ سمجھ خوب سمجھتا ہوں تجھے
شمع میرے ہی جلانے کو تو ٹھنڈی کردی

زاہد یہ دعا مانگ ہمیں تو یہ دعا دے
اک بار پھر اُس شوخ سے اللہ ملا دے

وہ اور تسلّی مجھے دیں اُن کی بلا دے
جاتے ہوئے فرما تو گئے صبر خدا دے

ترسائے نہ رندوں کو جو توفیق خدا دے
ساقی جو بچا رکھی ہو لاؤ وہ بھی پلا دے

میں آپ سے کیا لوں جو مکر جائیے لے کر
یہ آپ نے اچھی کہی تو دل تو ذرا دے

اُمید بھی ہر روزِ جزا خوف بھی دل میں
معلوم نہیں وہ ہمیں بخشے کہ سزا دے

اُلفت میں تری صبر و تحمل تو سدا ہے
دل کا مجھے کھٹکا ہو کہیں یہ نہ دغا دے

آنکھوں پہ مری باندھ کے پٹّی شبِ وعدہ
پروانے کو تاکید ہوئی شمع بجھا دے

ہر بات کا اللہ نے بخشا ہے سلیقہ
لڑنا بھی مزا دے ترا ملنا بھی مزا دے

اس طرح بھی غش سے نہیں ہوتا ہے افاقہ
یا زلف سنگھا یا مجھے دامن کی ہوا دے

دشمن سے اگر ترکِ ملاقات ہے منظور
ہے بات ہی کیا تو کوئی الزام لگا دے

دشمن نے لگائی ہے ترے ہاتھ میں مہندی
میں خون کروں آج رنگ حنا دے

اِس تلخ زبانی پہ ہے تو دل کا خریدار
بوسہ بھی نہ کڑوا ہو کہیں پہلے چکھا دے

دم چڑھنے لگا غصّے کے تیور جو بنائے
نازک ہو جو اتنا وہ مجھے خاک سزا دے

بیدرد کو آتا ہے مزا ظلم و ستم میں
اب اُس کی بلا سے کوئی کوسے کہ دُعا دے

کمبخت نے سب کھول دیے رازِ محبت
یہ کس نے کہا تھا تجھے بیخود کو پلا دے

غزل نعتیہ

آنکھوں میں نظر جلوۂ زیبا کے لیے ہے
دل سینے میں حضرت کی تمنّا کے لیے ہے

جو رتبہ غلامِ شہِ والا کے لئے ہے
وہ جم کو میسّر ہے نہ دارا کے لئے ہے

آسان سمجھنا نہ رہِ عشقِ نبیؐ کو
ہر گام پہ کھٹکا دلِ شیدا کے لئے ہے

موسیٰ ہوئے غش جس کی فقط ایک جھلک پر
وہ جلوہ نقاب اُس رُخِ زیبا کے لئے ہے

گھر کرتی ہے دل میں نگہِ نازِ نبیؐ کی
مخصوص یہ محمل اسی لیلےٰ کے لئے ہے

ہم عاشقِ احمد ہیں ہمیں رنج ہے درکار
دنیا کی خوشی طالبِ دنیا کے لئے ہے

اے شوق پہنچ لے کے مدینے میں مجھے تو
بیتاب زباں عرضِ تمنّا کے لئے ہے

تم رہبرِ توحید ہو تم بانئ اسلام
یہ بات کہاں خضر و مسیحا کے لئے ہے

کچھ دور نہیں خلد سے بھاگ آؤں اگر میں
بیچین یہ دل یثرب و بطحا کے لئے ہے

گُل ہو نہیں سکتی ہی کبھی شمعِ نبوت
روشن ہی مگر دیدۂ بینا کے لئے ہے

عقبیٰ کی نہ کچھ فکر نہ دنیا سے سروکار
جینے کا مزا آپ کے شیدا کے لئے ہے

اللہ کا طالب ہوں وسیلے سے نبیؐ کے
یہ خلد یہ اک حور تو ادنیٰ کے لئے ہے

وہ سنگ کہ جس پر ہی نشانِ قدم اُن کا
آئینۂ عرفان دلِ بینا کے لئے ہے

ہوتے نہ اگر آپ تو دنیا بھی نہ ہوتی
آراستہ یہ گھر شہِ والا کے لئے ہے

لبریز ہو دل کیوں نہ مئے عشقِ نبیؐ سے
یہ شیشہ تو بیخودؔ اسی صہبا کے لئے ہے

وہ ستم آپ نے ڈھائے ہیں کہ جی جانتا ہے
ایسے ارمان مٹائے ہیں کہ جی جانتا ہے

رنج وہ ہم نے اُٹھائے ہیں کہ جی جانتا ہے
داغ وہ عشق میں کھائے ہیں کہ جی جانتا ہے

بزمِ دشمن میں نہ پوچھ ہم سے بتا کیا دیکھا
وہ تماشے نظر آئے ہیں کہ جی جانتا ہے

ہم خدا جانے جیئے ہجر میں تیرے کیونکر
دل نے صدمے وہ اُٹھائے ہیں کہ جی جانتا ہے

آج وہ غیر کی محفل سے عدو کے گھر سے — اس طرح روٹھ کر آئے ہیں کہ جی جانتا ہے
تیرا انداز ترا حُسن ترے ناز و غرور — ایسے آنکھوں میں سمائے ہیں کہ جی جانتا ہے
سُن کے فریاد مری حشر میں فرماتے ہیں — تو نے وہ فتنے اُٹھائے ہیں کہ جی جانتا ہے
مٹنے والوں کے جو کچھ نام کو باقی تھے نشاں — آج یوں اُس نے مٹائے ہیں کہ جی جانتا ہے
آپ کے ظلم و ستم آپ کے قدموں کی قسم — اس قدر دل سے بُھلائے ہیں کہ جی جانتا ہے

آج کہتے ہوئے آتے تھے کہیں سے **بیخود**
جلوے وہ تو نے دکھائے ہیں کہ جی جانتا ہے

دل لے کے کرے ان کی بلا بات کسی سے — فرصت ہی نہیں بات کی ہونٹوں کو ہنسی سے
کہدی تھی فقط ہم نے تو اک بات ہنسی سے — اُلفت ہے کسی سے نہ عداوت ہے کسی سے
ہم جان گئے صلح ہے جس واسطے منظور — ہم تاڑ گئے روٹھ کے آئے ہو کسی سے
آیا ہے قیامت میں منانے کوئی مجھ کو — کس طیش سے غصّے سے غضب سے خفگی سے
ناخوش ہی سہی دھیان تو ہے اُن کو ہمارا — ہم خوش ہیں کہ وہ رنج تو دیتے ہیں خوشی سے
ہوتا ہی خفا جب کبھی وہ غیر سے دل میں — اُس وقت کا عالم کوئی پوچھے مرے جی سے
اس رشکِ محبت نے غضب آگ لگائی — جلنے لگے اغیار مرے دل کی لگی سے
سُنتا ہوں سرِ بزم وہ دشمن کی زبانی — پوشیدہ کوئی راز جو کہتا ہوں کسی سے
جب ہم نے کہا ہم بھی تو عاشق ہیں تمہارے — کس ناز سے فرماتے ہیں وہ اپنے ہی جی سے
یوں بھی کسی کمبخت کو دیتے ہیں تسلی — وعدے کا مزا آپ نے کھویا خفگی سے

کیا فکر ہے **بیخود** جو اُٹھاتے نہیں سر بھی
لڑ کر تو نہیں آئے ہو تم آج کسی سے

مضطرب ہیں عاشقِ ناشاد سوتے جاگتے
چٹکیاں لیتی ہے اُس کی یاد سوتے جاگتے

کیا اُنہیں بےچین کر دیتا نہ تیرا اضطراب
وصل میں وہ اے دلِ ناشاد سوتے جاگتے

رات دن شام و سحر ہر وقت ہر دم ہر گھڑی
ذکر ہے اُس کا اُسی کی یاد سوتے جاگتے

خواب میں آ کر ہوا ہے ہم سے وعدہ قتل کا
ظلم ڈھاتا ہے ستم ایجاد سوتے جاگتے

جاگتوں کو تُو سُلا دیتی ہے یہ کیسا اثر
تجھ سے تھی اُمید اے فریاد سوتے جاگتے

خواب بیداری ہے یکساں اُس کے جلوے کیلئے
دیکھ سکتا ہے دلِ ناشاد سوتے جاگتے

دیکھنا کھلنے نہ پائے غیر پر رازِ نہاں
مجھ کو ہوتا ہے یہی ارشاد سوتے جاگتے

اُس کی چشمِ نیم وا کی خوابِ بیداری ہے ایک
چل رہے ہیں ناوکِ بیداد سوتے جاگتے

عمر بھر میں تُو نے **بیخود** کام بھی کوئی کیا
یا یونہی کی زندگی برباد سوتے جاگتے

غمِ فرقت میں دیکھیں کون لیتا ہے خبر پہلے
اجل آتی ہے پہلے یا ہمارا نامہ بر پہلے

چھدے دل پیشتر اپنا کہ زخمی ہو جگر پہلے
لگے ترچھی نظر کی دیکھئے برچھی کدھر پہلے

قیامت میں مقابل لیلی و شیریں کے ہم جانا
ہمیں بھی دیکھنا ہے کس پہ پڑتی ہے نظر پہلے

کلیجے سے لگا رکھی ہے میں نے عشق کی دولت
چلے آتے ہیں سینے میں یہی داغِ جگر پہلے

نظر سے پیشتر دل مل گیا کہتے ہیں کیا اس کو
محبت کا ہے یہ دستور ملتی ہے نظر پہلے

ابھی کچھ تھا ابھی کچھ ہو اسی پر ہے طلب دل کی
ذرا قائم تو ہو لیں آپ اپنی بات پر پہلے

وفا ہوگی جفا ہوگی ستم ہوں گے کرم ہوں گے
اسی کا فیصلہ کر لیجئے قصہ مختصر پہلے

الٰہی خیر غصے میں نکالی تیغ تو اُس نے
غضب یہ ہے لچکتی ہے کلائی سی کمر پہلے

تمہیں بدلے ہوئے ہو کچھ زمانہ تو نہیں بدلا
یہی دن رات تھے پہلے یہی شام و سحر پہلے

ہیں تو اے اجل الفت میں اپنی جاں دینی تھی
ہم اُن کی نذر کر دیتے وہ آجاتے اگر پہلے

ہمیں بیخود نے برسوں میں یہ اک نکتہ بتایا ہی
کہے جب بات کوئی سوچ لے دل میں بشر پہلے

اس دل سے حسینوں کی محبت نہیں جاتی
کیا کیجیے مجبور ہیں عادت نہیں جاتی

بیخود کو مقدر کی شکایت نہیں جاتی
بدلی بھی تو کمبخت کی قسمت نہیں جاتی

اک ہاتھ کمر پر ہی تو اک دوش عدو پر
تصویر میں بھی اُن کی نزاکت نہیں جاتی

ٹالے سے بلائے شب فرقت نہیں ٹلتی
جو آتی ہے آکر وہ مصیبت نہیں جاتی

ہنسنے میں بھی تو نالہ نکل جاتا ہے منھ سے
مظلوم ہوں فریاد کی عادت نہیں جاتی

ہے میرے لہو میں یہ اثر میری وفا کا
ہاتھوں میں جو مل لیجیے رنگت نہیں جاتی

روٹھی ہوئی بیٹھی ہی قیامت نہیں اٹھتی
وہ آکے چلے گھر شب فرقت نہیں جاتی

سنتے تھے بہت وضع کے پابند ہیں بیخود
باز آرہیں پی لینے کی عادت نہیں جاتی

مل کر رقیب سے تری طینت بدل گئی
شوخی سے وہ حجاب کی عادت بدل گئی

دونو کی صبح وصل کو حالت بدل گئی
اُن کی نظر پھری مری قسمت بدل گئی

کہتے ہیں اس کو ہجر کہ کہتے ہیں مجھ سی وہ
تیری تو ایک رات میں صورت بدل گئی

روٹھے وہ مجھ سے کیا کہ زمانہ پلٹ گیا
روز وصال سے شب فرقت بدل گئی

تم اور وعدہ اُس پہ قسم میری جان کی
شاید رقیب سے مری قسمت بدل گئی

بیتاب مجھ کو دیکھ کے حیران رہ گئے
تمکیں سے آج اُن کی شرارت بدل گئی

غصے میں کھا رہی ہو زبان اُنکی بلیاں
اک اُٹھ چکی تو اور قیامت بدل گئی

دھبہ لگا دیا تمھیں چاہت نے غیر کی — بدنامیوں سے حُسن کی شہرت بدل گئی

محفل وہی مکان وہی آدمی وہی — یا ہم نئے ہیں یا تری عادت بدل گئی

عہدِ وفا پہ آپ نے کھائی تو ہے قسم — دو چار دن کے بعد جو نیت بدل گئی

یہ کس نے پھول لاکے چڑھائے مزار پر — گلزارِ خلد سے مری تربت بدل گئی

پروانہ شمع بن کے جلا شمع گل بنی — آتے ہی اُن کے بزم کی رنگت بدل گئی

بیخود شرابِ عشق کی توبہ نہ نبھ سکی
ساقی سے آنکھ ملتے ہی نیت بدل گئی

برمایا ہے دل تو نے چھیدا ہے جگر تو نے — جب غیر پہ محفل میں ڈالی ہے نظر تو نے

اِس حُسن کو سمجھا تھا کیا حُسنِ بشر تو نے — آئینے میں کیا دیکھا انصاف تو کر تو نے

دیکھا جو مجھے مضطر وہ سو نہ سکے دم بھر — کیا ظلم کیا اُن پر اے دردِ جگر تو نے

بھولا نہیں میں ایسا میں خوب سمجھتا تھا — دشمن کو دیا چکما مجھ سے نہ مکر تو نے

پھر مجھ سے لڑا ہوتا پھر روٹھ گیا ہوتا — پھر دیکھ لیا ہوتا نالوں کا اثر تو نے

پروانے کی حالت تھی رخصت کی گھڑی میری — دیکھا یہ تماشا بھی اے شمعِ سحر تو نے

اُلفت میں یہ رسوائی اغیار کی بن آئی — کیا نام ڈبویا ہے اے دیدۂ تر تو نے

مظلوم کی آہوں سے ڈرنا ہی مناسب ہے — کیوں قتل پہ عالم کے باندھی ہے کمر تو نے

عیاری و مکاری مجھ سے نہیں چلنے کی — دل میرا چرایا ہے لا ہاتھ ادھر تو نے

ہم دور نہ تھے تجھ سے دشمن کے مقابل تھے — قربان تغافل کے دیکھا نہ مگر تو نے

آنسو نکل آئے ہیں دل کیسے جلائے ہیں — دیکھا ہے جدھر میں نے گھورا ہے جدھر تو نے

نومیدِ کرم ہو کر پھر مے سے بھرا ساغر — اِس آگ کو بھڑکایا اے دامنِ تر تو نے

اب صبر کا کیا رونا اب جان کا غم کیسا
دل کھینچ لیا میرا ملتے ہی نظر تو نے

دشمن کو لڑایا ہے دل میرا جلایا ہے
اے بانئ شر تو نے اے شعبدہ گر تو نے

بیمارِ محبت کا جھوٹوں بھی نہ دل رکھا
لینی تھی خبر تجھ کو لی خوب خبر تو نے

اس حسن و نزاکت پر یہ لُوٹ تری خودسر
غنچے کا دہن چھینا چیتے کی کمر تو نے

کچھ عرش سے بڑھنا تھا جب اُس کا پتا ملتا
اے چشمِ حقیقت بیں دیکھا نہ ادھر تو نے

کیا میری محبّت کی کانوں میں خبر پہنچی
گردن جو اُدھر موڑی ملتے ہی نظر تو نے

یہ سحر زباں بھی ہے اعجاز بیاں بھی ہے
دیکھا کہ نہیں دیکھا بیخود کا ہنر تو نے

یوں بزم میں اُٹھتی ہے نظر قہر و غضب سے
سمجھے کوئی روٹھے ہوئے بیٹھے ہیں وہ سب سے

آگاہ ہیں کچھ ایسے وہ دل لینے کے ڈھب سے
خالی نہیں انکار بھی تو حُسن طلب سے

کیا رنج اُٹھائے ہیں دلِ عیش طلب نے
کٹنے کو کٹی عمر مگر رنج و تعب سے

پہلے نہ زلیخا نے کہا دستِ طلب سے
یہ دامنِ یوسف ہے نہ بڑھ حدِّ ادب سے

پستی میں نظر آنے لگی رفعتِ منزل
جو خاک نشیں تھے وہی اونچے رہے سب سے

یہ داغ یہ صدمے یہ قلق ہم نے اُٹھائے
کس واسطے کیا وجہ فقط تیرے سبب سے

یارب اُسے تو سودۂ الماس سے بھرنا
جو زخم کہ خالی ہو ترے دردِ طلب سے

بیمارِ محبت کے لئے موتِ شفا ہے
نسخہ یہ اُڑایا ہے مسیحا کے مطب سے

ہم نے تو اُنہیں خواب میں دیکھا تھا سحر کو
غیروں میں یہ چرچا ہے کہ غائب ہیں وہ شب سے

جُھکتا ہوں جو بوسے کے لئے اُن کے قدم پر
آواز یہ آتی ہے خبردار ادب سے

پڑ کر ترے دامن پہ مرا ہاتھ نہ سرکے
ہمّت کی طلب ہے مجھے اب دستِ طلب سے

وہ دیکھ کے آئینہ کو حیران یہ بولے
قسمت کا گلا رندوں کو ہوتا نہیں واعظ
کھل کھیلے نہ مشتاق تمنا انہیں ڈر ہے
رکتی ہوئی لڑتی ہے نظر مجھ سے عدو کی
کیوں سوچ ہے کیا ختم ہوئیں میری وفائیں
اس رشکِ قمر کو مرے پہلو میں جو دیکھا
بدنامیٔ عشاق کا ہے پاس یہاں تک
آنکھوں سے جو دیکھا ہے تڑپتے ہوئے مجھ کو
کر لیجے رقم اپنے غلاموں میں مرا نام

ارشاد تو ہو آپ نے چاہا مجھے کب سے
دھل جاتی ہے سب کلفت غم آبِ طرب سے
شوخی کو ابھرنے نہیں دیتے وہ غضب سے
اٹھتے ہیں تری بزم میں فتنے بھی ادب سے
پہلی جو نہیں یاد تو گنتے رہو اب سے
خورشید نے منہ ڈھانک لیا دامنِ شب سے
مشہور وہ کرتے ہیں کسی اور لقب سے
وہ خواب میں ڈر ڈر کے اچھل پڑتے ہیں جب سے
موقع ہو تو یہ عرض کروں شاہِ عرب سے

باتوں میں تو **بیخود** سے کوئی جیت نہ سکتا
ہارا ہے اگر قول تو یہ بنتِ عنب سے

پامال نعش کیوں نہ ہو مجھ خستہ حال کی
کھٹکے گی بعد مرگ بھی حسرت وصال کی
رہ رہ کے یاد آئی ہے شوخی جو چال کی
ہم کو نہیں ہے تجھ سے ضرورت سوال کی
آئینہ کیا بتائے گا مجھ سے ملاؤ آنکھ
ہم کیوں یہ سمجھیں ہم بھی ہیں عالم میں ہم کہاں
پھرنے لگے ہوئے ہیں تصور میں غیر کے
پردے کی بات کے لئے پردہ ضرور تھا

تعلیم دے رہے ہیں قیامت کو چال کی
نکلی نہ تم سے پھانس کسی خستہ حال کی
مٹ مٹ گئی ہے قبر ترے پائمال کی
خود منہ سے بولتی ہے تمنا وصال کی
میری نظر کسوٹی ہے حسن و جمال کی
اپنا خیال ہی غلطی ہے خیال کی
رہتی ہے روک ٹوک ہمارے خیال کی
پہلو میں دل ہے دل میں تمنا وصال کی

اے دل ہماری بات سُنے اب تری بلا
ہو دُھن لگی ہوئی تجھے اُن کے وصال کی

ارمان وہ نکالنے آئے ہیں نزع میں
کیا لوٹ مچ رہی ہو مسافر کے مال کی

دل ہیں فنا ہے درد ہو الفت ہو سوز ہے
فہرست لکھ رہا ہوں یہ ہیں اپنے مال کی

غصّے میں بھی تو اُس نے نہ چھوڑی ادائے حُسن
ماتھے کی ہر شکن میں ہو صورت ہلال کی

ہم نے جتا دیا تھا کہ دشمن ہے بیوفا
تم سمجھے اس نے جوڑ چلا اس نے چال کی

برسوں رہے ہیں حضرتِ موسیٰ کے ہوش گم
دیکھی تھی اک جھلک ترے حُسن و جمال کی

بچنا تمام عمر تم اس فاقہ مست سے
دیکھو عدو کی آنکھ ہو بھُوکی جمال کی

دل میں چھپے کبھی کبھی آنکھوں میں چھپ گئے
ہوتی ہو اُن سے آنکھ مچولی خیال کی

تم چھپ کے ساتھ پردوں میں مجھ سے نہ چھپ سکے
آنکھوں سے دور ہیں ہیں نگاہیں خیال کی

جو ابتدا میں ننگ تھے وہ انتہا میں ہیں
تفریق عشق میں نہیں ماضی و حال کی

میں کشتۂ نگاہِ تغافل شعار ہوں
پرسش نہ ہوگی حشر میں بھی میرے حال کی

سب دل کے بھید کھول لیے جس سے جا ملی
اُس شوخ کی نگاہ بھی ہو کس کمال کی

کچھ اس ادا سے وصل میں روٹھے ہیں آج وہ
برسوں رہے گی ہم کو تمنّا ملال کی

دھوکے میں پہلے حضرتِ واعظ نے پی تو لی
جب نشہ کھل گیا تو بڑی قیل و قال کی

ہم تجھ سے اور تیرے سوا کیا طلب کریں
منظور کب ہے قدر گھٹانی سوال کی

یہ ابر یہ ہوا یہ جوانی یہ فصلِ گل
زاہد ابھی سے تجھ کو پڑی ہو مآل کی

ظلم و ستم کے شکوہ پہ شوخی تو دیکھئے
صورت بنائے بیٹھے ہیں وہ انفعال کی

ویران کرکے دل کو اُسے ڈھونڈتے ہیں ہم
صحرا میں جستجو ہے رمیدہ غزال کی

بچنا مریضِ ہجر کا کچھ کھیل تو نہ تھا
برسوں رہا علاج بہت دیکھ بھال کی

جو تجھ پہ مٹ گئے جنہیں تو نے مٹا دیا / وہ لوگ لوٹ لے گئے دولت وصال کی

کچھ اب کے گر کے برق نے تنکے جلا دئے / کچھ آگ آشیانے میں تھی پچھلے سال کی

بیخود کی خامشی کا سبب اُن سے پوچھئے / اس کو تو کچھ خبر ہی نہیں اپنے حال کی

اُٹھے تری محفل سے تو کس کام کے اُٹھے / دل تھام کے بیٹھے تھے جگر تھام کے اُٹھے

دم بھر مرے پہلو میں اُنہیں چین کہاں ہو / بیٹھے کہ بہلنے سے کسی کام کے اُٹھے

افسوس سے اغیار نے کیا کیا نہ ملے ہاتھ / وہ بزم سے جب ہاتھ مرا تھام کے اُٹھے

دنیا میں کسی نے بھی یہ دیکھی ہے نزاکت / اُن سے نہ کبھی حرف مرے نام کے اُٹھے

اُس بزم سے اُٹھ کر تو قدم ہی نہیں اُٹھتا / گھر صبح کو پہنچے ہیں کہیں شام کے اُٹھے

جو ظلم و ستم تم نے کئے سب وہ اُٹھائے / اک رنج و قلق ہم سے نہ الزام کے اُٹھے

صدمے تو بہت قید میں جھیلے مرے دل نے / جھٹکے نہ مگر زلفِ سیہ فام کے اُٹھے

ہے رشک کہ یہ بھی کہیں شیدا نہ ہوں اُس کے / تربت سے بہت لوگ مرے نام کے اُٹھے

افسانہ حسن اُس کا ہے ہر ایک زباں پر / پردے نہ کبھی جس کے در و بام کے اُٹھے

آغازِ محبت میں مزے دل نے اُڑائے / پوچھے تو کوئی رنج بھی انجام کے اُٹھے

دل نذر میں لے آئے ہم اک شوخ کو بیخود / بازار میں جب دام نہ اس جام کے اُٹھے

بن گئی صورتِ غمِ اُلفت میں لاثانی مری / سیکھتا جاتا ہے آئینہ بھی حیرانی مری

حشر کے دن کام آئی ہے پشیمانی مری / دامنِ مریم بنی آلودہ دامانی مری

خارِ صحرائے جنوں کرتے ہیں مہمانی مری / بارگاہِ عشق کا خلعت ہے عریانی مری

اُس کے جوبن نے اُبھر کر کہدیا یہ صاف صاف
میں وہ فتنہ ہوں قیامت بھی ہو دیوانی مری

بے مزہ جینے سے یارب مار ڈالا جیتے جی
تیغ قاتل بن گئی مجھ کو گراں جانی مری

داغ کھانے کے لیے تھے اشک پینے کیلئے
بزمِ دشمن میں ہوئی کیا خوب مہمانی مری

اب تو معنی آگئے تو من شدی کے فہم میں
پھوٹ نکلی تیرے چہرے سے پریشانی مری

تم نے مجھ سے دشمنی کی مقتضا تھا عقل کا
میں نے تم کو دوست سمجھا تھی یہ نادانی مری

اب تقاضا ہے ہمیں تصویر اپنی بھیج دو
اس قدر اُن کو پسند آئی ہے حیرانی مری

میں تصور میں پہنچ جاؤں گا بزمِ یار تک
کر چکے احباب اُلفت میں نگہبانی مری

عرضِ مطلب پر شبِ وعدہ ہوا ارشاد یہ
پاس رہ کر بھی نہ عادت تو نے پہچانی مری

ہو گئی مقبول ایسی کونسی میری دعا
آج کیوں اُٹھتی نہیں سجدے سے پیشانی مری

اور سُنئے رشکِ دشمن نے بنادی جان پر
قتل کرتی ہے مجھی کو چینِ پیشانی مری

چھوڑ کر دامن کسی کا پیٹتا ہوں اپنا سر
بڑھ گئی جوشِ زلیخا سے پشیمانی مری

بعدِ مردن بھی ہے جوشِ وحشت کی ترنگ
قبر میں کرتی ہیں اب حوریں نگہبانی مری

اُن کو پہلے تو فقط ناز و ادا پر ناز تھا
اب وہ یہ سمجھے کہ صورت بھی ہے لاثانی مری

اس جگر کاوی کی بیخود داد مل جاتی مجھے
زندگی میں یہ غزل سُنتا جو خاقانی مری

تمت

مخمس نعتیہ بر غزل حضرت امیر مینائی مرحوم

قدرت کا تماشا نظر آیا شبِ معراج
انعام جو مخصوص تھا پایا شبِ معراج
کس شوق سے پہلو میں بٹھایا شبِ معراج
اللہ نے خلوت میں بلایا شبِ معراج
کیا رتبۂ محبوب بڑھایا شبِ معراج

جبریل نے دولہا جو بنایا شبِ معراج
گیسو نے عجب رنگ دکھایا شبِ معراج
ہر ایک نبی دیکھنے آیا شبِ معراج
جامہ جو محمدؐ کو پنہایا شبِ معراج
عطرِ گل جنّت سے بسایا شبِ معراج

گر پڑتی تھی ہر گام پہ بجلی سی چمک کر
تھی رُخ کی ضیا برقِ تجلی کے برابر
حضرت تھے ادھر اور اُدھر خالقِ اکبر
ذات آپ کی تھی شانِ جمالی کی جو مظہر
رحمت نے کیا چھیل کے سایا شبِ معراج

جب عرش پہ تھے عرش کے وہ ہیم بھی تھے آپ
بندے تھے مگر لائق تکریم بھی تھے آپ
جھکتے بھی تھے اور قابلِ تعظیم بھی تھے آپ
احمد بھی تھے اور احمد بے میم بھی تھے آپ
یکتائی کا جلوہ نظر آیا شبِ معراج

جو فرق ہے سنتے ہیں وہ ظاہر ہے نہ پنہاں
یہ حوصلہ یہ ظرف ہے عالم پہ نمایاں
واں نور کی باتوں سے تسلی ہوئی ہاں ہاں
واں طور پہ موسیٰ کو تجلّی ہوئی اوریاں
اللہ نے پاس اپنے بلایا شبِ معراج

جو عزم کہ تھا دل میں نہ ہوتا تھا مکمل
یہ حسن کا تھا رعب کہ تھا جسم معطّل
ہر چند کہ دل سینے میں تھا شوق سے بیکل
اللہ رے پاسِ ادب احمدِ مرسل

جبریل نے آنکھوں سے جگایا شبِ معراج

ہر گام تجلّی جو سرِ راہگذر تھی
تھا شوق ادھر محویتِ شوق اُدھر تھی
اس بے خبری میں بھی تو ہم سب کی خبر تھی
کیا اُمتِ عاصی پہ ترحم کی نظر تھی

بگڑی ہوئی باتوں کو بنایا شبِ معراج

ششدر کوئی صف تھی تو کوئی غول تھا مضطر
بچھی ہوئی آنکھیں تھیں سرِ راہ برابر
جائے کوئی کس طرح اس انداز سے بچ کر
پس پس گئے دل حوروں کے ایک ایک نگہ پر

آنکھوں میں عجب سُرمہ لگایا شبِ معراج

جس پردہ کے نزدیک بھی آیا نہیں جاتا
انسان کجا وہم کسی کا نہیں جاتا
موسیٰ سے جہاں ہوش سنبھالا نہیں جاتا
جو جلوہ پسِ پردہ بھی دیکھا نہیں جاتا

بے پردہ وہ جلوہ نظر آیا شبِ معراج

کیوں ٹھیکری رکھتے ہو عبث آنکھوں کے اوپر
انصاف کرو ہم سے ذرا آنکھ ملا کر
دنیا میں ہوا ہے کوئی حضرت کی برابر
فردوس کے مختار ہوئے شافعِ محشر

عالم کو جہنم سے بچایا شبِ معراج

دانتوں کی چمک رشکِ گہر ہو گئی سب کو
دامن کی ہوا بادِ سحر ہو گئی سب کو
تعظیم تری مدِّ نظر ہو گئی سب کو
ہفتاد و دو عالم میں خبر ہو گئی سب کو

ڈنکا وہ نبوت کا بجایا شبِ معراج

یہ لطف یہ احسان یہ بخشش یہ عنایت
ماں کو بھی بچے سے نہ ہوگی یہ محبت
اللہ رے کرم جب ہوئی اللہ سے خلوت
عذر اُن کے گناہوں کا کیا واہ رے شفقت

دھیان آپ کو اُمت ہی کا آیا شبِ معراج

ہم کو یہ نبی بخشا ہے اللہ کا احسان | اترا ہے اسی گیسوؤں والے پہ تو قرآن
وہ اپنا بنا لیں اسے بیخود کو ہے ارمان | سو جانیں امیر احمد بے میم پہ قربان

خلعت احدیت کو بھی پایا شب معراج

مخمس بر غزل استادی حضرت نواب فصیح الملک بہادر داغ دہلوی مرحوم و مغفور

نہ کس طرح ہوں التجائیں تمہاری | بہت کی ہیں میں نے خطائیں تمہاری
مجھے دل سے بھائیں جفائیں تمہاری | قیامت ہیں بانکی ادائیں تمہاری

ادھر آؤ لے لوں بلائیں تمہاری

وہ معشوق کیا جو شرارت سے چوکے | مزا تو یہ ہے بات میں بات نکلے
محبت فقط آزمانے کو ہم نے | جو پوچھا کبھی شغل تنہائی ان سے

کہا گنتے ہیں ہم خطائیں تمہاری

یہ تقریر دشمن کی ہے جاہلانہ | غلط ہے یہ بدنامیوں کا بہانہ
زبانوں پہ جاری ہے ان کا فسانہ | زمانے میں ہیں یادگار یہ زمانہ

وفائیں ہماری جفائیں تمہاری

پڑا ہے کوئی وقت جب دشمنوں پر | یہاں بھی ہمیں کام آئے ہیں اکثر
مگر یہ تو معلوم ہو بندہ پرور | ہمیں دو گے انعام کیا روز محشر

جو ہم بات بگڑی بنائیں تمہاری

محبت کی لیلیٰ سے ہوں دو دو باتیں | وفا کی زلیخا سے ہوں دو دو باتیں
لبوں کی مسیحا سے ہوں دو دو باتیں | تجلی کی موسیٰ سے ہوں دو دو باتیں

اگر شکل ہم دیکھ پائیں تمہاری

یہ گانا وہ ہے جس سے ہو موم پتھر
یہ وہ سحر ہے جس سے جن ہو مسخّر
پھر اُس پر غضب یہ کہ ہو تم سا دلبر
پھڑک جائے کیونکر نہ انسان سُن کر
رسیلی سُریلی صدائیں تمہاری

ہنسی کھیل سمجھے تھے دل کا لگانا
غضب ہے ستم ہے طبیعت کا آنا
یہی حال ہے تو پڑا زہر کھانا
ہمیں بے تمہارے ہے سم آب و دانا
قسم بھی جو کھائیں تو کھائیں تمہاری

کتابِ محبت ہے کچھ ایسی ویسی
لکھی اس میں باتیں ہیں سب سچّی سچّی
سُنو گے مگر یہ کہو کس کی بیتی
ہر اک داستاں ہے نہایت مزے کی
ہم اپنی کہیں یا سُنائیں تمہاری

یہ کہتے ہیں ہم سے اشارے تمہارے
کہ وہ شرم کے دن سدھارے تمہارے
رہے پردہ اب کیوں ہمارے تمہارے
کریں آنکھ سے ہم نظارے تمہارے
سُنیں کان سے ہم صدائیں تمہاری

ابھی کہہ چکا ہوں شاروں میں تم سے
سمجھتے نہیں بات کو ایسے بھولے
نہیں ڈھنگ اِن خوش نصیبوں کے اچھے
کرو صدقے غیروں کو سر پر سے اپنے
بڑے لینے والے بلائیں تمہاری

یہ اقرار جھوٹے ہیں یہ عہد باطل
بلا ہو مری جھوٹی قسموں میں شامل
ملاقات کا لطف یہ ہے ملے دل
بظاہر محبت جتانے سے حاصل
مجھے کوستی ہیں دعائیں تمہاری

عجب کیا کلیجہ اگر غم سے شق ہو ہمیں عاشقوں میں کوئی جان بحق ہو
لہو خشک ہو رنگ چہرے کا فق ہو یقیں ہو کہ اب سے زیادہ تعلق ہو
محبت جو ہم آزمائیں تمہاری

وہ آجائیں دم میں نہیں ایسے غافل اُنہیں راہ پر لائے تھے ہم بمشکل
یہ ہوتا ہے بیہودہ باتوں کا حاصل وہ گھبرا گئے آخر اے حضرتِ دل
کہاں تک سُنیں التجائیں تمہاری

اثر بے قراری میں جب کچھ نہ پایا ستم کیش نے اور بھی دل جلایا
شرارت سے مضمون کیسا سمجھایا شبِ غم وہاں سے یہ پیغام آیا
اثر کر چکیں بس دعائیں تمہاری

محبت میں دیکھے نہ تھے یہ تماشے کھڑے ہوتے ہیں رونگٹے حال سن کے
کوئی ان کو بیخود کے دل سے تو پوچھے اُٹھائے ہیں صدمے بہت داغ تم نے
الٰہی مرادیں بر آئیں تمہاری

دیگر

میری تقصیر ہے کیا یہ تو جتا دو مجھ کو میں اگر بھول گیا ہوں تو پتا دو مجھ کو
کہنے سُننے پہ کسی کے نہ سزا دو مجھ کو تم کو چاہا تو خطا کیا ہے بتا دو مجھ کو
دوسرا کوئی تو اپنا سا دکھا دو مجھ کو

اک مجھی سے تو نہیں تم کو پڑا ہے پالا غیر سے بھی تو ملاقات ہے بالا بالا
تم نے تو خوب زمانے کو ہے دیکھا بھالا کون ہوتا ہے کڑی بات کا سہنے والا
گالیاں تم کو سکھا دیں یہ دعا دو مجھ کو

ایسی کیا گوں ہو جو میں گھر کے کروں گا سودا　　آنکنے اون نے جو مول بتایا وہ کہا
جا نچنے بھی تو نہ پائے کہ بتا کر مہنگا　　دل مرا ہاتھ میں لیتے ہی الگ پھینک دیا

مال ایسا یہ نہیں لاؤ اُٹھا دو مجھکو

اپنی ہستی سے نہ غافل دلِ ناشاد رہے　　ہو کے مغرور نہ مٹی کہیں برباد رہے
اس خرابے کی وہاں بھی کوئی بنیاد رہے　　باغ فردوس میں بھی بوئے وطن یاد رہے

عطر مٹی کا دمِ مرگ سنگھا دو مجھکو

ڈھنگ یہ ٹھیک نہیں ہوش میں آؤ دیکھو　　حسرتیں خاک میں میری نہ ملاؤ دیکھو
گرمیاں ہو چکیں بس جی نہ جلاؤ دیکھو　　غیر کو دستِ حنائی نہ دکھاؤ دیکھو

گر لگانی ہے یونہی آگ لگا دو مجھکو

تم کہو یا نہ کہو میں نے تمہیں جان لیا　　تم وہی شخص ہو جس نے مرا ایمان لیا
فائدہ کیا ہے مکرنے سے کہو مان لیا　　تم کو تو حشر کے دن لاکھ میں پہچان لیا

میں بھلا کون ہوں میرا تو بتا دو مجھ کو

یوں پلٹ جاتی ہے دم بھر میں طبیعت دیکھو　　دیکھنے والو اسے کہتے ہیں نفرت دیکھو
یہ مصیبت یہ تباہی یہ قیامت دیکھو　　زہر بھی وہ نہیں دیتے مری قسمت دیکھو

جھوٹے مُنھ بھی جو کہوں پان لگا دو مجھ کو

حیف جاگا ہوا جب اپنا مقدر سوئے　　وصل میں پھر کوئی آرام سے پتھر سوئے
حکم تھا آج نہ گھر میں کوئی دم بھر سوئے　　وہ جو سوئے بھی شبِ وعدہ یہ کہکر سوئے

جب وہ آئے تو اُسی وقت جگا دو مجھ کو

عمر بھر اب نہ گرفتار بلا ہوں ہرگز　　ہو محبت تو محبت نہ نبا ہوں ہرگز

قول سے اپنے پھروں میں نہ پھرا ہوں ہرگز　　اب خدا چاہے تو میں تم کو نہ چاہوں ہرگز

پھر یہ تقصیر ہو مجھ سے تو سزا دو مجھ کو

مجھ کو کیا میں تو تمہارے ہی لئے کہتا تھا　　لوگ جانیں گے برا تم کو جب اچھا ہوگا

اجی سوچو تو مرا قول ہی بیجا کہ بجا　　دل میں سو شکوۂ غم پوچھنے والا ایسا

کیا کہوں حشر کے دن یہ تو بتا دو مجھ کو

پہلے اک شخص پہ کچھ یونہیں سا ہوتا تھا گماں　　چار دن بعد مگر پھر اُسے دیکھا تو کہاں

میں نے تو دیکھ لیا ڈھونڈ لیا سارا جہاں　　مجھ کو ملتا ہی نہیں مہر و محبت کا نشاں

تم نے دیکھا ہو کسی میں تو بتا دو مجھ کو

کم تو ہو جائیگی تدبیر سے وحشت دل کی　　یہ تو مانا کہ بدلتی نہیں قسمت دل کی

اُن کو معلوم تو ہو جائے حقیقت دل کی　　ہمدمو اُن سے میں کہہ جاؤں گا حالت دل کی

دو گھڑی کے لئے دیوانہ بنا دو مجھ کو

فکر و تشویش ہے کیوں سوچ یہ کیوں آتا ہے　　میں تمہیں چھوڑ دوں ایسا بھی کہیں ہوتا ہے

جان بچ جائے تو نقصان تمہارا کیا ہے　　بے مروّت دلِ بیتاب سے ہو جانا ہے

شیوۂ خاص تم اپنا ہی سکھا دو مجھ کو

مجھ سے کہتا تھا ابھی راہ میں اک راہ نشیں　　آج محفل سے نکالا گیا وہ دشمنِ دیں

آ کے اخلاص میں بیخود سے یہ پوچھا تھا کہیں　　تم بھی راضی ہو تمہاری بھی خوشی ہے کہ نہیں

جیتے جی داغ یہ کہتا ہے مٹا دو مجھ کو

مخمس بر غزل صاحبزادہ محمد شبیر علی خاں صاحب شبیر شاگرد حضرت داغ و مصنف

چہرہ پھر کچھ خود بخود مرجھا گیا ۔۔۔ میری قسمت پھر کسی کا کیا گیا
پھر سدھارا صبر پھر غم چھا گیا ۔۔۔ بیٹھے بیٹھے پھر کوئی یاد آ گیا
کیا تصور تھا کہ دل تڑپا گیا

اس لب ہرزہ سرا کا کیا گیا ۔۔۔ وہ خجل ہو مجھ سے کب دیکھا گیا
جا گرا قدموں پہ اُس پر چھا گیا ۔۔۔ جب شکایت سن کے وہ شرما گیا
مجھ کو اُس پر اور بھی پیار آ گیا

چین سے سوتے رہے وہ رات بھر ۔۔۔ اُن کو کیا معلوم اُن کو کیا خبر
کس طرح سے میں نے پکڑی ہے سحر ۔۔۔ کہتے ہیں بیہوش مجھ کو دیکھکر
کیوں مرے جاتے ہو لو میں آ گیا

یاد ہے مجھ کو وہ قصہ طور کا ۔۔۔ صاعقے کا بیچ میں پردہ رہا
تھے پسِ پردہ اُن کا دل بھی رکھ دیا ۔۔۔ سچ تو یہ ہے تیرا جلوہ ہی نہ تھا
چشمِ موسیٰ سے جو یوں دیکھا گیا

ناز تھا اپنی عبادت پر غضب ۔۔۔ وہ ہوئے شامل گنہگاروں میں کب
یاد تھا کب عاجزی کا اُن کو ڈھب ۔۔۔ میری بخشش سے جلے زُہّاد سب
ابرِ رحمت آگ سی برسا گیا

اُن کو فرصت کب ہے مے کے دور سے ۔۔۔ وہ بُرے ثابت ہوئے ہر طور سے
کل یہ بیخود نے سنا اک اور سے ۔۔۔ سب میں رسوا ہیں وہ رسمِ جور سے
تو بتا شبیر تیرا کیا گیا

رباعیات در تہنیت سالِ نو

بدخواہ ہمیشہ رہے تیرا دل تنگ
غم تجھ سے رہے دور ہزاروں فرسنگ
ہر وقت ہے بیخود کی دعا خالق سے
یہ سال نیا تجھ کو مبارک اے ینگ

عشرت کی تجھے نوید ہو اے روز ویر
" یہ سال نیا سعید ہو اے روز ویر
ہر شب ہو شب برات ہر دم ہو خوشی
ہر روز تجھے عید ہو اے روز ویر

ہے کسے کی تو خوبی کا بیاں ناممکن
" لکھے جو صفت کلک زباں ناممکن
الفت کی لیاقت کی وفاداری کی
ممکن نہیں تعریف ہو ہاں ناممکن

اس سال کی ہر گھڑی خوشی سے گذرے
" گذرے جو گھڑی اسی خوشی سے گذرے
مس ینگ کو دیتا ہے دعائیں بیخود
یہ سال نیا ہنسی خوشی سے گذرے

رباعی در توصیف جناب حاذق الملک حکیم حافظ محمد اجمل خاں صاحب

بخشا ہے عجب دستِ شفا یزداں نے
انصاف یہ ہے کام کیا درماں نے
بیخود کا تو ہو چکا تھا بس کام تمام
چھینا ہے اجل کے منھ سے اجمل خاں نے

قطعات

قطعہ تاریخ تولد فرزند ارجمند مولوی محمد حسین صاحب محمد تخلص و رئیس بسارست تہور دریا بھر

وہ محمد کہ جسے شانِ محبت لکھوں
وہ محمد جسے الفت کا کہوں میں مصدر
وہ وفا کیش کہ ثانی نہیں جس کا پیدا
دوست وہ دوست کہ سب دوستوں کا سرِ دفتر

پاک دل پاک نظر پاک روں پاک نہاد
نیک خو نیک نفس نیک چلن نیک سیر

اُس کو اللہ نے بخشا ہی پسر ماہ جمال
نخل اُمید میں تازہ نظر آیا ہے ثمر

مژدہ لائی جو صبا اُس کے تولد کا یہاں
اُس کی تاریخ یہ بیخود نے لکھی خوش ہوکر

نام کا نام ہے تاریخ کی تاریخ ہے یہ
تم کو مسعود و مبارک ہو ہمایوں اختر ۱۳

قطعہ تاریخ عطائے خطاب حاذق الملک ارسطوئے زمان فلاطون دوران ابو سعید جناب محمد عبد المجید خاں صاحب مرحوم و مغفور

حاذق الملک کا خطاب دیا
رہے آباد شاہِ انگلستاں

نام عبد المجید خاں ان کا
جانتا ہے ہر ایک پیر و جواں

آپ پر ختم ہوگئی خوبی
آپ کا خاندان فخرِ جہاں

آپ سی کی رائے آپ کی تشخیص
آپ کا نسخہ آپ کا درماں

ہم نے مانا کہ اور بھی ہیں طبیب
لاکھ ہوں آپ سا حکیم کہاں

آپ کا لطف ہی مدارِ حیات
آپ سے مل کے جیتے ہیں انساں

آپ کا خُلق خلق کے حق میں
بن گیا صاف چشمۂ حیواں

جاں بلب آپ نے سنبھالے ہیں
ملک الموت آپ سے ترساں

قوم میں آپ کی ہی روح پھنکی
قوم کی جان آپ پر قرباں

مدرسہ آپ نے کیا جاری
آپ سا کون ہوگا فیض رساں

اب تو دلّی کا ہر گلی کوچہ
آپ کے دم سے بن گیا یوناں

آپ کی مدح پھر زباں میری
آپ کا وصف پھر ہیچمداں

سنئے بیخود سے مصرعِ تاریخ	حاذقِ ملک و علیسئ دوراں

تاریخ ترقیم واسوخت حضرت مختار شاگرد استادی حضرت داغ مرحوم مغفور

نوشت است مختار واسوختے	چو از جورِ شوخی دلش سوختے
چو آمد بمن مژدۂ ایں کتاب	دلم گفت ہاں بہرِ سالش شتاب
ندا آمد از غیب بیخود شنو	گلستانِ نازک خیالی بگو
خوب واسوخت لکھا کیا کہنا	ہم نے دیکھی نہیں ایسی تحریر
صاف کاغذ پہ نظر آتی ہے	بیحجابانہ ستم کی تصویر

قطعہ تاریخ طبع دیوان منشی جگن ناتھ شوق شاگرد شاعر صاحب دہلوی

مژدہ اے بلبلانِ باغِ سخن	مشتہر گشت گل فشانیٔ شوق
طوطیانِ چمن خموش شوند	نبود سہل ہمزبانیٔ شوق
رمزدانِ سخن ہمیں داند	قیمت و قدر نکتہ دانیٔ شوق
حُسن را ترجمان چو او نبود	کس نگوید چو او معانیٔ شوق
شاعرے نیست شوق را مانند	خود بود شوق مثل و ثانیٔ شوق
عرضِ حال است مقصدِ بیخود	قصد او نیست مدح خوانیٔ شوق
گفت تاریخ طبع دیوانش	مے تواں دید خوش بیانیٔ شوق

قطعہ تاریخ طبع دیوان دوم مولانا عبدالرحمن صاحب راسخ مرحوم

خدا بخشے عجب طرزِ بیاں تھی — فصاحت تھی بلاگردانِ راسخ
معانی یاب پائی تھی طبیعت — بلاغت دل سے تھی قربانِ راسخ
جوانی میں سدھارے سوئے جنت — بندھا تھا موت سے پیمانِ راسخ
چھپا یہ دوسرا دیوان اُن کا — یہی باقی تھا اک ارمانِ راسخ
لکھی بیخود نے یہ تاریخ اس کی — ہے گلزارِ سخن دیوانِ راسخ

۱۵ عیسوی ۱۹

قطعہ تاریخ طبع کتاب مزارات اولیائے دہلی مؤلفہ مولوی محمد عالم شاہ صاحب فریدی المتخلص بہ یکتا

نغز گو ایسا کہاں ایسا مورّخ ہے کہاں — خوب ہی لکھی ہے یکتا نے یہ زیبا تاریخ
مٹنے والوں کے نشاں اس نے کئے ہیں پیدا — ہے جہاں کے لئے اعجازِ مسیحا تاریخ
جو نشانات تھے پہلے وہ ہوئے سب معدوم — اب بتاتی ہے نیا اُن کا ٹھکانا تاریخ
جس کو معلوم نشاں ہو نہ کسی مرقد کا — رہنمائی کو ہے اُس کی یدِ بیضا تاریخ
کھولتی حال ہے دنیا میں خدا والوں کا — رمزِ درویشوں کا کرتی ہے یہ افشا تاریخ
یہ نتیجہ ہے مؤلف کی جہاں گردی کا — ورنہ کچھ سہل نہ تھا ایسی جو لکھتا تاریخ
کچھ صلے کی نہیں اُمید مؤلف کا ہے قول — لکھ رہا ہے یہ مرے دل کا تقاضا تاریخ
داد دے قدر تو ناقدری ہے اس کی بیداد — اہلِ انصاف سے رکھتی ہے تمنّا تاریخ
اب تو سب مٹ گئے مٹنے کے نشاں بھی اپنے — خاص اک وقت میں تھا علم ہمارا تاریخ
شغلِ دنیا میں جو اچھا ہے کتب بینی ہے — کام مشکل ہے جو کاموں میں وہ ہے کیا تاریخ
ہند کو فخر ہے جس پر وہ یہی دلّی ہے — ہے یہاں کی تو ہر اک خاک کا ذرّا تاریخ

سال تاریخ میں کیوں فکر ہو اتنی بیخود
زیب دیتا ہے جو لکھدیجئے - عمدہ تاریخ
۱۳۰۰ھ

قطعہ در توصیف عالیجناب حکیم محمد واصل خاں صاحب مرحوم

مردے جی اٹھتے ہیں بیمار شفا پاتے ہیں
اب ہیں عالم میں مسیحا کی جگہ واصل خاں

منکشف ان پہ دوا کا ہے مزاج اور خواص
ان پہ ظاہر ہے طبابت کا ہر اک راز نہاں

ماہیت سے یہ نباتات کی پورے واقف
خاصیت ان پہ جمادات کی ساری ہے عیاں

سنکھیا بھی یہ اگر دیں تو وہ اکسیر بنے
ان کو معلوم ہے سب زہر کا نفع و نقصاں

ایک انگلی سے یہ تشخیص مرض کرتے ہیں
ان کی انگلی پہ ہیں سو نبض کے آئے قرباں

ان کا ہر نسخہ ہے چلتا ہوا حب کا تعویذ
ان کا دم بھرتا ہے دنیا میں ہر اک پیر و جواں

ان کی تدبیر کے قائل نہ ہوں کیوں اہل فرنگ
ہے کوئی اور سوا ان کے مسیحائے زماں

یہ وہ ہیں پڑھتے ہیں ہندو بھی تو کلمہ ان کا
یہ وہ ہیں بید بھی لے آئے ہیں ان پر ایماں

ان کے اخلاق کی تعریف نہیں ہو سکتی
ان کے اشفاق و عنایت کا نہیں ہے پایاں

فخر دلّی کو انہیں سے تو ہوا ہے حاصل
ان ہی کی ذات پہ ہے آج زمانہ نازاں

یاد ہیں ان کو بہت ایسے شفا کے نسخے
جن سے باقی نہیں رہتی ہے مرض کی بنیاں

قاف میں ان کی ہے شہرت یہ خبر جھوٹ نہیں
یاں لئے آتی ہوئی دیکھی ہیں مطب میں پریاں

ان کی دہلیز بتوں کے لئے مسجود بنی
ان کی چوکھٹ کے سلامی ہیں حسینان جہاں

تندرستوں کے لئے ان کی محبت ہے مرض
ان کے بیمار کو بے ان کے بھلا چین کہاں

ہند سے تا بہ عرب دھوم ہے کن کی ان کی
دھوم ہے دھوم ہوئی ہند سے تا انگلستاں

ان کی توصیف کی کچھ مجھ کو نہیں ہے حاجت
یہ تو عالم میں ہیں مشہور عیاں را چہ بیاں

شاد و آباد رکھے ان کو خداوند کریم
ایک بیخود بھی دعاگو ہے ہزاروں ہیں جہاں

قطعہ تقریظ دیوان مولوی محمد عبدالحی صاحب بیخود بدایونی

رات کے خواب کا کیا حال سناؤں بیخود
جو نہ دیکھی تھی کبھی آئی ہے وہ سیر نظر

ہائے کیا سیر تھی کیا لطف تھا کیا صحبت تھی
رشک آتا ہے مجھے حال سناؤں کیونکر

چاندنی چٹکی ہوئی اور سہانا جنگل
ٹھنڈی ٹھنڈی وہ ہوا صبح کی وہ نور سحر

وہ فضا سبزہ کی وہ فصل بہاری کا سماں
وجد کے حال میں مصروف وہ ہر ایک شجر

موجیں کرتی ہوئی پھرتی تھیں ہوا مثل نسیم
شاخ گل کی بھی نزاکت سے لچکتی تھی کمر

جب نظر سبزے پہ پڑتی تھی نظر آتا تھا
فرش بچھا ہوا مخمل کا سر راہ گذر

بخت جاگا ہوا تھا سبزۂ خوابیدہ کا
سیر کے واسطے نکلا تھا جو سعد اکبر

جوش زن موج فزا باد سحر سے بھی سوا
چشموں میں آب خضر نہروں میں آب کوثر

سیر کرتا ہوا کچھ اور جو آگے پہنچا
نظر آیا مجھے اک قصر فلک کا ہمسر

پاس جا کر اُسے دیکھا تو یہ معلوم ہوا
اس میں رہتا ہے کوئی ہے یہ کسی کا منظر

مجھ کو حیرت کہ الٰہی یہ مکاں کس کا ہے
اسی حیرت میں بہت دیر رہا میں ششدر

عقل کہتی تھی قدم اب بڑھانا آگے
دل بیتاب یہ کہتا تھا کہ چلیے اندر

بار یابی کے لیے سوچ ہے کیا فکر ہے کیوں
روکنے والا تو بیٹھا نہیں کوئی در پر

اتنے میں ایک پریوش نظر آئی ناگاہ
لے گئی مجھ کو بلا کر وہ پس پردۂ در

اُس کی تعریف میں قاصر ہے زبان خامہ
میں نے دیکھا نہیں اس شکل کا دنیا میں بشر

شوخ طرار طرحدار ستمگر آفت
لب میں اعجاز نہاں آنکھ میں جادو کا اثر

کچھ اُٹھا کمسن کے وہ دن کچھ وہ جوانی کی نمو
سروِ قد نخلِ ثمرور کی طرح بار آور

آنکھ وہ شوخ کہ دیکھے سے سمائے دل میں
جلوہ وہ برق کہ جس پر نہ ٹھہرتی تھی نظر

حُسن میں ناز نہاں ناز میں اک کبر و غرور
آنکھ سے شرم عیاں شرم سے نخوت اظہر

اُس چھپائے ہوئے سینے میں غضب کا عالم
اُن چُرائی ہوئی نظروں میں ستم کا جوہر

ظلم میں رحم تغافل میں حیا کا انداز
آنکھ سے دور تصور میں ہر اک خستہ جگر

سُرمہ گیں آنکھوں میں ظالم کی گلابی ڈورے
بال بکھرے ہوئے زلفوں کے اِدھر اور اُدھر

لبِ نازک پہ وہ کچھ پان کا لاکھا کم کم
ہاتھ میں چھوٹی سی تلوار شکن ماتھے پر

رخِ پُر نور پہ زلفوں کو ہوا سے جنبش
سانس کے ساتھ نزاکت سے لچکتی تھی کمر

دلربائی کی اداؤں میں غضب کی مشاق
لطف باتوں سے اشاروں میں زیادہ بڑھ کر

میں نے پوچھا کہ ترا نام ہے کیا کون ہے تو
ناز و انداز سے ظالم نے کہا یہ ہنس کر

ایسے مدہوش کہ اتنا بھی نہیں ہوش تمہیں
اس قدر بے خبری یہ بھی نہیں تم کو خبر

آپ کا حُسنِ طبیعت ہے مرا حُسن و جمال
نام نامی ہے مرا آپ کی فکرِ اظہر

میں نہ ہوں پاس تو اک شعر بھی تم کہہ نہ سکو
آزما دیکھو اگر تم کو نہیں ہے باور

میرے ہی دم سے ہے عالم میں سخن کی شہرت
میری امداد سے ہوتا ہے بشر نام آور

جانتے ہیں مجھے سب مبدء فیاض ہوں میں
نہیں اُستادِ جہاں میں کوئی مجھ سے بڑھ کر

تابعِ حکم مرا طوطیٔ نیشاپوری
خامہ بلبلِ شیراز مرا دست نگر

لونڈیاں جدت و جودت مرے گھر کی دونو
ذہن کہتے ہیں جسے وہ مرا ادنیٰ چاکر

تجھ کو تکلیف جو دی ہے یہ تھا اس کا سبب
تیرے اک دوست کا چھپتا ہے کلامِ اظہر

نہیں دیوان اسے گلدستۂ معنی کہئیے
نہیں دیوان یہ ہدیہ ہے پئے اہلِ نظر

نہیں دیوان محبت کا یہ افسانہ ہے
نہیں دیوان رگ جاں کے لئے ہے نشتر

جلوہ شاہد معنی نظر آتے ہی کو ہے
اب ہوا چاہتا ہے چاک مخالف کا جگر

مخزن لطف و کرم معدن اشفاق اتم
وہی ہمنام ترے تیرے عنایت گستر

وہی بیخود ترے استاد کے شاگرد رشید
وہی استاد زماں فخر جہاں نیک سیر

شعر گوئی میں نہیں آج کوئی اُن کا نظیر
شعر فہمی میں نہیں اب کوئی اُن سے بہتر

مر گئے اُن کی غزل دیکھ کے حاسد لاکھوں
تیغ فولاد کا ہے اُن کے قلم میں جوہر

اُن کے ہر شعر میں ہے حضرت اُستاد کا رنگ
اُن کا دیوان نہ کس طرح سے ہو رشک دُرر

چار سو شہرہ ہے اب اُن کی سخن گوئی کا
اُن کی تقریریں تحریریں جادو کا اثر

نغز گوئی میں بلاغت میں دابندی میں
بعد اُستاد کے کوئی نہیں اُن کا ہمسر

سُن کے یہ خوشخبری خواب سے بیدار ہوا
پھر کہاں نیند کہاں نیند کا آنکھوں میں اثر

لے کے قرطاس و قلم میں نے یہ لکھی تقریظ
یاد تھیں مجھ کو جو سب خواب کی باتیں ازبر

خوش رہے شاد رہے اس کا مصنّف یارب
عیش دمساز رہے اور مقدّر یاور

قطعہ در جشن سالگرہ اعلیٰ حضرت سکندر شوکت دارا مرتبت ہز میجسٹی شاہنشاہ ایڈورڈ ہفتم دام اقبالہ

ہے جشن سالگرہ ایڈورڈ ہفتم کا
خجستہ فال ہے یہ سال نیک فال گرہ

شریک بزم ہوئے آ کے مختلف احباب
دلوں کی کھل گئی یارب ذوالجلال گرہ

چمک کا نیّر اقبال کی یہ ایما ہے
جو کہکشاں ہو کلادہ تو مہ جمال گرہ

بقائے شاہ سے اس کی بھی عمر بڑھ جائے
رہے جہان میں قائم ہزاروں سال گرہ

فدا ہے شاہ کے اقبال پر دل و جاں سے ‌ ‌ زبانِ لال سے کرتی ہے عرضِ حال گرہ
نظیر اس کی ہے نایاب چشمِ گردوں میں ‌ ‌ یہ لاجواب گرہ ہے یہ بے مثال گرہ
یہ عہد وہ ہے کہ ٹوٹا نہ عہد بھی جس میں ‌ ‌ کرے دلوں کی نہ کس طرح دیکھ بھال گرہ
رہیگی ظلِ حمایت میں عمر بھر شہ کے ‌ ‌ بچی ہے گردشِ دوراں سے بال بال گرہ
بگاڑ سکتے ہیں کیا اس کا حادثاتِ جہاں ‌ ‌ کہ عمرِ خضر کی صورت ہے بے زوال گرہ
ازل سے باندھ رکھی ہے گرہ میں عمرِ ابد ‌ ‌ اسی سبب سے ہے ایسی مرفہ حال گرہ
عدو کی آنکھ میں دل میں جگر میں سینے میں ‌ ‌ کھٹکتی رہتی ہے برچھی کی بن کے بھال گرہ
شمارِ عمر سے سلطاں کے بڑھ گیا رتبہ ‌ ‌ بنی ہے دانۂ تسبیحِ خوش خصال گرہ
گرہ میں کیسہ گوہر کے اب نہیں گوہر ‌ ‌ عطا و بذلِ شہنشہ پہ ہے یہ دال گرہ
ہر ایک غنچے کی مٹھی میں زر نظر آیا ‌ ‌ نسیمِ صبح نے کھولی جو بے خیال گرہ
دعائیں دینے میں سب ہوں شریک بیخود کے ‌ ‌ مری زبان سے کرتی ہے یہ سوال گرہ
زیادہ شاہ کا اقبال و عمر و دولت ہو ‌ ‌ عدو کے واسطے ہو باعثِ زوال گرہ
ہزاروں سال رہیں ہمسفر یزدلی میں ‌ ‌ اسی طرح سے ہو ہر سال جشنِ سال گرہ

قطعہ تقریب جلسہ تہنیت خطاب حاذق الملک حکیم حافظ محمد اجمل خاں صاحب

حاذق الملک کا ملتا تمہیں کیونکر نہ خطاب ‌ ‌ نام اعجاز ہے جس کا وہ سراپا تم ہو
آپ اپنی ہو نظیر آپ ہو تم اپنا جواب ‌ ‌ یعنی اس عالمِ ایجاد میں یکتا تم ہو
شہرتِ عام ہے دعوے پہ دلیلِ روشن ‌ ‌ خاص نکتہ ہے کہ یکتائی کا دعویٰ تم ہو
سب طبیبوں کو ہے تقلید تمہاری لازم ‌ ‌ مسندآرا و شہنشاہِ اطبا تم ہو

حسنِ اخلاق بھی ہے دستِ شفا کے شامل
چشمِ عالم کے لئے آنکھ کا تارا تم ہو

دیکھ کر جیتے ہیں بیمار تمہارے تم کو
اپنے بیمار کے جینے کا سہارا تم ہو

نبض پر ہاتھ رکھا اور مرض کہہ کے ہٹا
میں نے پہچان لیا ہے تمہیں اچھا تم ہو

نہیں حکمت سے کوئی بات تمہاری خالی
کس قدر عاقل و فرزانہ و دانا تم ہو

بھاگ جاتی ہے اجل نام تمہارا سن کر
ملک الموت سے کیوں معرکہ آرا تم ہو

تم سے لقمان و ارسطو کو بھلا کیا نسبت
چشمہ فیض تھے وہ فیض کا دریا تم ہو

علم و اخلاق و کرم نے جسے ڈھونڈا تم تھے
جاہ و اقبال و حشم نے جسے تاکا تم ہو

صاف باطن بھی ہو اتنے ہی خدا ہے آگاہ
جس قدر دیکھنے میں آئینہ سیما تم ہو

آج اس باغ میں رونق ہے تمہارے دم سے
دیکھ لو زیب دہ بزمِ احبا تم ہو

جانتے بھی ہو یہ بیخود کی دعا کا ہے اثر
اس کے ممدوح مگر شکر خدا کا تم ہو

تم سلامت رہو آباد رہو شاد رہو
بزمِ احباب جہاں ہو طرب افزا تم ہو

چشمِ بد دور زمانے کی نظر ہے تم پر
حاذق الملک ہے کیا مال مسیحا تم ہو

قطعہ بتقریب تجویز وصول چندہ بنا بر قحط زدگان بہ شکریہ جناب صاحب ڈپٹی کمشنر بہادر دام اقبالہ

ہم سفر بز آپ کے اخلاق کی تعریف محال
خوبیوں کی نہ کوئی حد نہ بھلائی کا شمار

آپ کی مدح کو جانچا تو قلم ہے قاصر
آپ کے وصف کو تولا تو زباں ہے بیکار

آپ کی وضع سے ہوتی ہے شرافت ظاہر
آپ کی بات میں ہے رحمدلی کا اظہار

آپ کے خلق کی تعریف نہیں حد بشر
سو زبانیں ہوں تو پوری نہ صفت ہو زنہار

آپکے نام کی جپنی ہے زباں پر سب کی
کونسا دل وہ ہے جو آپ کا مشکور نہیں
آپ کے آتے ہی دلّی کا نصیبا جاگا
آپ کے ظلِّ حمایت میں جو آیا یہ شہر
اپنی تقدیر کے لکھے کو کرے کیا کوئی
اس کی تخلیق میں ہے خلق کو ایذا دینی
عین کہریال میں ظالم نے لگایا غلّہ
جو گذرتی ہے غریبوں پہ وہ سُننے مجھ سے
بے اجل قحط نے لاکھوں کا کیا کام تمام
کچھ سبیں پر نہیں ہے پیٹ کا رونا ہر سو
رمضان کا بھی مہینہ نہیں کیا بات بنے
کھانا ملتا نہیں محتاج کو دو دو دن بھی
پیٹ پر باندھ کے پتھر تو نہیں جی سکتے
آپ نے ڈوبتی کشتی کو سنبھالا کیا خوب
ہیں محرکِ عملِ خیر کے مسٹر ٹامس
نام ان کا بھی زبانوں پہ رہیگا جاری
بھولتا ہے کوئی احسان یہ مرتے دم تک
ختم اب نظم کو کرتا ہے دعا پر بیخود
دولت و ثروت و منصب میں ترقی ہو سوا

آپکے نام پر آتا ہے زمانے کو پیار
کونسی ہے وہ زباں جو نہ ہوئی شکر گذار
آپکے دم سے پھر آباد ہوا اُجڑا دیار
دیکھنے کو بھی تو باقی نہ رہا کچھ ادبار
مہرباں آپ ہیں دشمن ہے یہ چرخ دوّار
یہ تو رہتا نہیں جب تک نہ دے کچھ آزار
سچ ہے یہ قول کسی کا کہ بشر ہے ناچار
داستاں قوم کی ہے میری زبانی سرکار
ملک میں پھیل گیا فاقہ کشی کا آزار
بھوک کی چار طرف سے چلی آتی ہے پکار
شام کو روزہ بھی ہو جاتا ہے آخر افطار
اور مشکل یہ ہے جینے کا ہے کھانے پہ مدار
ان کا کیڑا ہے بشر اس سے نہ ہوگا انکار
ایسے منجدھار میں ایسی ہی مدد تھی درکار
ان کی توصیف بھی ہے کاکنِ بانِ دربار
ہیں بہی خواہوں میں اس ملک کے ان کا بھی شمار
لکھ گیا دل پہ خلائق کے یہ بذل و ایثار
اس کو غافل نہ سمجھیے یہ بہت ہے ہشیار
عیش دمساز رہے دور رہیں سب افکار

خضر کی عمر ملے بخت سکندر ہو عطا
آپ کے دل میں جو ہوں، ہوں وہ مرادیں پوری

آپ دل شاد ہوں بدخواہ رہیں سینہ فگار
جو طلب آپ کریں دے وہ خدائے غفّار

قطعہ بشکر گذاری آنبہ قلمی عطیہ مولانا سیّد محمد قطب الدین لاور علی صاحب المتخلص بہ طرزی فوجدار ریاست الور

آم بھیجے جناب طرزی نے
یہ عنایت ہے خاص حضرت کی

کیوں نہ یہ خوشگوار و شیریں ہوں
چاشنی ان میں ہے محبت کی

جان قربان ان کی خوشبو پر
آنکھ شیدائی ان کی رنگت کی

ان پہ پڑ کر نظر نہیں اٹھتی
ان میں ہے دلکشی قیامت کی

سوچتا ہوں کہ کیا لکھوں تعریف
ان کی بو باس ان کی لذّت کی

جان آدم ہے ان کا شیرہ کیا
پھل نے پیدا جو دل کی صورت کی

دیکھنے میں یہ ساغر مل ہیں
خاصیت ان میں جام وحدت کی

دانت رکھتے ہیں ان پہ کام و زباں
آنکھ پڑتی ہے ان پہ حسرت کی

ان کی اک قاش بھی ملی جس کو
کھائیں سوگند اس کی قسمت کی

گٹھلیوں کی صفت بھی سن لیجے
لو ہے ہر ایک شمع الفت کی

خام ہیں آم جس قدر ان میں
کیریاں ہیں یہ باغ جنّت کی

ایک سو دس ہیں دانے گنتی میں
حد بھی ہے کوئی اس عنایت کی

یہ دعا گو ہے آپ کا بیخود
کیوں دعا دے نہ عمر و دولت کی

قطعہ در مدح عالیجناب معلی القاب والا مناقب عمیم الاحسان صاحبزادہ نواب میر تلاوت علی خان بہادر وزیر سرکار آصفیہ حیدرآباد دکن دام اقبالہ

وہ تلاوت علی بہادر ہیں — خوبیاں جن کی ہوں نہ مجھ سے بیاں
شمع کو مہر سے ہے کیا نسبت — وصف اُن کا کہاں زباں کہاں
روشنی اُن کی رائے میں اتنی — جس سے روشن ہو ماہِ تاباں
اُن کے اخلاق میں ہے وہ وسعت — جس سے ہے مستفیض یک جہاں
خاص شیوہ ہے اُن کا لطف و کرم — اُن کا دنیا میں عام ہے احساں
اُن کے اخلاق کی ہے یہ تعریف — اُن کا مداح ہے ہر اک انساں
بالمثل ہے جو مہر شاہِ دکن — تو دکن کے ہیں وہ مہِ تاباں
بادشاہ و وزیر کے اوصاف — لکھ سکے کس طرح یہ ہیچمداں
آستاں اُن کا آسماں سے بلند — اُن کی چوکھٹ کو کہیئے کاہکشاں
کون ہر دل عزیز ہے ایسا — دل میں عالم کے اُن کا ہے ارماں
اُن کا دل آئینہ ہے اک شفاف — اُن کا چہرہ ہے اک گلِ خنداں
جنسِ الفت پسند ہے اُن کو — ہے وفا اُن کے عہد میں ارزاں
اُن پہ قربان طالعِ مسعود — اُن پہ اقبال ہے بلا گرداں
اُن کو نیکی کا اک فرشتہ کہوں — اس صفت کے کہاں ہیں اب انساں

ان کا لطف و کرم ہے بیخود پر
یہ ثنا خواں ہیں وہ ہیں فیض رساں

ختم کرتا ہے اب دعا پہ سخن
دل سے آمین دعا ہے تا بہ زباں

خوش و خرم رکھے خدا ان کو
عمر بھر وہ رہیں یونہیں شاداں

دولت و عمر میں ترقی ہو
وہ جواں بخت ہوں ہیں وہ جواں

رہے اُن پر خدا کا فضل و کرم
اور سلطان کا سایۂ داماں

سہرا بتقریب عقد نکاح حکیم ریاض الدین احمد خاں خلف اصغر عالیجناب حکیم ظہیر الدین احمد خاں مرحوم

دل اپنا فدا کرنے کو تیار ہے سہرا
نوشاہ ہی یوسف تو خریدار ہے سہرا

نوشاہ کا عاشق ہی طلبگار ہے سہرا
موسیٰ کی طرح طالب دیدار ہے سہرا

پھندے میں جو گیسو کے گرفتار ہے سہرا
قدموں میں پڑے رہنے کو تیار ہے سہرا

یہ پھول کھلاتا ہی یہ برساتا ہے موتی
کیا ابر کرم ابر گہر بار ہے سہرا

سرسبز اسی سے تو ہے گلزار تمنا
عاشق کے لئے وعدۂ دیدار ہے سہرا

پھیلی ہوئی ہیں چار طرف رخ کی ضیائیں
کیا نام خدا حُسن کا بازار ہے سہرا

یہ شیفتہ ہے حُسن کا یا حُسن ادا کا
معلوم تو ہو کس کا خریدار ہے سہرا

گل پھولے سماتے نہیں اللہ رے مسرت
کس رشک چمن کے لئے درکار ہے سہرا

دیکھی ہی عجب سیر دم آرسی مُصحف
کیا جانے کوئی محرم اسرار ہے سہرا

جب دیکھئے مستوں کی طرح جھوم رہا ہے
کس درجہ مئے عیش سے سرشار ہے سہرا

شوخی کو تبسم کی یہ کھلنے نہیں دیتا
کیا نیچی نگاہوں کا طرفدار ہے سہرا

پھولوں کی یہ خوشبو ہی یہ عارض کی چمک ہے
مہکی ہوئی ہی بزم پُر انوار ہے سہرا

پھولوں میں مضامیں کے بسا لایا ہے بیخود
لیجے یہ ریاض آپ کا تیار ہے سہرا

ایضاً

تماشا ہے بھری محفل میں سہرا
کھبا جاتا ہے سب کے دل میں سہرا

سراپا نخلِ ایمن بن گیا ہے
نگاہِ عارفِ کامل میں سہرا

ریاض الدین احمد خاں ہیں دولہا
کرے گا گھر کسی کے دل میں سہرا

جسے دیکھو اسی کو تک رہا ہے
ہلالِ عید ہے محفل میں سہرا

اسے دیکھیں تو دیکھیں دل کی آنکھیں
سمائے آنکھ کے کیا تل میں سہرا

جواہر کی ضیا رخ کی تجلّی
رہے گا پردۂ حائل میں سہرا

ہر اک غنچے کی مٹھی میں ہے اک دل
یہ گوندھا ہے بڑی مشکل میں سہرا

خوشی سی ہے خوشی شادی سی شادی
نہیں پھولا سماتا دل میں سہرا

رضی الدین احمد خاں کو بیخود
یہ دیں گے نذر ہم محفل میں سہرا

ایضاً

مانگتا تھا اسی دن کی تو دعائیں سہرا
رخِ نوشاہ کی لے کیوں نہ بلائیں سہرا

کہیں غنچے کا تبسم ہے کہیں خندۂ گل
دل رُبائی کی دکھاتا ہے ادائیں سہرا

سج سج کے دھوم ہے سہرے کی ریاض الدین کے
مہ جبینوں سے کہو دیکھنے آئیں سہرا

ان پہ یکتا و دوتا کہیں در دیکھ دو سب
باندھنے کے لئے جس وقت اُٹھائیں سہرا

حسن کی دید کو ہے دیدۂ موسیٰ درکار
لن ترانی کی سناتا ہے صدائیں سہرا

بوسۂ دامن کا لیا مُنہ کبھی قدموں پہ رکھا
چپکے چپکے کئے جاتا ہے خطائیں سہرا

دیکھ کر جلوہ ترا ہوش اُڑے جاتے ہیں
کھا رہا ہے ترے دامن کی ہوائیں سہرا

نظرِ بد کا اثر اس پہ نہ ہوگا ہرگز
گوندھا مالن نے ہے پڑھ پڑھ کے دُعائیں سہرا

خضر کی عمر ملے بخت سکندر ہو نصیب
ہاتھ پھیلا کے یہ دیتا ہے دعائیں سہرا

محفلِ رقص ہے سب جمع ہیں اربابِ نشاط
ق
یہی موقع ہے یہی وقت ہے گائیں سہرا

ایک بیخودؔ ہی نہیں اور بہت ہیں شاعر
باری باری سے کہو سب کا سنائیں سہرا

سہرا بتقریب جشن شادی جناب محمد سلطان حیدر صاحب سلمہ اللہ تعالیٰ رئیس شیخوپور

رہے کیوں نہ آنکھوں میں ہر آن سہرا
بہت سے دلوں کا ہے ارمان سہرا

لبِ غنچہ وا ہو گئے ہیں دعا کو
مبارک ہو تجھ کو یہ سلطان سہرا

صدا یہ چٹکنے میں غنچے کے آئی
فدا پھول ہیں تجھ پہ قربان سہرا

ادب مصحفِ رخ کا ملحوظ رکھیں
گلوں کے ذرا کھول دئے کان سہرا

پڑے گی نہ رخ پر نظر ایسی ویسی
بنا چشمِ بد کا نگہبان سہرا

زمانہ ہوا خواہ ہو کیوں نہ اس کا
کہ فصلِ بہاراں کی ہے جان سہرا

ہزاروں ادائیں ہیں ہر اک ادا میں
نیا دیکھنے میں ہے ہر آن سہرا

نئی طرز میں ہم نے لکھا ہے بیخودؔ
نکالے نہ کیونکر نئی شان سہرا

ایضاً

جلوۂ حسن سے پُر نور ہے ایسا سہرا
سر سے پا تک شجرِ طور ہے گویا سہرا

ساری مخلوق تو سہرے کی تماشائی ہے
دیکھتا ہے تری صورت کا تماشا سہرا

حسن نوشاہ کی دیکھی یہ کرشمہ سازی
بن گیا ہے ہمہ تن دیدۂ موسیٰ سہرا

اس کو آنکھوں میں جگہ دیتا ہے ہر اہلِ نظر
چشمِ عالم میں بنا آنکھ کا تارا سہرا

اس کی لڑیوں میں نہاں ہو گئیں نیچی نظریں
بن گیا پردۂ مکھ شرم و حیا کا سہرا

عقل کھو دیتی ہو وہ دل یہ جھپٹ لیتا ہے	ہے معاون نگہ ہوش ربا کا سہرا
شوقِ دیدار سے اک دل بھی نہیں ہو خالی	آئیگا دیکھنے ہر اپنا پرایا سہرا
ایک کہتا ہو کہ آنکھوں کا ہو احسان مجھ پر	ایک کہتا ہے کہ قسمت نے دکھایا سہرا
تم کو مسعود و مبارک ہو محمد سلطاں	خوب لکھا ہو یہ بیخودؔ نے تمہارا سہرا

سہرا بتقریب شادی برادر عزیز از جان خواجہ عبد المجید خاں سلمہ الرحمن طول عمرہ

کھلتے دیکھا ہو یوں کہیں سہرا	مانگتی تھی تری جبیں سہرا
دیکھتا ہے نگاہ حیرت سے	صنعتِ صورت آفریں سہرا
ماہ و پروین سے لعل و گوہر سے	قدر و قیمت میں کم نہیں سہرا
محفلِ رقص کا بہانہ ہے	دیکھنے آئے ہیں حسیں سہرا
آنکھ پڑتی ہو اس پہ عالم کی	ہے زمانے کا دلنشیں سہرا
نام پوچھے جو کوئی نوشہ کا	ق بول اُٹھے یہ بس وہیں سہرا
ہو یہ فرخندہ بخت عبد المجید	مُنھ سے کیا بولتا نہیں سہرا
شرط انصاف یہ ہو بیخودؔ نے	خوب لکھا ہے دلنشیں سہرا

ایضاً

حُسن نوشاہ پہ جب آنکھ پڑی سہرے کی	بن گئی تارِ نظر رخ پہ لڑی سہرے کی
آئینہ بن کے ترے منھ کو نہ دیکھوں کیونکر	آج قسمت نے دکھائی ہو گھڑی سہرے کی
یاد کرنے کی فقط دیر تھی لیجے لیجے	آگیا دیکھئے ہے عمر بڑی سہرے کی
جوشِ شادی سے کھلی جاتی ہیں کلیاں کیا کیا	پھولتی جاتی ہو ایک ایک لڑی سہرے کی

گل کھلانے کے لیے فصل بہاراں آئی
دھوم جس وقت کہ گلشن میں پڑی سہرے کی

سر پہ بندھ جائے جو سہرا تو ہنسی آجائے
دیر سے راہ یہ تکتی ہیں گھڑی سہرے کی

کچھ نہیں کھلتا ہے بیخودؔ یہ بقول اُستادؔ
عید آئی ہے کہ آئی ہے گھڑی سہرے کی

سہرا بتقریب کتخدائی شیخ عبد الخالق فرزند شیخ عطاء اللہ صاحب وکیل

بن گئی خوب شعاعِ رخِ انور سہرا
کہ نظر آنے لگا سہرے کے اوپر سہرا

حُسن کے واسطے پردہ تو ہے لازم ملزوم
حُسن آگیں ہے جبیں حُسن کی چادر سہرا

قابلِ وصف ادا خاص ہوا کرتی ہے
اس پھبن کا کہیں ہوتا ہے بھلا ہر سہرا

جلوہ فرما جو یہ نوشاہ ہے عبد الخالق
جلوۂ رحمتِ خالق ہے سراسر سہرا

شادہیں پھول بھی اللہ رے شادی کا ہجوم
ہے خوشی سہرے پہ چھائی ہوئی سر پر سہرا

جھومنے ہیں جو ہیں مستانہ ادائیں اس کی
پی کے آیا ہے مئے عیش کا ساغر سہرا

ان کو لڑیاں نہیں کہتے ہیں سخی کے ہیں یہ ہاتھ
عیش تقسیم کرے کیوں نہ برابر سہرا

لے کے رشتے کی جگہ تارِ شعاعِ خورشید
خوب گوندھا ہے یہ مالن نے منور سہرا

پھر گیا جلوۂ ایمن کا سماں آنکھوں میں
مُنھ ترا دیکھ لیا جس نے اُٹھا کر سہرا

جس طرح بزم کو دولہا سے ہے رونق حاصل
ہے اُسی طرح سے نوشاہ کا زیور سہرا

مسندِ زر مرے نوشاہ مبارک ہو تجھے
بن گیا تیرے لئے بختِ سکندر سہرا

دل میں حسرت ہے کہ آنکھیں ترے قدموں سے ملے
کہہ نہیں سکتا ادب سے ترے منھ پر سہرا

اتنے پردوں میں بھی تو موجِ تبسم نہ چھپی
منھ پہ رومال ہے رومال کے اوپر سہرا

مسکی جاتی ہیں یہ غنچوں کی قبائیں دیکھو
اپنے جامے میں سماتے نہیں بن کر سہرا

خوب لکھا ہی یہ بیخود نے بھی انصاف یہ ہے
غالب و ذوق کے سہروں سے بچا کر سہرا

سہرا بتقریب عقد نکاح حافظ محمد سلیم الدین فرزند نسبتی مصنف

مبارک ہو سلیم الدین کو یہ بیاہ کا سہرا
بڑے ارمان کی بدہی بہت ہی چاہ کا سہرا

نہ ہو ترجیح گل کو آج کیونکر لعل و گوہر پہ
دعائیں اس نے مانگیں تھیں بنوں نوشاہ کا سہرا

ہوئی ہی ابتدا پھولوں کے سہرے سے ابھی کیا ہے
کوئی دن ہیں بندھیگا سر پہ عز و جاہ کا سہرا

جبیں کی روشنی سے عقد پروین بن گیا طرہ
شعاع رخ سے رو کش ہو شعاع ماہ کا سہرا

بڑی محنت سے گوندھا دل لگا کر اسکو مالن نے
نہ ہو کیوں مستحق توصیف خاطر خواہ کا سہرا

عزیز الدین سے کہتی ہیں کلیاں کھل کے سہرے کی
مبارک ہو تمہیں فرزند عالی جاہ کا سہرا

دعا پر تیرے سہرے کو کیا ہی ختم بیخود نے
ترے بدخواہ کے سر پر ہو دود آہ کا سہرا

سہرا بتقریب عقد نکاح حکیم محمد جمیل خاں فرزند دلبند ارسطوئے دوران افلاطون زماں عالیجناب حاذق الملک حکیم حافظ محمد اجمل خاں صاحب سلمہ اللہ تعالیٰ

ترے سر تک پہنچکر ہو گیا ہی سرخرو سہرا
ترے قدموں پہ گر کر اب بڑھائے آبرو سہرا

دعائے نیم شب مقبول تھی اہل تمنا کی
کہ نکلا باندھ کر گھر سے جمیل ماہرو سہرا

دکھائے گا رخ نوشاہ اعجاز مسیحائی
چٹک غنچوں کی کہتی ہی کرے گا گفتگو سہرا

ضیائے رخ کا پردہ بن گئی بڑھ کر حیا تیری
یہ طاقت تھی ملاتا آنکھ تجھ سے دوبدو سہرا

تمنا نوجوانوں کو ہوا کرتی ہے سہرے کی
مگر تو وہ ہے خود کرتا تھا تیری آرزو سہرا

رخ نوشا کا جلوہ بس گیا ایسا نگاہوں میں
کہ آنکھوں کو نظر آنے لگا اب چار سو سہرا

خضر کی عمر اقبال سکندر عیش جمشیدی
یہ چیزیں نذر کو لایا ہے بعد جستجو سہرا

دعا ہر عمر و دولت اب بہاں غنچہ مانگیگی
نہو فرصت تو کیا ہی جوش رکتا ہی کہیں بیخود

دعا کے واسطہ دست دعا ہی ہو بہو سہرا
یقیں تھا ہم کو لکھ کر لائیگا لاکھوں میں تو سہرا

تقریظ انطباع مہتاب داغ

کون ہی وہ جہان میں ایسا
مانتا ہی جسے بڑا چھوٹا

کس نے میدانِ شاعری مارا
کس کا بجتا ہی آجکل ڈنکا

لائقِ مدح شان ہی کس کی
مستند اب زباں ہی کس کی

کس نے مضموں نئے نکالے ہیں
کس نے سانچے میں شعر ڈھالے ہیں

یوں بڑھائی ہی کس نے شانِ سخن
لوگ کہتے ہیں کس کو جانِ سخن

آج کل کس کا نام ہے ایسا
کون شیریں کلام ہے ایسا

کس کے حصّے میں آج یہ فن ہی
کس سے دلّی کا نام روشن ہے

کس کا سکّہ دلوں پہ ہی جاری
زخم کس کا جگر پہ ہے کاری

کس کا مضمون ہی برتر و عالی
کس نے پائی زبان ٹکسالی

کس کا ایسا کلام رنگیں ہے
جو حسیں ہی وہ محو تحسیں ہے

کس نے اپنا بنالیا سب کو
کس نے دل سے بھلادیا سب کو

اگلے لوگوں میں تھی یہ بات کہاں
اس کو مانے ہوا ہے ایک جہاں

جو خلاف اس زبان کے جانا
اُس کو اہلِ زباں نے کب مانا

دھوم اہلِ سخن میں تھی کس کی
ایسی شہرت دکن میں تھی کس کی

شاہِ آصف نے کس کو مانا ہے
آج کس کی طرف زمانا ہے

جانتا جو نہو بتاؤں اُسے
نام اُستاد کا سناؤں اُسے

اُس کا چھپتا ہے تیسرا دیواں
آج جو خسروِ سخن ہے یہاں

لوگ معجز بیاں کہیں جس کو
فخرِ ہندوستاں کہیں جس کو

میرے اُستاد داغ کے آگے
ہو جو عرفی بھی تو قلم رکھ دے

برق ایمن بیاض نامہ ہے
لن ترانی صریرِ خامہ ہے

کیا بچیں حاسدانِ خستہ جگر
کلک میں ہیں سناں کے سب جوہر

سخت دشوار ہے اماں پانی
ہے سیاہی میں تیغ کا پانی

سُننے والے کا ہوش پراں ہے
نقطے نقطے میں نکتہ پنہاں ہے

اس کو دیوان کون کہتا ہے
یہ فصاحت کا اک صحیفا ہے

ماہ کے دل میں داغ ہے اس کا
مہ جبیں اس کے نام پر ہیں فدا

ماہتابِ سخن ہے یہ دیوان
آفتابِ سخن ہے یہ دیوان

ہے ترانہ لبِ مغنّی کا
ہے یہ نوشہ عروسِ معنی کا

شاعروں کے لئے وثیقہ ہے
لبِ زاہد پہ یہ وظیفہ ہے

اک جہان اس پہ جان دیتا ہے
جس کو دیکھو وہ اس کا شیدا ہے

اس کی شوخی کا مبتلا ہے کوئی
طرزِ گفتار پر فدا ہے کوئی

ایک رنگینیوں پہ مرتا ہے
سادگی اک پسند کرتا ہے

کوئی مطلع پہ جان دیتا ہے
کوئی مقطع پہ پیٹ لیتا ہے

گرم مضمون کو کوئی سنتا ہے
کوئی پڑھ پڑھ کے سر کو دھنتا ہے

ہے کسی کی زبان پر نالہ
ہونٹ پر ہے کسی کے تبخالہ

کہیں معشوق کی زبانی ہے　　کہیں گذری ہوئی کہانی ہے
شادیٔ وصل کا بیاں ہے کہیں　　غمِ فرقت کی داستاں ہے کہیں
شکر دیکھا کہیں گلا دیکھا　　عاشقانہ معاملا دیکھا
شکوۂ جورِ پاسباں ہے کہیں　　ظلمِ افلاک کا بیاں ہے کہیں
کہیں غیروں کی کچھ حکایت ہے　　کہیں قسمت کی کچھ شکایت ہے
شکر کرنا کہیں شکایت کا　　کہیں رونا ہے دردِ فرقت کا
تذکرہ ہے کہیں رقابت کا　　ذکر ہے کچھ کہیں محبت کا
شمع و پروانے کا بیاں ہے کہیں　　گل و بلبل کی داستاں ہے کہیں
کہیں صیاد کے ستم کا بیاں　　کہیں بیدادِ آسماں سے فغاں
کہیں کچھ کہہ کے جھٹ پلٹ جانا　　کہیں شکوہ زبان پر لانا
کہیں معشوق کی طرفداری　　دلِ بیتاب کی کہیں خواری
کہیں چٹکی جگر میں لے لینی　　کہیں چبھتی ہوئی سی کہہ دینی
کام اک بانکپن کا کر جانا　　خود کہیں سادگی سے مر جانا
کہیں تہمت کا اپنے سر لینا　　کہیں شکوے پہ اس کو دھر لینا
کبھی دشمن سے بات کر لینی　　کبھی مٹی پلید کر دینی
کبھی غمخوار سے بگڑ جانا　　اور ناصح پہ منہ کبھی آنا
کہیں جنت کے نام پر مرنا　　کہیں پرہیز حور سے کرنا
کہیں توہینِ بادہ خواروں کی　　سے کہیں مدح میگساروں کی
کبھی صحرا سے باغ کو جانا　　کبھی گلشن سے دشت میں آنا

کبھی جنت میں جی کا گھبرانا — کوچۂ یار یاد آجانا
گل و بلبل پہ جب نظر کرنا — دردِ فرقت میں رشک سے مرنا
کبھی ناسازیٔ مزاج کا ذکر — کبھی ہر دم وصالِ یار کی فکر
نامہ بر کی کبھی مدارا نہیں — کبھی اُس سے بھی رشک کی باتیں
کبھی مژگاں کا خونچکاں رہنا — کبھی اپنے سے بدگماں رہنا
راہبر سے کبھی کھٹک جانا — خود کہیں راہ سے بھٹک جانا
جان دیکر بھی بوسہ لے لینا — گالیاں کھا کے دل کہیں دینا
کہیں ارمانِ دل بیان کرنا — رازِ الفت کہیں نہاں کرنا
حُسنِ لیلیٰ پہ غش کبھی آنا — طرزِ وحشت نئی دکھا جانا
کبھی مجنوں کے حال کی تقلید — کبھی کچھ ساربان سے گفت و شنید
کہیں الفت کی گرم بازاری — کہیں یوسف کی وہ خریداری
کبھی زنداں میں نالہ و فریاد — ہے کبھی قیدِ زلف سے دل شاد
شوقِ دیدار کو نوید کہیں — وعدۂ حشر کی اُمید کہیں
شوخیاں ہیں کہیں جو آفت کی — دھمکیاں ہیں کہیں قیامت کی
کبھی کوچے میں اُس کے کم جانا — کبھی محفل میں اُس کی جم جانا
بات اُس کی کبھی اُڑا دینی — اپنے مطلب کی کچھ سُنا دینی
کہیں ہنسنا کہیں ہنسا دینا — کہیں رونا کہیں رُلا دینا
کہیں تعریفِ ظلم کی کرنا — کہیں اپنی وفا کا دم بھرنا
وصل اُن کے خیال سے گاہے — نااُمیدی وصال سے گاہے

کبھی نالوں سے ہوش کھو دینا | خود کہیں بیکسی سے رو دینا
کہیں ممنون لطفِ بیجد کے | ذکر جھوٹے کہیں خوشامد کے
یادِ شوخی میں بے قرار کہیں | جبر پر بھی ہو اختیار کہیں
کہیں تکرار کا مزا لینا | لن ترانی کہیں سنا دینا
کہیں توحید کا بیاں کرنا | غیر پہ یار کا گماں کرنا
دیکھ لینا وہ ہر کہیں اُس کا | کبھی اپنے پہ بھی یقیں اُس کا
کہیں تشبیہ ہو مثال کہیں | عاشقانہ بھی ہیں خیال کہیں
کہیں اُستاد ذوق کے انداز | طرزِ غالب کہیں بہ راز و نیاز
کہیں جُرأت کے ڈھنگ ہیں سارے | کہیں سودا کے رنگ ہیں سارے
کہیں انداز میر و مومن کا | اور پھر خاص طرز سب سے جُدا
حمد میں خوش ادا بیان کہیں | نعت میں گل فشاں زبان کہیں
دین و ملت کا ہے کہیں جھگڑا | مسئلہ ہے کہیں تصوف کا
کبھی بُت خانے میں چلے جانا | کبھی کعبہ میں اُس کو دیکھ آنا
لبِ معجز نما کا حال کہیں | سحرِ چشمِ بتاں حلال کہیں
کہیں زخموں پہ ہے یقینِ چمن | کہیں تازہ ہے داغ کا گلشن
کہیں فصلِ بہار کا ہے سماں | کہیں جلوہ دکھا رہی ہے خزاں
کہیں وامق کے حال پر تحسیں | کہیں وہ ذکر اُلفتِ شیریں
کوہکن کا لکھا ہے حال کہیں | پیرزن کا لکھا ہے جال کہیں
اس طرح کی کوئی کتاب نہیں | سر سے پا تک کہیں جواب نہیں

جتنی غزلیں ہیں بیمثال ہیں سب
جتنے مضموں ہیں باکمال ہیں سب

جو رباعی ہے لاجواب ہے وہ
جو قصیدہ ہے انتخاب ہے وہ

کون ہے وہ جو مدح خواں نہوا
ختم بیخود پہ وصف ہاں نہوا

ایسا جادو زباں نہیں دیکھا
یہ زباں یہ بیاں نہیں دیکھا

سینکڑوں اس زبان پہ مرتے ہیں
مدح میں اس کی گل کترتے ہیں

کر سکے مدح جو زباں میری
اتنی طاقت بھلا کہاں میری

مے پلاتا نہیں ہے کیوں ساقی
فکرِ تاریخ ہے ابھی باقی

لکھوں جو کچھ وہ انتخاب لکھوں
اس کی تاریخ لاجواب لکھوں

میں نے صنعت رکھی ہے کیا اسمیں
تخرجہ ہے جواب کا اس میں

کس نے پایا ہے اس طرح کا دماغ
تیسرا ہے یہ - کارنامۂ داغ

تقریظ تذکرہ خمخانۂ جاوید مؤلفہ عالیجناب مکرمی لالہ سری رام صاحب ایم اے

بہار آئی مئے گلفام دینا
لبالب بھر کے ساقی جام دینا

پیاسے ہیں بہت دن کے مے آشام
شراب روح پرور کا پلا جام

پڑے ہیں دیکھیے کانٹے زباں پر
گھٹا گھنگور چھائی آسماں پر

وہ مے دے جو نشہ میں چور کر دے
وہ مے دے جو بے پیے مسرور کر دے

چمن پر آج رنگت آرہی ہے
کچھ آنکھوں میں طراوت آرہی ہے

کبھی بلبل کے لب پر ہے ترانا
کبھی گلچیں کے ڈر سے سہم جانا

سخن رنگین کوئی ایسا سنادے
کہ جو رنج والم دل سے بھلادے

برس کر ابر جب سے کچھ کھلا ہے
چمن کا رنگ ہی بدلا ہوا ہے

قیامت ڈھائی غنچے نے چٹک کر
گری ہے دل پہ بجلی سی کڑک کر

وہ شوخی سے صبا کا گدگدانا
وہ پھولوں کا ادا سے مسکرانا

ہوا سے سبزہ کا وہ لہلہانا
طیورِ خوشنوا کا چہچہانا

وہ مشاقِ ستم سروِ لبِ جو
تڑپ کر درد سے قمری کی کوکو

وہ ہر سو جلوہ فرما اُس کی قدرت
تماشا دیکھ کر نرگس کو حیرت

وہ نہروں میں رواں آبِ مصفا
خراماں ہر طرف طاؤسِ زیبا

وہ زیبائی وہ رعنائی گلوں کی
پھر اُس پہ خوشنوائی بلبلوں کی

ہوا سے ہر طرف بادل کا پھٹنا
شبِ مہتاب سونے پر سہاگا

یہ گذری سیر جب میری نظر سے
لہو جاری ہوا زخمِ جگر سے

اُبھر آئیں وہ دل کی ساری چوٹیں
کبھی کھائیں تھیں جتنی کاری چوٹیں

کسی کی وہ جفائیں یاد آئیں
مجھے اپنی وفائیں یاد آئیں

وہ اپنی اشکباری یاد آئی
وہ دل کی بیقراری یاد آئی

کسی کا مسکرانا یاد آیا
وہ ہنس ہنس کر رُلانا یاد آیا

وہ یاد آئی کبھی کی اپنی حالت
نظر میں پھر گئی اک بُت کی صورت

وہ شوقِ وصل نے پھر گدگدایا
وہ یادِ یار نے پہلو دبایا

کھلا سینے میں پھر باغِ تمنا
ہرے پھر ہو گئے داغِ تمنا

جدائی سے کلیجہ شق ہوا پھر
بنا سینہ مرا ماتم سرا پھر

لہو پھر ہو گیا آنکھوں سے جاری
تڑپ کر پھر گذاری رات ساری

گریباں کو کیا پھر چاک میں نے — اُڑائی سر پہ اپنے خاک میں نے
نگاہوں نے ادھر صحرا کو تاکا — اُدھر تلووں نے خاروں کو ٹٹولا
بن آئی پھر سپہرِ فتنہ زا کی — سرِ شوریدہ نے دیوار تاکی
جب اس درجے کو نوبت اپنی پہنچی — تو پھر عقلِ مآل اندیش چونکی
دلِ مضطر کو سمجھایا بہت سا — طبیعت کو سنبھالا مجھ کو روکا
تسلّی دی مجھے دل کو دلاسا — پلائی کچھ دوا صدقہ اُتارا
بیاں کی میرے آگے اک کہانی — سُنائے شعر بھی کچھ مُنھ زبانی
مجھے تو عشق ہے شعر و سخن کا — ہوا وہ زور کم دیوانہ پن کا
مرے دل کو کیا قابو میں کیسا — دکھایا معجزہ جادو میں کیسا
مجھے سنبھلا ہوا جب اُس نے پایا — خزینہ اک معانی کا دکھایا
سنا کر ذکر کچھ اک تذکرہ کا — کیا تقریظ لکھنے کا اشارا
کتاب اک ایسی رکھ دی لا کر آگے — کہ وحشت جس سے کوسوں دور بھاگے
اگر ہر موئے تن میرا زباں ہو — تو ہاں کچھ اس کی خوبی کا بیاں ہو
کہیں سادہ کہیں ہے طرزِ رنگیں — چُنے چھٹکے ہوئے سارے مضامیں
جہاں تعریف ہے زلفِ دوتا کی — وہاں پیچیدگی ہے کس بلا کی
کسی نے شوخیاں بھر دیں زباں میں — کسی نے گرمیاں کی ہیں بیاں میں
کسی کی سادگی ہے قابلِ داد — کسی نے طرزِ نو کر لی ہے ایجاد
کسی کو ہے ادا بندی کا لپکا — کوئی تشبیہ کی جانب ہے لپکا
کسی کو استعارہ بھا گیا ہے — کوئی ڈھل کر زباں پر آ گیا ہے

معانی پر نگاہیں ہیں کسی کی — جگر کے پار آہیں ہیں کسی کی

کہیں شوخی کا ہے عالم نرالا — کہیں ہے سادگی کا بول بالا

تصوف میں کسی نے نام پایا — کسی نے مدح میں انعام پایا

کوئی الفاظ کی شوکت کا عادی — کسی کی بندشیں ہیں سیدھی سادی

کوئی نازک خیالی پر مٹا ہے — تو کوئی روزمرّہ پر فدا ہے

کہیں ہے فارسی ترکیب ساری — کہیں اُردو زباں ہے پیاری پیاری

نئی ترکیب کا ہے کوئی موجد — پرانی طرز کا کوئی مُقلد

کہیں الفاظ کی جادوگری ہے — کسی نے گود پھولوں سے بھری ہے

کسی نے تیر کر جیتا ہے پالا — کسی نے ڈوب کر موتی نکالا

کسی نے چوٹ کھا کر آہ کی ہے — کسی نے دل کے اندر راہ کی ہے

کسی نے چٹکیاں لی ہیں جگر میں — سمایا ہے کوئی ظاہر نظر میں

ستم کے دُکھڑے روئے ہیں کسی نے — کہیں موتی پروئے ہیں کسی نے

کسی نے پھول توڑے ہیں چمن سے — کسی نے لعل اُگلے ہیں دہن سے

غرض ہر شعر چوٹی کا چُنا ہے — سُنا جس نے اُسی نے سر دُھنا ہے

کسی نے تذکرہ لکھا ہے ایسا — کہیں تم نے سُنا دیکھا ہے ایسا

کسی سے ہو سکی کب ایسی محنت — پھر اُس پر صرفِ دولت صرفِ ہمت

مؤلف اس کے ہیں لالہ سری رام — خلائق کے زباں زد ان کا ہے نام

بھرے ہیں ان میں اوصافِ حمیدہ — لکھے ہیں شعر سارے چیدہ چیدہ

ہزاروں پر پھرا ہے ان کے پانی — کھچی ہے جب یہ تصویرِ معانی

کوئی شاعر نہیں چھوڑا ہے باقی ۔ ہوئے جس سے نہ یہ جا کر ملاقی

مہینوں بلکہ برسوں خاک چھانی ۔ گنوا دی عشق میں اس کے جوانی

کیا ہے کام یہ اک عمر بھر میں ۔ سفر برسوں کیا ہے بحر و بر میں

جہاں قلمی کوئی دیوان دیکھا ۔ ہزاروں دے کے ظالم نے خریدا

کتابوں کی یہاں تعداد کیا ہے ۔ زمیں سے چھت تلک اک کمرہ بھرا ہے

ہزاروں ہیں کہیں دیوان اسمیں ۔ کہیں ہے تذکرہ کی کان اسمیں

کتاب ان سے بچی ہے کب جہاں میں ۔ نہیں اصلا غلو میرے بیان میں

خریدی جو جہاں سے ہاتھ آئی ۔ یہی دولت یہی ان کی کمائی

لکھا ہے تذکرہ جادو کیا ہے ۔ زمانے سے نرالا ہے نیا ہے

زمانہ ہے خریداروں میں اس کے ۔ جسے دیکھو طلبگاروں میں اس کے

کہاں تقدیر نے پہنچا دیا ہے ۔ معنون نام نامی سے ہوا ہے

نظر تک حضرت آصف کی پہنچا ۔ بہت دن میں نصیبہ اس کا جاگا

قلم نے کی ہے برسوں جبہہ سائی ۔ جب اس در تک ہوئی حاصل رسائی

نہیں مشکل ہے شہ کی مدح خوانی ۔ پھر اس پر خسرو ملک معانی

فریدوں فر بھی ہے معجز رقم بھی ۔ ملا ہے اس کو نیزہ بھی قلم بھی

اسی کی سلطنت ملک دکن میں ۔ اسی کا راج اقلیم سخن میں

اسی کا کام ٹھیرا حکمرانی ۔ اسی کا شغل ہے شیریں بیانی

دعا گو باب عالی کے ہزاروں ۔ ثنا خواں خوش مقالی کے ہزاروں

قلم داں اس کا دکان جواہر ۔ غزل ہے اس کی یا کان جواہر

اُٹھا کر ہاتھ ہجو اب دُعا کر
اثر بخشے خدا سے التجا کر
الٰہی شاہ کو دل شاد رکھنا
دکن کی سلطنت آباد رکھنا
اسے حاصل ہو عیشِ کامرانی
عطا کر اس کو عمرِ جاودانی
مؤلف کا رہے نام اس سے قایم
مزا لیں اس کو پڑھ کر شاہ دایم

قصیدہ در مدحِ سکندر شوکت نوشیرواں معدلت شہنشاہِ انگلینڈ و قیصرِ ہندوستان ملکِ معظم ہزمیجسٹی جارج پنجم دام اقبالہ و حشمتہٗ و اجلالہٗ

تو شہ والا ہمم عالی تبار
ہیں رعیّت اور وہ بھی خاکسار
تیرا ہمسر کوئی دنیا میں نہیں
مجھ سے بہتر تیری خاکِ رہگذار
چرخِ اخضر تیرے ایواں کی زمیں
پستیٔ طالع مرے سر پر سوار
فخرِ انگلستان و لندن تیری ذات
ہند و دہلی کے لئے ہیں ننگ و عار
کاملانِ دہر کا تو بادشاہ
ناقصوں میں ہے یہاں میرا شمار
تجھ سے وابستہ زمانے کی خوشی
مجھ سے برگشتہ مرے لیل و نہار
تیرے سائے سے زمیں گلزار ہو
ہو خزاں مجھ تک اگر پہنچے بہار
ہے ستاروں سے زیادہ تیری فوج
داغ ہیں سینے میں میرے تین چار
تیرے قبضے میں ہیں اقلیمیں کئی
میرا دل پر بھی نہیں ہے اختیار
تجھ کو شایاں تجھ کو زیبا سروری
میری عادت میرا شیوہ انکسار
تو میرا احمد مرخ میرزا بادشاہ
میں ترا مداح تیرا جاں نثار
تو خدا کے فضل سے ہے مستفیض
میں کرم کا تیرے ہوں اُمیدوار

تاج بخشی کام تیرے ہاتھ کا
ہے دعاگوئی مرے لب کا شعار

دولتِ دیدار تیری اور ہیں
کیا کہوں حیران ہوں آئینہ وار

مدح میں لکھا ہے مطلع اور بھی
بے کمالی سے مگر ہوں شرمسار

مطلع ثانی

اے فریدوں شوکت و کسریٰ وقار
جو برِ جمِ بادشاہِ نامدار

اے سکندر مرتبت داراشکوہ
اے شہنشاہِ زمانِ ذی اقتدار

اے عدالت گستر و فریادرس
اے غریبوں بیکسوں کے دستیار

اے سراسر شانِ الطاف و کرم
اے سراپا رحمتِ پروردگار

تیرے سر پر جب جگہ اس کو ملی
بڑھ گئی توقیرِ تاجِ زرنگار

بخش دے تو جس کو چاہے مملکت
جود و بخشش کا تری کیا ہے شمار

کون تھا عالم میں تیرا سا سخی
کب ہوا دنیا میں تجھ سا شہریار

آ کے دلّی کی بڑھائی آبرو
یہ رہیگا لطف تیرا یادگار

ہو کرم کی اس طرف بھی اک نگاہ
اک نظر کا میں بھی ہوں امیدوار

میں بھی اک مدّاح ہوں ادنیٰ ترا
مجھ کو بھی حاصل ہوا یہ افتخار

اب دعا پر ختم کرتا ہوں سخن
ہے اجابت کو دعا کا انتظار

ہاتھ سے یہ وقت کھونیکا نہیں
ہوں تو میں بیخود مگر ہوں ہوشیار

دوست تیرے شاد و دشمن پائمال
خوش رکھے تجھ کو مرا پروردگار

ملک و دولت میں ترقی ہو سوا
اس سے بڑھ کر ہو زمانہ سازگار

ہر برس میں اک برس گھٹ جائے عمر — تو رہے دنیا میں تا روزِ شمار

قصیدہ در مدح حضرت عالیہ سکندر شوکت نوشیرواں معدلت حضرت سلطان جہاں بیگم والیٔ ریاست بھوپال

اس عہد کی تو بلقیس اس وقت کی تو مریم — اے شانِ جہاں ثانی سلطان جہاں بیگم

اللہ رے تری شوکت اللہ رے تری شہرت — ممدوحِ جہاں تو ہے مداح ترا عالم

اقبال ترا چاکر نصرت ہے فدا تجھ پر — اسکندر و دارا سے ہے شان تری اکرم

شاہان گذشتہ سے نسبت تجھے کیا دیجے — ہے عدل میں تو آگے بخشش میں بھی تو اقدم

افلاک سے ہے اونچا ایوان کا ترے شمسہ — اب اہلِ فلک کو ہے تعظیم تری لازم

سطوت سے تری ایسا ظالم نے ستم چھوڑا — اب شیر سے بکری کا ہے ربط بہت باہم

اک فتح برستی ہے جب اس پہ نظر کی ہے — کیا ابر بہاری ہے لشکر کا ترے پرچم

نقارہ جو بجتا ہے بادل جو گرجتا ہے — یہ عید مبارک ہو آتی ہے صدا پیہم

یہ دور ہے عشرت کا یہ قول غلط نکلا — ہے رنج و خوشی باہم ہے شادی و غم توام

بھوپال گلستاں ہے کیا جوشِ بہاراں ہے — آباد ہر اک گھر ہے ہر دل ہے خوش و خرم

ایسی تھی کہاں دولت تجھ سے اسے کیا نسبت — تو فیض مجسم ہے وہ نام کا تھا حاتم

مفلوک زمانے کے ہیں داد طلب تجھ سے — افلاس کے زخموں کا ہے لطف ترا مرہم

لاکھوں میں کہاں تجھ سا تو فرد ہے تو یکتا — ہر چاہ بھلا کیونکر بن جائے چہِ زمزم

شمشیر ظفر پیکر نیزہ ہے ترا اژدر — گردن پہ یہ سرِ دشمن رہ سکتا ہے کب اسلم

یہ سیرِ چمن تیری ہے فیض سے کب خالی — بن جائیگی اب موتی پھولوں پہ جو ہے شبنم

بیگانہ یگانہ ہے مٹھی میں زمانہ ہے
ہے نقش سلیمانی ہر ایک تری خاتم

کچھ بات نہ تھی گویا لندن کا سفر کرنا
اس درجہ اولوالعزمی پھر عزم بھی یہ محکم

وہ اسپ پری طلعت وہ پیل فلک رفعت
سرعت میں یہ بجلی ہے یہ جنگ میں ہے ضیغم

جانباز ہیں سب افسر شیروں کا ہے یہ لشکر
ایک ایک سپاہی ہے پلٹن کا تری رستم

یوں نام تو بیخود کا تو نے بھی سنا ہوگا
وہ تیرا دعاگو ہے دیتا ہے دعا ہر دم

یہ جوش مسرت ہو یہ عیش کی کثرت ہو
ہر دم ہو خوشی حاصل ہر لحظہ خوش و خرم

ہو ملک میں افزونی دولت ہو تری دونی
جب عید تجھے آئے دشمن کے ہو گھر ماتم

اولاد کا سکھ دیکھے تو رنج نہ دکھ دیکھے
تو روز قیامت تک دنیا میں رہے قائم

قصیدہ در جشن عید الفطر صاحبزادہ نواب محمد شبیر علی خاں صاحب بہادر شبیر

میں شہ ملک سخن ہوں مجھے سمجھو نہ حقیر
شاعروں کے لئے فرمان ہے میری تحریر

کم نہیں طبل و علم سے یہ دوات اور قلم
بوق و قرنا کی صدا ہے مرے خامہ کی صریر

بن گیا حب کا عمل میری زباں کا جادو
کر لیا میرے مضامیں نے دلوں کو تسخیر

جس قدر ذہن رسا اتنا تخیل ہے بلند
میری اقلیم معانی کے یہ دونوں ہیں وزیر

ہو اگر مجھ سے کبھی معرکہ آرا دشمن
زخم کاری کے لئے میری زباں ہے شمشیر

امتحاں صولت و سطوت کا اگر ہو منظور
موم پتھر کو کرے میرے سخن کی تاثیر

معترض بند مرے سامنے بدگو ہیں خموش
کیل دیتی ہے زباں میری مدلل تقریر

عرش کی لائے خبر کیوں نہ مری فکر رسا
مجھ کو یہ مبدء فیاض نے دی ہے توقیر

ہے بہت بال ہما سے مری اونچی پرواز
نہ وہ شہباز ہوں شہرت ہے مری عالمگیر

اب کہاں ہی کوئی صیاد معانی مجھ سا
طائر سدرہ مرے دام میں ہوتا ہی اسیر

میرا شاگرد ہے انشا میں دبیر گردوں
اب کہیں جا کے اسے آئی ہی رسم تحریر

پھول جھڑتے ہیں زباں سے مری ہمرنگ چمن
طبع رنگیں ہی مری شاہد گل کی تصویر

حسن ہی یہ بھی کہ پیچیدہ بیانی میری
بن گئی ماہ جبینوں کی طلائی زنجیر

دھوم عالم میں مری فوج ظفر موج کی ہی
جس کا ثانی ہی جہاں میں نہ کوئی جس کا نظیر

پلٹنیں میری وہ تیار رسالے ہیں وہ لیس
جن سے سب میرے حریفان سخن ہیں دلگیر

یعنی ہر شعر ہے جانباز سپاہی میرا
میرے ہر شعر کا لکھ لیتی ہی چہرہ تقدیر

دھاک ہی جن کی زمانے میں یہی شیر ہیں وہ
ہیں شجاعت میں جو رستم سے سوا باتوقیر

قادر انداز ستم کے یہ بلا کے ہیں دلیر
دل سے ہٹ کر نہیں پڑتا کبھی ان کا کوئی تیر

حسن ایسا ہے کہ معشوق فدا ہیں ان پر
نازک اتنے ہیں کہ کھچتی نہیں ان کی تصویر

نور کے پتلے ہیں صورت میں چمک میں بجلی
ماہ گردوں کو خجل کرتی ہی ان کی تنویر

زخم ان کا کبھی بھرتا ہی نہیں جیتے جی
سر سے دل تک اتر آتی ہی انہیں کی شمشیر

پرورش پائی ہی رہکر مرے دل میں برسوں
ان میں اب تک ہی مرے گرم لہو کی تاثیر

با اثر ان سے زیادہ کوئی دنیا میں نہیں
میری سرکار سے پلتے ہیں اثر کی جاگیر

عید کا روز ہے لایا ہوں سجا کر ان کو
قدرداں مجھ سے سوا ان کا ہی اک باتوقیر

اس کی توصیف میں لکھا ہی یہ دلکش مطلع
اور بھی آج چمک جائیگی ان کی تقدیر

مطلع ثانی

حسن و اخلاق و سخاوت میں نہیں جس کا نظیر
ہے وہ شبیر علی خاں بہادر شبیر

مہر گردوں جسے کہتے ہیں جبیں ہے اُس کی
ہے اُسی کے تو یہ جلوے سے زمیں پر تنویر

دل سے ملنا اُسے، ہر شخص سے جھک کر ملنا
دل میں ہر ایک کا گھر سب کی نظر میں توقیر

یاد ہے اُس کو طریقہ وہ ملنساری کا
کہ مصور سے بھی کھنچتی نہیں اُس کی تصویر

اُس کے در تک کوئی جا کر نہیں پھرتا محروم
وہ بنا دیتا ہے دم بھر میں فقیروں کو امیر

رحم دل بھی ہے وہ اُتنا ہی کہ جتنا فیاض
بخش دیتا ہے جو ہو جائے کسی سے تقصیر

چشم پوشی بھی جو کرتا ہے تو اس موقع پر
کبھی ملتی نہیں نوکر کو خطا پر تعذیر

رعب سے اُس کے جُغلخور کی ہے بند زباں
کر نہیں سکتی وہاں میری بُرائی تقدیر

دردمندوں کا زمانے میں معالج وہ ہے
روتی صورت کو ہنسا دیتی ہے اُسکی تدبیر

اُس کے گلشن سے بہار آ کے نہیں جا سکتی
باندھ لیتی ہے اُسے موجِ صبا کی زنجیر

علم میں حلم میں یکتا ہے نہیں اُس کا جواب
عقل میں فہم میں ہمثل نہیں اُس کا نظیر

نظم میں نثر میں ہر طرح کی قدرت حاصل
نغز گو سیف زباں شوخ بیاں خوش تقریر

کیوں نہ ہو داغ کا وہ بھی تو ہے شاگرد رشید
بات میں اُس کی اثر شعر میں اُس کے تاثیر

دہوم سنتا ہوں بہت اُسکی سخن فہمی کی
داد لینے کے لیے کی ہے غزل یہ تحریر

غزل

چرخ کو لاگ خفا یار مخالف تقدیر
وہ پلٹ جاتی ہے ہوتی ہے جو سیدھی تدبیر

لے چلی جان مری نیم نگاہی تیری
میں تو سمجھا تھا کہ دل تک بھی نہ پہنچیگا یہ تیر

مجھ کو دیکھیں نگہِ غور سے میرے احباب
یاس و حسرت کی اگر دیکھنی چاہیں تصویر

خونِ دل میری غذا آہ و بکا شغل مرا
غم ہے رہنے کا مکاں درد ہے میری جاگیر

ہائے کیا خاک کہوں اپنی مصیبت تم سے
بے اثر دعوات مری آہ مری بے تاثیر

ماتھا بیٹھا ہوا چھوٹی سی کمر آنکھ بڑی / کاکل ایسی ہو کہ عشاق کے دل جس میں اسیر

گا مچی مختصر اُس پر ہے کشادہ سینہ / اُس کی گردن کا جواب ورنہ پٹھے کا نظیر

دور سے یہ نظر آتا ہے ہُما کلغی کا / یا اُڑا مرغ سلیماں کوئی لیکر تحریر

قید تشبیہ سے آزاد ہے چالاکی ہیں / برق کی تیزی رفتار ہے اس کی تاخیر

شرم آتی ہے ترے آگے قصیدہ پڑھتے / تو جو عرفی کا ہے ہمسر تو نظیری کا نظیر

ختم کرتا ہے ترا وصف دعا پر بیخود / لوگ کہتے ہیں کہ ہو اس کی دعا میں تاثیر

دل بڑھے اور ترا دل میں خوشی اور بڑھے / جس قدر عمر بڑھے اُتنی سوا ہو توقیر

کان بن جائے جواہر کی جواہر خانہ / تیرا اقبال زیادہ تری دولت ہو کثیر

مُنہ نہ دیکھے کبھی آئینے میں دشمن تیرا / یہ حقارت ہو کہ خود اپنی نظر میں ہو حقیر

خوبیاں یوں تری اولاد میں تیری آ جائیں / جیسے کاغذ پہ اُتر آتی ہے عکسی تصویر

دل سے دی ہیں تجھے جتنی یہ دعائیں دی ہیں / شاد و آباد رکھے تجھ کو مرا ربّ قدیر

دیگر قصیدہ

کیوں بنا کھل کے ہر اک پھول مے عیش کا جام / فصل گل آئی ہے کیا عید کا لیکر پیغام

پہلے غنچے سے کھلی باغ میں کیوں دل کی کلی / تا کمر جھک کے کیا سبزہ نے یہ کس کو سلام

وجہ کیا شاہد گل نے جو نکالا جوبن / کیا سبب اس کا جو نکھرا ہوا ہے باغ تمام

کیا ہوئی وہ دل بلبل کی طپش اور خلش / سرو کی شاخ پہ قمری کو ملا کیوں آرام

چڑھ گئی کس کی نظر پر یہ معمّا کیا ہے / چشم نرگس پہ فلک نے جو اُتارے بادام

وجد کرتے ہیں شجر حسن کے صدقے طاؤس / کوک کوئل کی سناتی ہے دلوں کے آلام

خوش نوایان چمن کے ہیں وہ دلکش نغمے / جس سے ثابت ہے کہ ہوتا ہے نہیں بھی الہام

دلِ بلبل کو لبھاتی ہی چٹکنے کی صدا — بھر دیا تھا دہنِ غنچہ میں کیا حسنِ کلام

زلفِ سنبل میں جو شبنم نے پروئے موتی — تھا یہ اعجازِ بہاراں کہ رہا اُن کو قیام

پھٹ پڑا باغ پہ یارب یہ کہاں سے جوبن — کونپلیں جتنی نکلتی ہیں وہ سب گل اندام

ہی جو سورج مکھی سورج سی چمک میں نہیں کم — گل مہتاب پہ دہوکا ہے کہ ہے ماہِ تمام

آنکھ لڑتی ہی جوانانِ چمن سے کیا کیا — مجھ کو ڈر ہے کہ نہ ہو مفت میں روزہ بدنام

دلکش ایسی ہی کچھ اس سال ہوائے گلشن — بن گئی موجِ صبا شاہدِ گل کے لئے دام

نہر میں دخل کہیں سیلِ فنا کو نہ ملا — قصرِ گرداں کی طرح سی ہی حبابوں کو قیام

اب نہ ڈھائیگا ستم اہلِ زمین پہ یہ فلک — اٹھ لیگا کوئی دُنیا میں کبھی رنج کا نام

یہ سماں دیکھ کے چاہا کہ سبب ہو معلوم — بات تو ہے یہ خوشی کی جو ہے اس کو قیام

ہر طرف میں نے تجسس کی نظر دوڑائی — آنکھوں آنکھوں میں ہوئے نرگس و سوسن سے کلام

الغرض عید کے آنے کا مجھے بھید کھلا — اُٹھ گیا پردہ جو تھا مٹ گیا سارا اوہام

عید شبیر علی خاں کے لئے آئی ہے — روزے افطار ہوئے ختم ہوا ماہِ صیام

اُس کے صدقے میں کچھ اوروں کو بھی یہ دی ہی خوشی — اُس کی لونڈی ہے طرب عیش ہی خاص اُسکا غلام

مدح حاضر ہیں وہ بیساختہ مطلع لکھوں — سن کے احسنت کہے جس کو ہر اک خاص و عام

مطلع ثانی

دین سے تجھ کو شرف تجھ سی ہی اسلام کا نام — فخر کیونکر نہ کرے نام پہ تیرے اسلام

میں کہاں اور کہاں مدح سرائی تیری — مجھ سے وحشت زدہ کو تو نے کیا خوب ہی رام

حد بھی آخر ہے ترے لطف و کرم کی کوئی — دل مرا موہ لیا تجھ کو کروں جھک کے سلام

کیا لکھوں مدح میں اب سوچ رہا ہوں بیٹھا
تیرے اوصاف حمیدہ تو نہ ہونگے ارقام

زہد عادت ہی تری تجھ کو عبادت کا ہی شوق
جود و بخشش ترا شیوہ ہے سخاوت ترا کام

دل ترے سینے میں اک نور کی روشن قندیل
لب مسیحا ترا اعجاز نما تیرا کلام

خواب میں تجھ کو کیا ہی شہ جیلاں نے مرید
مجھ کو واللہ نہیں تیری بزرگی میں کلام

نام سے دختر رز کے نہیں واقف ہم لوگ
تیرے تقوے نے کیا ذکر کو بھی اس کے حرام

مے تو کیا مے کی کبھی بو بھی نہ چھوٹی اس سے
یوں ترے عہد میں انگور کا سربستہ ہی جام

تو وہ ہے دین کی اک شان ہی تجھ سے قائم
تو وہ ہی قیصر و فغفور ہیں تیرے خدّام

تو کہاں اور کہاں رتبۂ عالی تیرا
جم و پرویز کجا خسرو و بہرام کدام

تیرے دشمن کی بہت ہم نے بری گت دیکھی
نام شیطان کا سب لیتے ہیں دیکر دشنام

خامہ فرسا ہی بہت جوشِ طبیعت میرا
ہو اجازت تو کروں ایک غزل بھی ارقام

غزل

کیا نکلتا نہیں ناکامئے جاوید سے کام
جو نہ پوری ہو کبھی ایسی تمنا کو سلام

وصل کی شب ہوئیں کیا کیا نہ مرادیں پوری
تم نے بھی دیکھ لیا میری دعا کا انجام

تیرے قربان مرے صبر ترا کیا کہنا
اب دہر سے چلے آتے ہیں محبت کے پیام

ڈال کر غیر پہ دشنام دیئے جاتے ہیں
بولتا ہو تو وہ کہتے نہیں تجھ سے کلام

بیوفا کون ہو اتنوں میں ذرا پوچھ تو لے
تیری محفل میں تو بیٹھے ہیں وفادار تمام

آنکھ اٹھتی نہیں اب ایسی بھی کس کام کی شرم
بندہ پرور کبھی لے لیجئے میرا بھی سلام

پوچھ کر مجھ سے وہ تو کون ہو کیا شرما گئے
باندھ کر ہاتھ ادب سے جو کہا میں نے غلام

زندگی اس پہ ہی موقوف پیئے جائیں شراب
سانس جبتک ہی رواں سینے میں چلتا رہی جام

انگلیاں اٹھتی رہیں وضع کی پابندی پر
نیک نامی کے لیے ہم ہوئے کیا کیا بدنام

زہر دینے کی تو نوبت بھی نہ آنے پائی
میٹھی باتوں ہی سے ظالم نے کیا کام تمام

رنگ ہر بزم میں بیخود نے جما رکھا ہے
کہیں بن جاتا ہے زاہد تو کہیں مے آشام

اپنے ممدوح کے پھر وصف رقم کرتا ہوں
توسنِ طبع کی پھر مدح میں اڑتی ہے لگام

تو نے اجمیر میں خواجہ کی بھری ہیں دیگیں
تو نے اس عمر میں کیا کیا نہ کیے فیض کے کام

قطعہ در وصف تیغ

تجھ کو دربار سے خواجہ کے ملی وہ شمشیر
جس کے اوصاف ہیں قاصر ہے زبانِ صمصام

مغربی ہم نے تو دیکھی نہیں ایسی اب تک
مہ جبیں، آئینہ رو، تیز زباں، خوں آشام

دونوں باگوں پہ تری تیغ کو کٹتے دیکھا
کیا چھریرا ہے بدن کیسی ہے نازک اندام

جس کو سمجھے ہوا ہے تیغِ قضا اک عالم
ہے پرانا تری شمشیر کا وہ ایک نیام

طائرِ روحِ عدو اس سے کوئی بچتا ہے
دو نو جانب تو یہ پھیلا ہوا جوہر کا ہے دام

ضرب سے اس کی بچے خاک تنِ روئیں تن
کی ہے سکے کی جگہ فتح کی آیت ارقام

قطعہ در توصیف اسپ

اب ترے گھوڑے کے اوصاف لکھوں یا نہ لکھوں
اس کی تیزی تو یہ کہتی ہے کہ مشکل ہے یہ کام

برق نے چند قدم ساتھ دیا تھا اس کا
رہ گئی تھک کے تو یہ بولی کہ آہستہ خرام

اس کو کہتے ہیں جو مشکی وہ بجا کہتے ہیں
مشکِ خالص ہی سے بنایا گیا ہے جسم تمام

لطف تو یہ ہے کہ ہے ساز بھی اس کا ہمرنگ
چوٹیاں حور کی گوندھی تو بنی اس کی لگام

ہے شبِ قدر سی بھی قدر سوا کچھ اس کی
نسل کا ہے یہ عرب شبہ نہ کچھ اس میں کلام

اڑ گیا باغ سے یہ بادِ بہاری کی طرح
کبک و طاؤس اڑاتے ہی رہے طرزِ خرام

ختم کرتا ہے قصیدہ کو دعا پر بیخود — تو بھی قائم ہے جب تک ہے دنیا کو قیام

ہے دعا دل کی مرادیں تری ساری برآئیں — اور باقی ہے کیا دل میں اک اللہ کا نام

تیری سرکار میں ہو عیش کی کثرت اتنی — تجھ کو فرصت نہ ملے صبح سے لیکر تا شام

نخلِ اُمید کے پروان چڑھیں پھل سارے — تیرے سایہ میں بڑی ہو تری اولاد تمام

ہوں ترے حق میں جو مقبول دعائیں میری
میں بھی دل کھول کے لوں پھر تو بہت کچھ انعام

تمت

دیوان گفتار بیخود

بعونہ تعالیٰ

اختتام یافت

تقریظات و تاریخات دیوان گفتار بیخود از نتائج افکار سخن طراز الفن گو یکتا ل حروف تہجی

تقریظ و تاریخ از نتائج قلم فصاحت رقم صوفی یکتا سخن دُرِ بے ہمتا تاثیر بیمثال ناظم خوش مقال والا رفعت عالیجناب معلی القاب شاہزادہ نواب امیر الملک بہادر گورگانی المتخلص بہ جوہر نشانی جلالت مآب حضور پرنور عالیجاہ بہادر شاہ ثانی ظفر دہلوی

ہمارے کیا بلکہ پیروں کے پیرزادے ظاہر میں سیدھے سادے لیاقت علمی میں لایق فن شاعری میں فائق، تہذیب میں کامل اخلاق حمیدہ کے عامل شاعروں کے استاد شاعری کی امداد، ہر کام کی شدہ بدہ نام کے بیخود دہلی کے روشن چراغ، جانشین جناب فصیح الملک داغ ایسے ممتاز شخص کی تعریف آفتاب کو مشعل دکھانی اور لقمان کو حکمت بتانی ہے، کلام کی خوبی کی داد کو سمجھنے کی استعداد ضرور یہ اپنے سے دور تو پھر یہ قول مشہور ہے ؎

صائب دو چیز می شکند قدر شعر را　　تحسین ناشناس و سکوت سخن شناس

کلام خود اپنی تعریف کر رہا ہے مضمون اپنی خوبی میں لاکلام کا دم بھر رہا ہے بندش اپنے پر کھولے ہوئے سخن شناس حضرات کو مسرور بنا رہی ہے زبان شعور سکھا رہی ہے اس احقر کو کچھ لکھنا نہ آئے تو کیا لکھے اور سمجھ نہ ہو تو کیونکر سمجھ سکے اور کہے تو تحسین بے وقوف کیا فایدہ دے سکے، نیز ایسا کلام کب کسی کی تعریف کا محتاج ہے اس کی خوبی کو مدح کی کیا احتیاج ہے خاصکر اس حقیر تر کو جس کو سب احقر کہیں کسی بہتر و برتر کی تعریف کا کیا شعور ہے، مگر اپنے مرشد زادے کی توصیف ضرور ہے اس لئے قلم اٹھایا اور اپنی بے لیاقتی سے نہ شرمایا۔ ع

گر قبول افتد زہے عز و شرف۔ امید ہے کہ میری بے حقیقتی اور نالیاقتی کے جاننے والے مجھ کو معذور سمجھ کر کسی برائی پر نظر نہ فرمائیں گے اور میری عقیدتمندی کو پیش نظر رکھ کر آفریں فرمائیں گے ؎

اچھے ہو کر ہمیں کیوں آپ برا کہتے ہیں　　ساتھ اچھوں کے برے بھی تو لگے رہتے ہیں

قطعہ تاریخ

تصنیف و مصنف ہر دو اعلیٰ	خود خوبی خویش می نماید
تاریخ طبع ندا باحقر	دیوان خیال بیخود آمد

تقریظ چکیدۂ خامۂ اعجاز رقم فصاحت و بلاغت توام ناثر بعدیل جہان و بیر یکتائے زماں خانصاحب جناب مولوی سید احمد مؤلف فرہنگ آصفیہ و ارمغان دہلی وغیرہ وظیفہ خوار سرکار حضور نظام خلد اللہ ملکہ

گفتار بیخود

اس کی بھی عجیب رفتار ہے، گیارہ برس تک انتظار ہی انتظار میں رکھا، بہتیرے شیدایان زبان کو یہ ارمان ہی سُلا دیا، بارے خدا خدا کر کے اب وہ دن نصیب ہوا کہ اس یوسف دہلی نے اپنے چہرۂ مبارک سے نقاب اُٹھا کر ہزاروں سخن فہموں کو سرشار بیخود کر دیا، آپ جانتے ہیں یہ کونسے بیخود کا سرور افزا کلام ہے، وہی بیخود جس کے آبا و اجداد نے شاہی وزارت تک ترقی کی، رئیسان بااختیار کے مصاحب خاص رہے اور انہیں کے مورث اعلیٰ نے شاہ جی کا تالاب اور شاہ جی کا چھتہ بنوایا۔ تالاب تشنگان عزت و حرمت کے واسطے بحر خضر تھا اب جملہ حیوانات کے لئے چشمۂ حیات ہے۔ چھتہ بھی عجیب کرامت بھرا ہوا طلسمات ہے جنہیں جاڑے گرمی میں کہیں پناہ نہیں ملتی وہ اس چھتہ میں آکر بسر کر لیتے ہیں۔

آپ کا نام نامی منشی سید وحید الدین احمد صاحب بیخود۔ حضرت داغ نے آپ کی زبان کو ٹکسالی اور مستند زبان ہونیکا سرٹیفکیٹ عطا فرمایا اور اصناف سخن پر قادر ہونے کی داد دی ہے ایک بزرگ نے نواب فصیح الملک کو لکھا کہ آپکے بعد آپکا جانشین کون ہوگا کہیں یہ گدی خالی نہ رہے، نواب صاحب نے جواب لکھا کہ بیخود دین یعنی دو بیخود ہیں۔ ایک مولوی عبد الحی بدایونی دوسرے

سیّد وحید الدین احمد دہلوی، اس سے یہ نتیجہ نکل سکتا ہے کہ آپ دونوں صاحبوں کے کلام کو تمام شاگردوں کے کلام پر ترجیح دیتے ہیں۔ اب اس بات کی تمیز کرنی چاہیئے کہ کس کو انتخاب کیا جائے۔ مولوی عبد الحی بدایونی خوش کلام، خوش فکر ضرور ہیں بلکہ زبانِ دہلی کے کامل مقلد، ماہر زبان، صحبت یافتۂ اہلِ کمالانِ زبان اُردو۔

منشی سید وحید الدین احمد اُردو کی ٹکسال و اُس ٹکسال کے ضرابِ لاجواب، اُردو ان کے گھر کی لونڈی ہے یہ اُس کی گودیوں میں پلے ہیں، ان کی زبان فطرتی ہے، اوروں کی زبان اکتسابی پس اس وجہ سے ان کو اہلِ دہلی نے جانشین داغ قرار دیا، سینکڑوں داغ کی زبان کے عاشق اس طرف جھک پڑے، ایک ہم کیا اُستادِ زمانہ، بادشاہ سخن، شمس العلماء خواجہ حالی رحمۃ اللہ علیہ اپنی ایک تحریر میں خود ان کی زبان کی تعریف میں رطب اللسان ہیں۔ چنانچہ اس جگہ اُس کی بجنسہ نقل ناظرین دیوان کے ملاحظہ عالی سے گذاری جاتی ہے۔ وہو ہذا۔

روئداد جلسۂ دستاربندی و جانشینی نواب فصیح الملک بہادر داغ دہلوی مرحوم دیکھ کر مجھے بے انتہا مسرت ہوئی اور اس بات کا افسوس ہوا کہ جلسۂ مذکور میں مجھ کو شریک ہونیکا موقع نہ ملا، میں عزیزی و شفیقی سید وحید الدین صاحب بیخود کو بلا شبہ مرحوم کی جانشینی کا مستحق جانتا ہوں اور ان کا رشید ترین شاگرد اور شاعری میں اُن کے قدم بقدم چلنے والا سمجھتا ہوں اور جہانتک مجھے معلوم ہے فصیح الملک مرحوم بھی ان کو ارشد تلامذہ میں شمار کرتے تھے اور اپنی جانشینی کا سب سے زیادہ مستحق سمجھتے تھے۔

راقم خاکسار۔ الطاف حسین حالی بقلم خود۔ ۷ ار فروری سنہ ۱۹۰۸ء

اس سے زیادہ لکھنے کو لوگ دخل خوشامد تصور فرمائیں گے لہذا اُن کے کلام میں سے چند برجستہ اشعار لکھ کر دکھا دینے کافی ہیں۔

نہ دیکھا تھا جو بزمِ دشمن میں دیکھا ‌ ‌ ‌ ‌ محبت تماشے دکھاتی ہے کیا کیا

کیا اسی کا نام اُلفت ہے کہ جب دیکھا اُسے ‌ ‌ ‌ ‌ خود بخود اک جوش پیدا دل کے اندر ہو گیا

کھٹکتی ہے مرے سینے میں یا رب آرزو اُسکی ‌ ‌ ‌ ‌ نکل جائے یہ دل کی پھانس وہ سامان پیدا کر

یہ کوئی بھید ہے اس میں بھی کوئی رازِ مخفی ہے ‌ ‌ ‌ ‌ مرا دل دیکھ کر وہ اپنے دل پہ ہاتھ دھرتے ہیں

وہی ہم ہیں وہی دل ہے وہی دل کی تمنا ہے ‌ ‌ ‌ ‌ نئے سرے سے انہیں باتوں کے ارماں ہوتے جاتے ہیں

اس طرح سے برباد نہ کر اہلِ وفا کو ‌ ‌ ‌ ‌ ڈھونڈے سے بھی ملتے نہیں یہ لوگ دوا کو

کیوں اُلجھتے ہو ہر اک بات پہ بیخود اُن سے ‌ ‌ ‌ ‌ تم بھی ناداں بنے جاتے ہو ناداں کے ساتھ

ہم نے دیکھا ہے زمانہ ہم نے برتے ہیں حسیں ‌ ‌ ‌ ‌ بندہ پرور ظلم کی کثرت کہیں اتنی نہیں

خدا جانے کہ کیا گذری خدا جانے کہ کیا بیتی ‌ ‌ ‌ ‌ جنابِ شیخ کعبے سے نہایت شرمسار آئے

اور مہمان ہے دو چار گھڑی کا بیخود ‌ ‌ ‌ ‌ آپ آرام کریں آج نہیں رات کی رات

قطعہ تاریخ از نتیجہ افکار بحرِ سخندانی کشافِ دقائقِ معانی شاعرِ رنگین بیان ناظمِ شیریں زبان حضرت ضمیر الحق محمد نور خاں بیدل تخلص اڈیٹر افتخار جاورہ شاگرد رشید حضرت راقم الدولہ مولانا ظہیر دہلوی مرحوم

جانشینِ داغ کا دیواں چھپا ‌ ‌ ‌ ‌ اس کو بیدل لالہ زارِ داغ لکھ

فکر ہے تاریخ کی تجکو اگر ‌ ‌ ‌ ‌ طبع زاد یادگارِ داغ لکھ

دیگر

طبع بیخود کا ہو گیا دیواں ‌ ‌ ‌ ‌ جو ہے شاگردِ نامدارِ داغ

گلشن نظم میں بہار آئی ‌ ‌ ‌ ‌ آج پھولا ہے لالہ زارِ داغ

مصرعہ سال طبع لکھ بیدل ‌ ‌ ‌ ‌ طوطیٔ ہند یادگارِ داغ[1]

[1] یہ مصرعہ عطا صاحب ہدا...

قطعہ تاریخ نوک ریز قلم فصاحت رقم شاعر بےمثال سخنور شیریں مقال بلبل بستان خوش بیانی طوطی گلستان معانی جدت پسند ناظم مضامین بلند معدن سلاست منبع فصاحت جناب مرزا ذاکر حسین صاحب قزلباش لکھنوی المتخلص بہ ثاقب یادگار نواب اسد اللہ خاں غالب نور اللہ مرقدہٗ

رونمائے حسن ہے بیخود کا گلزارِ سخن
پتے پتے سے عیاں ہیں باغباں کی محنتیں
دل کو اندیشوں نے غفلت میں بھی رکھا ہوشیار
ہر کلی خوش رنگ اپنی وضع میں تصویر ہے
رنگِ شادابی کسی پودے سے جانیکا نہیں
کیا نہیں سب کچھ ہے اسمیں نکتہ رس دل کے لئے
جانشین داغ ہیں مسند نشین فضل ہیں
ہے مسیحی سال ہیں دیواں کے چھپنے کی نوید
فکر ثاقب سال ہجری میں ہے یوں گوہر فشاں

شاہد گل نے نقاب الٹی نظر آیا جمال
خونِ دل سے مدتوں سینچا گیا ہے ہر نہال
رات دن فکر ولی کی ہے اس چمن کی دیکھ بھال
چشمِ میگونِ فسوں گر جس کی ہے ادنی مثال
یہ بہارِ بے خزاں ہے اور حسن لازوال
سادگی بیساختہ پن روزمرہ بول چال
آپ ہیں استادِ فن کس کو ہے اسمیں احتمال
کیوں نہ ہو گفتار بیخود صائب سحر حلال
(عیسوی ۱۹ ۱۵)
جلوہ گاہ گنج معنی بزم رنگین خیال
(ہجری ۱۳ ۲۳)

تقریظ از نتیجہ طبع دقاد ناثر عدیم المثال جناب خواجہ حسن نظامی صاحب خواہر زادہ حضرت محبوب الٰہی رحمتہ اللہ علیہ

کلامِ بیخود

سنتا ہوں چھپا ہے، اور میری تقریظ چاہتا ہے میں کیا لکھوں، نہ میں شاعر ہوں نہ میرے باپ شاعر تھے

نہ یہ اُمید ہے کہ میرا بیٹا شاعر بنے گا، البتہ جناب بیخود کا تخلص ایسا پیارا ہے کہ مجھ سا مستانہ دیوانہ
اس نام میں اپنے دل کا تعلق پاتا ہے، اس لئے کلام بیخود پر چند حرفوں کو جوڑ دیتا ہوں۔
کہتے ہیں کہ اب دلی میں بیخود جیسا کوئی شاعر نہیں، خبر نہیں یہ کہانتک درست ہے لیکن یہ تو
سب کو ماننا پڑیگا کہ دلی کی دھوم تصوف کے بیخودی والوں کے مزاروں سے کچھ باقی رہ گئی ہے،
ورنہ غریب کا مدت ہوئی دم نکل چکا ؎

مری نظروں میں اب کچھ رنگ دلی جم نہیں سکتا
وہی مٹی کے تودے ہیں وہی جمنا کا پانی ہے

لہذا بیخود نام شاعر کو اگر سب پر فوقیت دی جائے تو نامناسب نہیں ہے۔
جناب بیخود پبلک میں کم آتے ہیں مگر اپنی سخن طرازی سے اُردو ادب کے ہر گھر میں سکّے
چلاتے ہیں، ان کے کلام کی خصوصیت شاعرانہ تو شاعر جانیں صوفیانہ نکتہ نظر سے اس میں
ایک گہرائی کیف اور بولتا ہوا اثر ہوتا ہے، اور میرے نزدیک کلام وہی ہے جس میں یہ وصف
خصوصاً آخری صفت زیادہ ہو۔
خدا نہ کرے کہ میں اتنا جیوں اور قیامت کے بوریئے سمیٹنے والا کہلاؤں، ورنہ کلام بیخود کا
مزا سو پچاس برس کے بعد آئیگا، اور آیندہ نسلیں اس کی قدر کریں گی اب کیا ہے، اب تو
ذاتیات کی بحث میں بڑے بڑے لائق لوگ دوسروں کی قابلیت سے انکار کر جاتے ہیں، جب ذاتیات
پر جھگڑنے والے مرجائیں گے، میں اور بیخود صاحب بھی قبر میں چلے جائیں گے تو انصاف
کیا جائیگا اور اس کلام کو ادب اُردو کا درخشندہ جوہر کہا جائے گا۔

تقریظ از خامۂ اعجاز رقم بلبل گلزار فصاحت طوطی شکرستان بلاغت
نقادِ سخن یکتائے زمن مسٹر حامد علی خاں بیرسٹر ایٹ لا لکھنوی

جناب منشی سید وحید الدین احمد صاحب بیخود

منشی سید وحید الدین احمد صاحب بیخود ہندوستان کے مشہور شاعروں میں سے ہیں دہلی کے
رہنے والے ہیں، شاعری آپ کا آبائی فن ہے، آپ کے والد سید شمس الدین احمد عرف سید احمد شاعر
ہیں، سالم تخلص کرتے ہیں، آپ کے دادا سید بدر الدین احمد عرف فقیر صاحب کا تخلص پہلے
سالک اور بعدہٗ کاشف تھا، حضرت غالب کے شاگرد تھے، آپ کے پردادا امتیاز الدولہ افتخار الملک
نواب سید احمد میر خاں بہادر منصور جنگ عالمگیر ثانی کے وزیر تھے، مفتی محمد صدر الدین خاں صاحب
آزردہ آپ کی والدہ کے پھوپا تھے۔

منشی سید وحید الدین احمد صاحب ۳ رمضان المبارک ۱۲۷۹ھ ہجری میں بمقام بھرت پور پیدا
ہوئے، دو ماہ بعد آپ اپنے وطن دہلی میں آئے، چار برس کی عمر سے آپ کی تعلیم دہلی میں شروع ہوئی
فارسی کی ابتدائی کتابیں پڑھ کر مہر نیمروز دیوان غالب (فارسی) حضرت حالی سے پڑھا، ذہن
تیز اور حافظہ قوی تھا جو پڑھتے تھے جلد یاد ہو جاتا تھا اور یاد رہتا تھا، نظم کے عشق نے عربی کی
تعلیم نہ ہونے دی، تخمیناً بارہ برس کا سن ہوگا جو آپ نے شعر کہنا شروع کیا آپ کا پہلا شعر یہ ہے

دل سے نکل گیا کہ جگر سے نکل گیا — تیر نگاہ یار کدھر سے نکل گیا

اس شعر میں کسی کی اصلاح نہیں ہے بارہ برس کے لڑکے کی اور یہ زبان سبحان اللہ افسوس ہے یہ
غزل تلف ہو گئی، آپ کے چچا صاحب سید عظیم الدین عرف سید محمد صاحب متخلص بہ موزوں ایک دن
کچھ لکھ رہے تھے، آپ نے دریافت فرمایا کہ آپ کیا لکھ رہے ہیں، فرمایا غزل کہہ رہا ہوں، آپ نے کہا
کہ اس زمین میں میں بھی طبع آزمائی کروں، آپ کے چچا صاحب نے کہا کہ تم کیا کہو گے، یہ بات آپ کو
ناگوار ہوئی، ادب سے چپ ہو رہے کچھ جواب نہ دیا، لیکن دل میں کہا انشاء اللہ تعالیٰ ہم غزل
کہیں گے اس وقت آپ کا سن چودہ برس کا تھا غزل کہی اور ایسی کہی کہ اس واقعہ کے ۲۵ برس بعد

آپ نے اُنہیں چچا صاحب کی غزلوں کو اصلاح سے مزین کیا۔ سبحان اللہ۔

ایک دن کا ذکر ہے کہ جناب حکیم عبداللہ خاں صاحب رسا آپ کے ماموں غزل کہہ رہے تھے خال کب، حال کب، آپ حاضر تھے رسا صاحب نے یہ قطعہ کہا

قطعہ

دیکھو تو آئینہ ذرا اے حضرت رسا ۔۔۔ چہرے سے آشکارا تھا رنج و ملال کب

ہم نے نہ کہدیا تھا کہ اچھا نہیں ہے عشق ۔۔۔ کب تم تھے بیقرار ہوا تھا یہ حال کب

آپ نے فوراً مصرعے لگائے اور وہ یہ ہیں ؎

میری خطا معاف ہو ہے شرم کی یہ جا ۔۔۔ یہ حالِ زار اور ہو حضرت سا پارسا

بیخود کی شکل کو بھی تو دل سے بھلا دیا ۔۔۔ دیکھو تو آئینہ ذرا اے حضرتِ رسا

چہرے سے آشکارا تھا رنج و ملال کب

تھا قول آپ کا تو کہ گردوں نشیں ہے عشق ۔۔۔ یا کہتے ہو کہ موت سے بدتر کہیں ہے عشق

کیوں ہے زبان پہ دشمن دنیا و دیں ہے عشق ۔۔۔ ہم نے نہ کہدیا تھا کہ اچھا نہیں ہے عشق

کب تم تھے بیقرار ہوا تھا یہ حال کب

جب حضرت حالی کو یہ مصرعے سنائے حضرت حالی بہت محظوظ ہوئے اور فرمایا کہ تم شعر کہا کرو اب کیا تھا روز ایک دو غزل کہہ ڈالتے پڑھتے اور محظوظ ہوتے اور غزل پھاڑ ڈالتے اسی طرح ایک دیوان کہا اور چاک کر ڈالا پہلے نادر تخلص کرتے تھے سولہ برس کا سن تھا کہ بیخود تخلص کہا کبھی کبھی حضرت حالی کو اپنا کلام سناتے اور اصلاح سے مستفیض ہوتے حضرت حالی کی تحریک سے سنہ ۱۳۰۹ ہجری میں حضرت داغ کے شاگرد ہوئے جناب مولوی عبدالرحیم خاں صاحب دہلوی بیدل تخلص آپ کو حضرت داغ کی خدمت میں لے گئے اور کہا ان کو (بیخود کی طرف اشارہ کرکے)

آپ اپنا شاگرد کیجے حضرت داغ نے بیخود سے فرمایا کہ کوئی اپنی غزل پڑھو آپ نے غزل شروع کی صباد یکھا، جفا دیکھا یہ غزل اُسی دن کہی تھی مولوی صاحب نے مصرع طرح دیا تھا جب یہ شعر پڑھا ؎

جب آنکھ پڑی اپنی اک بات نئی پائی　　ان دیکھنے والوں نے تجکو ابھی کیا دیکھا

حضرت داغ پھڑک گئے بہت تعریف کی اور جناب مولوی صاحب کی طرف مخاطب ہوکر فرمایا کہ کہنہ مشق معلوم ہوتے ہیں جناب مولوی صاحب نے فرمایا کہ میرے علم میں تو کبھی کبھی کہتے ہیں یہ غزل کی تھوڑی دیر ہوئی آج ہی کہی ہے مصرع طرح میں نے دیا تھا۔ حضرت داغ نے فرمایا کہ اس شعر (یہ شعر غزل کا تیسرا شعر تھا) کی پختگی مشاقی کا پتہ دیتی ہے، بیخود کو اپنا راز کہنا پڑا، عرض کی روز ایک دو غزل کہتا ہوں، اپنے آپ کو سُناتا ہوں سُنا کر پھاڑ ڈالتا ہوں، اسی طرح ایک بہت بڑا دیوان پھاڑ چکا ہوں۔ حضرت داغ آپ کا کلام سُن کر بہت محظوظ و مسرور ہوئے اور اُس دن سے خاص توجہ و محبت فرمانے لگے، کل تین ماہ اصلاح دیکر فرمایا کہ اب آپ کو اصلاح کی ضرورت نہیں حضرت حالی و حضرت داغ آپکے کلام کی اکثر تعریف فرمایا کرتے تھے، آپ کی زبان کو حضرت داغ اپنی زبان کہتے تھے، چنانچہ بیخود کہتے ہیں ؎

زباں اُستاد کی بیخود ترے حصے میں آئی ہے　　پھر اتنا بھی نہیں کوئی خدا رکھے ترے دم کو

متروکات داغ کے آپ سخت پابند ہیں۔ مثلاً سدا ہمیشہ کے معنے میں، میں، کا نوں دینا ہوا یاں واں بجائے یہاں، وہاں وغیرہ آپکے یہاں ترک ہیں صرف اُدھر ایک غزل میں رہنے دیا ہے کہ یہ لفظ ردیف میں واقع ہوا ہے اور یہ غزل ایک مشاعرے کی طرح میں کہی تھی۔ ورنہ اُدھر بجائے اور نظم نہیں کرتے، دیوان بیخود چھپ رہا ہے، انشاء اللہ بہت جلد شائع ہوگا۔ میں دہلی سے رخصت ہو رہا ہوں (حضرت غالب کی قبر پر بھی فاتحہ پڑھ آیا، جب دہلی آتا ہوں حضرت غالب کی قبر پر فاتحہ ضرور پڑھتا ہوں) ملازم اسباب باندھ رہا ہے میں اُس کو ہدایتیں بھی دیتا جاتا ہوں

اور یہ سطریں بھی لکھتا جاتا ہوں، چند اشعار بیخود صاحب کے میرے سامنے فرش پر رکھے ہوئے ہیں
شوخی، سلاست، صفائی وغیرہ آپ کے کلام میں پائی جاتی ہے ؎

قربان اس زبان کے صدقے بیان کے — ناصح کی بات ہی نہیں جو بے تُکی نہ ہو
خاک بھی ہم تو نہ اے ناصح ناداں سمجھے — جا کے سمجھا اُسے تو جو تجھے انساں سمجھے
چار داغوں پہ نہ احساں جتاؤ اتنا — کون سے بخش دیئے تم نے خزانے ہم کو

اس شعر میں مبالغہ ملاحظہ ہو ؎

نزاکت آئینہ تک عکس کو جانے نہیں دیتی — یہی نقشہ ہے تو بس کھنچ چکی تصویر رہنے دو

اس مطلع میں کیا اثر بھرا ہے مصرعہ ثانی پر نظر رہے کیا خوب کہا ہے ؎

اے کاش مری آہ میں اتنا اثر تو ہو — میرا خیال اُس کو مجھے دیکھ کر تو ہو

انگریزی میں ایک مثل مشہور ہے جس کا ترجمہ یہ ہے۔ پہلی ہی نگاہ میں عاشق ہوگیا بیخود مطلق
انگریزی نہیں جانتے اور نہ یہ مثل کبھی سُنی لیکن کیا خوب فرمایا ہے ؎

پہلی نظر میں وہ مجھے عاشق سمجھ گئے — پہچان نے نگاہ کو اتنی نظر تو ہو

سچ ہے شعرا غیب کی کوڑی لاتے ہیں۔

آدمی جو کام کرے استقلال سے کرے اس مضمون کو بیخود نے کیا خوب نظم کیا ہے ؎

یہ کیا کہ آج کچھ ہے تو کل کچھ زبان پر — شکوہ ہو یا ہو شکر مگر عمر بھر تو ہو

اس شعر کی تعریف نہیں ہو سکتی ؎

ناامیدی نے مٹا دی آرزو — کام یوں نکلے دلِ ناکام کے

افسوس اوقت نہیں ورنہ تحریر کو طول دیتا تھوڑی دیر میں سوار ہوتا ہوں، دہلی خدا تجھے آباد
رکھے تجھ سے رخصت ہوتا ہوں۔ اپنے محسن مورث اعلیٰ حضرت مولانا سما ءالدین رحمۃ اللہ علیہ) جو ہندوستان میں

بہلول لودی کے عہد سلطنت میں تشریف لائے، اور حضرت کی اولاد چودہ صدی تک دہلی میں ہی اور بالائے حوض شمسی حضرت کے مزار شریف میں آرام کر رہی ہے) سے رخصت ہوتا ہوں۔ خدا حافظ اے پرانی دہلی (ذوق، مومن، غالب، آزردہ، شیفتہ، درد، سوز، سالک، ویران، انور، ظہیر، نیر، مجروح وغیرہ کی یاد دلانے والو خدا حافظ، خدا حافظ و ناصر جناب حافظ حکیم محمد اجمل خاں صاحب حاذق الملک متخلص بہ شیدا رات دن تم ہو اور مخلوق خدا کا کام۔ تم سے لوگ پیش نظر تھے جس وقت میں نے یہ مطلع کہا تھا ؎

جو مخلوق خدا کے کام میں مصروف ہیں دل سے وہی واقف ہیں رستہ سے وہی آگاہ منزل سے

میں حیران ہوں کہ ایک منٹ کی تو فرصت نہیں دن بھر شعر کہتے ہو اور خوب کہتے ہو کمال کرتے ہو حضرت صفی (سید علی نقی) لکھنوی اسی مرض عدیم الفرصتی میں مبتلا ہیں دن بھر عدالت خفیفہ کی سرشتہ داری کرتے ہیں نہ جانے شعر کس وقت کہتے ہیں، خدا حافظ حضرت تاباں جناب نواب شجاع الدین خاں بہادر چلتے وقت چند شعر اپنے پڑھے دیتا ہوں نہیں معلوم پھر کب ملاقات ہو دہلی کی شاعری کی دنیا میں چہل پہل آپ کے دم سے ہے ؎

ہر زمانے کا اک فسانہ ہے ؛ ہر فسانے کا اک زمانہ ہے ؛ کام جو آنکھ سے نہیں لیتے ان کو سادہ ورق زمانہ ہے ؛ جس میں سب تنگ ہیں زمانے کے ؛ ہم غریبوں کا وہ فسانہ ہے بے بہا کچھ خیال ہیں دل میں ؛ مفلسوں کا یہی خزانہ ہے ؛ ان کی سب ہاں میں ہاں ملاتے ہیں وہ جدھر ہیں ادھر زمانہ ہے ؛ جتنا شاکی ہوں میں زمانے کا ؛ اتنا شاکی مرا زمانہ ہے

خدا حافظ عالیجناب نواب سعید الدین احمد خاں بہادر طالب حضرت کو دیکھ کر یہ شعر اپنا اکثر پڑھا کرتا ہوں ؎

وہ سادی ان کی وضع وہ اخلاق دلپسند ایسوں کو آنکھیں ڈھونڈتی ہیں اس زمانے میں

خدا حافظ جناب نواب سراج الدین احمد خاں سائل ؎ کس منہ سے کہوں جاؤ خدا حافظ و ناصر ؛ پھر آنا مبارک ہو مبارک سفر بھی ؛ مقطع میں پڑھے دیتا ہوں ؎

حامد وہ سمجھ جائیں گے آنکھیں نہ ملانا　　دل کہتا ہے جو کچھ وہی کہتی ہے نظر بھی

خدا حافظ جناب محمد کرم اللہ خاں صاحب عرف ننھے خاں صاحب شیدا آپ کو دیکھ کر یہ خیال دل میں گذرتا ہے کہ ذوق و مومن و غالب کا کیا زمانہ ہوگا کیا وہ صحبتیں ہونگی ؎ تم سلامت رہو ہزار برس ؛ ہر برس کے ہوں دن پچاس ہزار ؛ خدا حافظ حضرت مضطر (جناب حکیم اسد علی خاں صاحب) جناب محمد مرزا خاں صاحب عابد خلف حضرت سالک، جناب مرزا محمد علی خاں صاحب، جناب نواب فیض احمد خاں بہادر فیضی، جناب آغا ظفر علی بیگ صاحب شاعر جناب سری رام صاحب مؤلف خمخانۂ جاوید جناب بیخود صاحب اے حضرات خدا حافظ خدا حافظ ۶ پھر ملیں گے اگر خدا لایا۔

تقریظ بطرز جدید و قطعات تاریخ ریختہ کلک معجز سلک فصاحت رقم غواص بحر سخندانی کشاف دقائق معانی حاجی حرمین ممتاز الشعراء حضرت عطا محمد صاحب المتخلص بہ عطا وکیل بدایوں شاگرد رشید نواب فصیح الملک حضرت داغ دہلوی نور اللہ مرقدہ

یا فتاح ویا اول بسم اللہ الرحمن الرحیم

اللہم صل علی محمد سید السادات و آلہ و اصحابہ و ازواجہ و سلم ابداً ابدا ؛ معدن فضل و کمال مسیحا دم ؛ مجتہد وقت ماہر فن ؛ آفتاب اوج برج جلالت معانی ؛ یار عزیز جناب سید وحید الدین احمد صاحب بیخود ؛ السلام علیکم مزاج مع الخیر ؛ قطعات تاریخی نونہو ؛ ملاحظہ خاطر مہین ہوں ؛ راقم نیاز مند اولو دو محبت عطا محمد عطا بدایونی ؛ سترہ نومبر بانجام رسید معدود قطعات تاریخ ؛ از نیاز کیش حاجی عطا محمد عطا بدایونی وکیل عدالت ؛ شاگرد جناب جہاں استاد پاک بیان نواب فصیح الملک مرحوم دہلوی ؛

ملی ان کو طرز سخن داغ کی　　یہ گفتار بیخود ہے گفتار داغ

ہے ان کے دہن میں زباں داغ کی | عطا ہے یہ دیوان گلزار داغ
میرے استاد بھائی بیخود نے | ایضاً خوب پایا ہے ذہن اور دماغ
ان کے دیوان کی تجلی سے | ہوا پر نور شاعری کا چراغ
رنگ استاد کا دکھایا ہے | وہ لگایا ہے ہر زمیں پر باغ
اس کو کہنا عطا مناسب ہے | سرّ مکنون آفتاب داغ
عطا بھائی بیخود کے دیوان سے | ایضاً بہت ذوق رکھتے ہیں احباب داغ
یہ جلوہ ہے سب فیض استاد کا | کہو اس کو اسرار مہتاب داغ
میں نے بیخود کا جب کلام سنا | ایضاً مٹ گیا میرے دل سے خار داغ
بھائی بیخود کو تم عطا کہدو | طوطیِ ہند یادگار داغ

زلہ ربائے سخن — محب صادق ممتاز الشعراء

قطعہ تاریخ چکیدۂ خامۂ عنبر شمامۂ شاعر خوش بیان جناب محمد مرزا خاں صاحب عابد خلف اکبر حضرت سالک مرحوم

میں نے دیکھا کلام بیخود کا | ہیں خلاصہ یہ داغ کے عابد
ایک ثانی نہیں زمانے میں | ہیں خلیفہ یہ داغ کے عابد

تقریظ ریختۂ قلم فصاحت رقم سخن سنج عالی دماغ جناب محمد عطاء اللہ صاحب عطوی بی اے ایل ایل بی وکیل درجہ اوّل چیف کورٹ پنجاب

ایھا الناظرین۔ حضرت منشی سید وحید الدین احمد صاحب بیخود جانشین داغ کی عالمگیر شہرت بفضلہ تعالیٰ اس قدر ہے کہ مجھے زیادہ ضرورت اس امر کی نہیں معلوم ہوتی کہ حضرت ممدوح کی بابت زیادہ قلم فرسائی کروں، صرف اتنا ہی کہدینا کافی ہے کہ آپ کی علمی قابلیت اُردو فارسی لٹریچر میں بہت زیادہ ہے یہی وجہ ہے کہ آپ کو نظم و نثر دونوں میں ملکہ تامہ ہے، ورنہ بالعموم بہت سے حضرات زمانہ

ماضی وحال میں ایسے تھے اور ہیں کہ اگر ناظم ہیں تو ناثر نہیں اور اگر نثر میں دسترس رکھتے ہیں تو نظم سے عاری ہیں، مگر قدرت کے فیاض ہاتھوں نے منشی صاحب موصوف کو ہر دو صفت سے آراستہ کیا ہے کیوں نہ ہو اول تو خدا داد لیاقت، اُس پر طرہ یہ کہ زبانِ فارسی کی تعلیم آپ نے ایسے زبردست اور باکمال اُستاد سے پائی ہے جس کا علمی دنیا میں از شرق تا غرب شہرہ ہے، ہندوستان نہ صرف ہندوستان بلکہ چار دانگ عالم میں کون ایسا ہے کہ جس کو قدرے مہارت بھی لکھنے پڑھنے کی ہو اور وہ آپ کے نام نامی سے واقف نہ ہو، وہ کون بزرگ ہیں حضرت شمس العلماء مولانا بالفضل اولانا خواجہ الطاف حسین صاحب حالی قدس اللہ سرہ وجعل الجنۃ مثواہ جیسے جلیل القدر اُستاد کے روبرو ہمارے منشی صاحب ممدوح نے زانوئے ادب طے کیا! با وقعت اور قابل استاد کا نام ہی اس امر کی کافی شہادت ہے کہ منشی صاحب نے کیسے کیسے فیوض شفقت اُستاد سے حاصل کئے مگر یہ ضرور ہے کہ اُستاد کی محنت صرف ایسے ہی شاگرد پر بارآور ہوتی ہے جس میں خود بھی مادہ ہو نظم میں آپ کو بلبلِ ہند فصیح الملک حضرت داغ مرحوم دہلوی اُستاد شاہِ دکن کی شاگردی کا فخر حاصل ہے! غرضکہ جوہری بھی مکمل اور صیقل گر بھی مکمل۔

آپ حسنی الحسینی سید ہیں بسلسلہ خاندان آپ حضرت شمس العارفین ونجم الکاملین غوث الاعظم حضرت شیخ عبدالقادر صاحب جیلانی رحمۃ اللہ علیہ سے منتسب ہیں بلحاظ قابلیت ذاتی وحسب نسب آپ ہر صورت سے ممتاز ہیں۔

دیوان میں اگرچہ انداز ایشیائی شاعری کا ہے، اور تتبع استادانِ ماسبق کا ہے مگر نگاہِ تعمق سے دیکھئے تو اس میں بھی ایک نرالی ادا ہے نیا رنگ ہے، اکثر فلاسفہ اور حکمت کی جھلک پائی جاتی ہے۔ دیوان کی اشاعت کرنے سے آپ نے بلاشبہ اُردو علم ادب میں بیش بہا اضافہ کیا۔

آپ کے خود مسلم الثبوت استاد ہونے کے واسطے صرف یہی عرض کر دینا کافی ہی کہ آپ کے تلامذہ نہ صرف دہلی میں جو آپ کے ہونہار اور قابلِ فخر فرزند ہیں بلکہ دور دور شہروں میں بکثرت ہیں۔

تقریظ از نتائجِ افکارِ غواصِ بحرِ سخندانی کشافِ دقائقِ معانیِ سخن فہمِ سخن سنج مولانا مولوی محمد عبد الرحمٰن صاحب مولوی فاضل منشی فاضل پروفیسر عربی مشن کالج دہلی

شعر زبان کی جان ہی اور زبان اُس کا حُسن ہے، اگر زبان میں شعر نہیں تو ابھی تن بیجان ہے اگر نظم سے محروم ہے تو زیورِ حُسن سے عاری ہی شاعری کا آغاز ہونا اور زبان کے تن بیجان میں جان کا آنا ایک بات ہی اسی لئے شعر و سخن کے نشو و نما کے ساتھ ہر زبان اوج و عروج پاتی ہی اور عہد عہد کی نظم اپنے اپنے زمانے کا حسن و انداز دکھاتی ہی، جو پیدا ہوا اُسے زندگی کے خوش و ناخوش انقلاب سے چارہ نہیں، زبان کو بھی اس مرحلہ سے ہوکر گذرنا پڑتا ہے، خاصکر جبکہ اور اور زبانوں اور نئے نئے اندازوں سے ہر وقت کا سابقہ رہنے لگے، کیونکہ زبان پیدا ہوکر کہیں بند نہیں رہ سکتی یہ وہ چشمہ ہے کہ چشمہ سار سے اُبلا جدھر رستہ پایا بہ نکلا خس و خاشاک پاک و ناپاک جو سامنے آیا ملتا چلا گیا، چشمہ ہر جگہ وہی چشمہ ہے لیکن یہاں وہاں میں فرق ہوگا، جو عذوبت و صفائی سر چشمہ پر ہوگی وہ کہیں نہ ہوگی۔ گنگا ہر جگہ گنگا ہی، مگر جو بات ہری دوار میں ہی وہ کہیں نہیں۔

زبان کا بھی ایک ایک مخرج و مرکز ہوتا ہے جہاں کی بول چال صاف ستھری، مسلم و معیار ہوتی ہی مرکز سے دور و نزدیک لوگ اُس زبان کو بولتے ہیں، اُس میں شعر کہتے ہیں مگر نگاہ مرکز اور مرکز کے زبان کی طرف رہتی ہی کہ اپنی زبان معیار سے گری تو نہیں۔ وضع قطع، طور طریق، رنگ ڈھنگ میں فرق تو نہیں آیا۔ اسی تتبع کی بدولت باہمہ نیرنگی زبان میں یک رنگی رہتی ہی۔

اُردو کا اولین مرکز اور مسلم معیار دہلی اور دہلی والوں کی زبان ہی، ایسے غبرے کی نہیں

جو اُجڑی اور اُجڑ کر بسی ہوئی دلّی میں ادھر اُدھر سے آکر آ بسے ہیں، بلکہ اُن کی زبان جن کے
گھروں اور گہواروں میں پلی اور پل کر جوان ہوئی گفتارِ بیخود وہی زبان ہے اور اُردو
اور دلّی دونوں کو اس امر پر ناز ہونا چاہیئے کہ شاعرِ مستند منشی سید وحیدالدین احمد صاحب بیخود سلمہ کی
ٹکسالی زبان اور حالی بیان ہے جن کا علم و فضل مسلّم جن کی خاندانی وجاہت و سیادت کے
طغرا پر شاہی سے اب تک وزارتیں اور امارتیں عزت کے صاد کرتی چلی آئی ہیں۔ جن کی
شاعری نے فصیح الملک داغ دہلوی کی استادی کے سایہ میں تربیت پائی۔ اہلِ نظر نے
انہیں استاد کا رشید ترین شاگرد اور اکابرین دہلی نے جانشین مانا۔ برادرِ داغ مرزا
خورشید عالم بہادر نے سر پر دستارِ خلافت باندھی، بھری مجلس نے مبارکباد دی
الحق گفتارِ بیخود محاورے کی جان اور غزل کا ایمان ہے، بیان کا ڈھنگ وہی داغ کا
کھلتا ہوا رنگ ہے، ساخت سے دور بیساختگی سے معمور ہے، دیوان نہیں، زبان کی
صفائی، مطالب کی خوش ادائی کا دفتر اور الفاظ کی خوبی، بندش کی خوش اسلوبی کا
مسطر ہے، متانت اُس کی سلاست پر لوٹ ہے، اور نزاکت و لطافت اس پر قربان۔
اس کے چھبتے لفظ کھٹکتے فقرے، حسن و عشق کے ناز و انداز ہیں۔ مضامین جذباتِ مجاز
کا عکس ہیں یا معارف حقائق کا پرتو، غرض دیوان طرزِ قدیم کی تازہ یادگار ہے،
اور راہروانِ عرصۂ جدت کے لئے رہنمائے گفتار کہ جدید افکار و خیالات، طرز و انداز کی رد
میں آکر زبان کی شاہراہ سے دور نہ ہوں۔ اُمید ہے کہ قدامت پرست اس دیوان کو
ذوق شوق کی نگاہوں سے دیکھیں گے اور جدت پسند اس سے خوش نوائی اور خوش
ادائی کے انداز سیکھیں گے۔

تقریظ و تاریخ از رشحۂ خامۂ اعجاز رقم مشکیں قلم سخنور لبذیر معدن خلق عظیم ناظم شیریں بیان عالیجناب کنور بدری کرشن صاحب فروغ تلمیذ جناب شیوا زبان مرزا ہرگوپال تفتہ سکندرآبادی

بیخودیٔ خویش را نازم کہ خود را از خودی می پردازم ؎ انانکہ بہ بزم قال بیخود گشتند، در مجلس وجد و حال بیخود گشتند، رستند ز بند دہر و با جوش نشاط، بر قدرت ذوالجلال بیخود گشتند۔ خامہ را کہ بیراہہ پوی و بی پروا خرام است چہ یارا کہ بانکشاف کشف کشاف حقیقی پے برد۔ رونق بہار گلزار جہاں کہ در نظر داشتنش مقصود نظارگیانست و خوبی خیابان لالہ زار جہاں کہ تماشائش مطلوب وجود موجود جہانست از وست کہ نگہ را از تار نظر بسرود سرائی توصیفش مذاق تار طنبور در بر دیدہ دماغ را از خیال ترنم سرائی او صافش صدائے زنگولہ نوازی در سر ؎

سرود نغمہ ہائے معرفت دارد چو دریائی	صدائے نغمہ قلقل کہ من اندر گلو دارم

دہان معشوقان زمان باظہار فضایش در غنچہ گردیدن، و زبان محبوبان جہاں باوصاف بہار حیرت افزایش پابدامن از زدوائے سوسن کشیدن، چشم زمانیان بامید استماع جمالش ہمہ تن در امید گوش گردیدن و گوش جہانیان باشتیاق تماشائے بہارش باستعارہ چشم در سخن سنجیدن ہمانا گلزاریست ہمیشہ بہار و بہاریست ہمیشہ گلزار، روضہ رضوان بہ پرستاریش خط غلامی بسر کشیدہ و گلزار فرخار بجاروب شعاع آفتاب خارہا از خیابانش فروچیدہ، چشم خیال و خیال چشم جہاں از خیال چشم رسیدنش سپند برآتش دل فروختہ، حسن و جمال و جمال حسن گلرخان جہاں بقربانی حسن و جمالش از سویدائے دل نقد درکیسہ اندوختہ آسمانیان بہوائے گلچینیش مشتاق بیاض ذہیر چرخ بتحریر و توصیف برگ درختانش پراگندہ اوراق گلزارے کہ

مقصود نظارگیان از دو آشناست و خیابانے که بخوبی خیابان جنان همراز و هم نواست همین است
که پیش نظر داشته ایم و تحریر توصیف رنگ بویش قلم برداشته نامش گفتار بیخود است
که از نتایج طبع وقاد مولانا سید وحید الدین احمد صاحب بیخود دهلوی سخن سنج و سخندان عالی خیالست
که جانشین حضرت نواب فصیح الملک بهادر میرزا خان داغ دهلوی است که تحریر توصیفش زبان
ملائک چرخ گنگ لال است ؎

ملائک بر فلک سازند تعظیم خیال او — گل خورشید بر دستار فرق فرقدان بینی
چو حرفے از مضامینش به پرواز بلند آید — بنوک خامه اش عنقائے معنی را نشان بینی
صریر خامه اش چون نعره از ناله برآرد — حساب خفتگان گور در سود و زیان بینی
ز صدر و ابتدا و از عروض و ضرب نظم او — نظام عنصر جسم عروس اندر جهان بینی

تا این گلشن بیخار همیشه بهار آفتاب چهره خویش را از سرادق رعنائی بجلوه بر آورده متاع صبر
از کیسه دل نظارگیان بغارت برده آفتاب از غایت شوق نظارش چشم بر رخ کشاده
و از جوش اضطراب و انتظار جمال جهان آرایش نعل در آتش افتاده سوسن ده زبان گلزار
جنان و سخن طرازی اوصافش رطب اللسان ست و نرگس بیمار به آرزوئے دیدارش از غایت
اشتیاق چشم باز و حیران ست سطورش با سطور ابروئے مهرخان همراز است و بین السطورش
با چهره آتشین خورشید جبینان دمساز هر نقطه اش با نقطه خال محبوبان در ناوک افگنی و هر
حرفش با صاد چشم معشوقان در چشمک زنی - الفاظ مسلسلش با زلف کشاده مویان همسر و
مضامین نازکش نزاکت ناز خوبان دلبر تا ماه سپهر به معیت خوبان ثوابت و سیاره و مهر ضیابخش
دهر به جمعیت نازنینان دوازده برج در رفتار است و خامه سیاه جامه فروغ هیچمدان در
توصیف خیالات مصنف در گفتار این گلشن بیخار از صواد چشم حاسدان بر کنار باد و بهار

بیخزان جناں برخندہ، گلرویانِ معانی ہائے پنہانش قربان ونثار بادے

مصنف را چہ می پرسی نشانش را چہ می جوئی
با یران نام او شنوی بہندوستاں نشاں بینی

کمال پایہ او تا کجا باشد کہ در مدحش
فروغ نکتہ داں شیریں بیاں تر زباں بینی

قطعہ تاریخ

کلام جانشین داغ شد طبع
پدید آمد نشان شان بیخود

زبانِ اُردو از سر زندہ گردید
باہل ہند صد احسان بیخود

فروغ آوردہ گلہائے معانی
شگفتہ شد ہوای بستان بیخود

پے آغاز طبعش گر بگوئی
کہ نادر طبع شد دیوانِ بیخود ۲۳ ہجری

ہم از تکمیل طبعش جویم ایں سال
کہ بستان سخن دیوانِ بیخود ۱۳ ۱۶ ۱۹ عیسوی

تقریظ طبع زاد صاحبزادہ عالی نژاد شہسوار میدان فصاحت والا رفعت عالیجناب نواب محمد شبیر علی خاں صاحب بہادر خلف اصغر ہز ہائینس نواب کلب علی خاں صاحب بہادر خلد آشیاں تلمیذ حضرت داغ و مصنف

شب کو بیٹھا ہوا تھا میں تنہا
اور دیوان داغ سامنے تھا

آخر اُس کو اُٹھا لیا میں نے
دیکھنے کو جو وا کیا میں نے

لفظ ہر ایک لاجواب ملا
جو ملا شعر انتخاب ملا

اُس میں ایک ایک ایسا مصرع تھا
کہیے جس پہ لاکھ شعر فدا

دل کبھی بندشوں نے تڑپایا
کہیں مضمون نے غضب ڈھایا

وہ زباں کی کہیں صفائی تھی
آب کوثر سے دُھل کر آئی تھی

رنگ ایسا زبان کا تھا عیاں
چوم لیتے دہن کو اہل زباں

ایسا دیکھا نہیں بشر کا کلام — یا تو القا تھا یا یہ تھا الہام
وصل کا تذکرہ اگر دیکھا — دل میں اک ولولہ ہوا پیدا
ہجر کا آگیا جہاں مضموں — کر دیا اُس نے دل کا حال زبوں
تذکرہ بادہ نوش کا دیکھا — حال مستوں کے جوش کا دیکھا
بعد اُس کے مجھے بندھا یہ خیال — ہوگیا ہائے شاعری کا زوال
لٹ گیا شاعری کا باغ بھرا — شاعری مرگئی نہ داغ مرا
ایکسا فن مٹ گیا زمانے سے — یہ ہوا ایک جان جانے سے
کون ہے اب جو وہ زباں پائے — کس طبیعت میں رنگ وہ آئے
درد وہ کس کے شعر سے ہو عیاں — جو رہے عاشقوں کے وردِ زباں
کس کا ایسا کلام ہو رنگیں — جس کو سُن سُن کے لوٹ جائیں حسیں
کس کے اب شعر ہوں زبانوں پر — کس کا اب ہو اثر جوانوں پر
کان مشتاق اب ہیں کس کے — چُلبُلے شعر اب سُنیں کس کے
اسی اُلجھن میں تھے بجا نہ حواس — یاد تک بھی رہی نہ میرے پاس
اسی افسوس و رنج میں میں تھا — کہ طبیعت نے میری مجھ سے کہا
کیوں پریشاں ہے یاد ہے کہ نہیں — بیخود دہلوی وحید الدیں
داغ ہی نے اُسے بنایا ہے — داغ کا رنگ اُسمیں آیا ہے
داغ کی شوخی اُسمیں آئی ہے — داغ کی سی زبان پائی ہے
داغ نے اُس پہ کی بڑی محنت — داغ سے اُس کو یہ ملی دولت
داغ کی سی رواں طبیعت ہے — داغ ہی کی سی اُسمیں جدت ہے
داغ ہی نے اُسے سکھایا فن — داغ کا اُس سے نام ہے روشن
داغ کا دوسرا مزاج ہے وہ — داغ کا جانشین آج ہے وہ
میں یہ بولا کہ جانتا ہوں میں — اُن کو اُستاد مانتا ہوں میں
لیکن افسوس ہے تو ہے اتنا — نہیں ظاہر کلام بیخود کا

لعل ہو کان میں تو کیا ہو قدر ‏ ‏ ‏ ‏ چمکے خورشید کیا اگر ہو ابر
حسن کیا حسن جس کا پردہ ہو ‏ ‏ ‏ ‏ زر وہ کیا زر جو زیب کیسہ ہو
جو ہو پوشیدہ وہ کمال ہی کیا ‏ ‏ ‏ ‏ جو نہ ہو بدر وہ ہلال ہی کیا
وہ سخی کیا ہے جس کا نام نہیں ‏ ‏ ‏ ‏ فیض وہ کیا جو فیض عام نہیں
ابر کیا جو کہیں نہیں برسے ‏ ‏ ‏ ‏ کیا وہ چشمہ جسے ہر اک ترسے
ایسا شاعر فصیح شوخ بیاں ‏ ‏ ‏ ‏ ایسا نازک خیال ایسی زباں
ایسا مشّاق ایسا کامل فن ‏ ‏ ‏ ‏ ایسا رنگیں کلام تازہ سخن
نغز گو ایسا گرم یہ اشعار ‏ ‏ ‏ ‏ ایسا فہمیدہ و ذکی ہشیار
ایسی طبع رواں یہ فکر رسا ‏ ‏ ‏ ‏ ایسی بندش یہ طرز کیا کہنا
ایسی آمد بلند ایسی نظر ‏ ‏ ‏ ‏ ایسی تاثیر یہ بلا کا اثر
اُس کے مضموں نئے نکلتے ہیں ‏ ‏ ‏ ‏ اُس کے سانچے میں شعر ڈھلتے ہیں
جو ہے مصرع وہ نوک نشتر ہے ‏ ‏ ‏ ‏ شعر جو ہے وہ تیز خنجر ہے
وصل کے ذکر سے کہیں دل شاد ‏ ‏ ‏ ‏ ہجر کے نام سے کہیں فریاد
ظلم معشوق کا کہیں رونا ‏ ‏ ‏ ‏ مہر دل بر سے خوش کہیں ہونا
رشک دشمن کی ہیں کہیں چھریاں ‏ ‏ ‏ ‏ کہیں دل کے نکلتے ہیں ارماں
ناز و انداز کی کہیں تصویر ‏ ‏ ‏ ‏ کہیں خنجر نگہ ادا شمشیر
کہیں ہوتی نہیں ہے رات بسر ‏ ‏ ‏ ‏ کہیں یہ خوف ہے کہ ہو نہ سحر
کہیں کاغذ سیاہ ہوتے ہیں ‏ ‏ ‏ ‏ کہیں قاصد تباہ ہوتے ہیں
کہیں خنجر گلے پہ چلتا ہے ‏ ‏ ‏ ‏ کف افسوس کوئی ملتا ہے
کہیں فصل بہار کی لہریں ‏ ‏ ‏ ‏ کہیں لبریز مے سے ہیں نہریں
کہیں گل فصل گل دکھلاتے ہیں ‏ ‏ ‏ ‏ کہیں جھونکے خزاں کے آتے ہیں
کہیں محفل کہیں ہے غم خانہ ‏ ‏ ‏ ‏ کہیں گلشن کہیں ہے ویرانہ
در دلدار دیکھا بند کہیں ‏ ‏ ‏ ‏ دل کو تھامے ہے دردمند کہیں

کوئی طالب فراق میں بیہوش
کوئی مطلوب سے ہے ہم آغوش

کوئی واعظ سے بحث کرتا ہے
کوئی ناصح کو نام دھرتا ہے

کوئی خوش حال ہے خراب کوئی
کوئی ناکام کامیاب کوئی

جس کا دیوان ایسا کان سخن
جس کے اشعار ایسے جان سخن

جس کی طالب ہزار ہا جانیں
جس کو اُستاد آج سب مانیں

رکھی جائے چھپا کر ایسی شئے
جائے افسوس ہے تعجب ہے

رہے الماریوں میں پوشیدہ
رکھے رکھے ہو گھر میں بوسیدہ

قدر گوہر نہیں سمندر میں
جنس بیکار ہے دھری گھر میں

آئے بازار اہل محفل میں
ٹوٹیں گاہک وہ گھر کرے دل میں

کس کے آگے زباں پہ ہم لائیں
کون سُنتا ہے کس کو سمجھائیں

میں طبیعت سے کہہ رہا تھا یہی
کہ خبر میرے پاس تک پہنچی

پاس آکر کیا ادب سے سلام
مُسکرا کر کیا یہ مجھ سے کلام

تذکرہ تھا ابھی ابھی جس کا
ہے اُسی نے مجھے یہاں بھیجا

کیجئے غم نہ اُس کی غفلت کا
اب نہ موقع رہا شکایت کا

اپنا دیوان اُس نے چھپوایا
اور ہے آپ سے یہ فرمایا

تم بھی تقریظ کوئی لکھ بھیجو
قطعہ تاریخ ہو جو کچھ بھی ہو

ہوئی یہ سُن کے انتہا کی خوشی
شکر کرنے لگی زباں میری

دوسری یہ خوشی ہوئی حاصل
مجھ کو سمجھا گیا کسی قابل

مجھ میں اتنی کہاں لیاقت ہے
صرف بہزاد کی یہ عنایت ہے

ورنہ میں کیا ہوں کیا مری تحریر
چیز ہی کیا ہیں حضرت شبیر

اُس کو اشعار بھیجنے لے تو
ہے دکھانا چراغ سورج کو

اور پھر اُس پہ اس قدر تعجیل
کی فقط میں نے حکم کی تعمیل

تمام شد

اطلاع

جس نسخہ پر مصنّف کے قلمی دستخط نہ ہوں گے
وہ مال مسروقہ سمجھا جائیگا

ملنے کا پتہ

حاجی سیّد وحید الدین احمد صاحب بیخود
جانشین حضرت فصیح الملک بہادر داغ دہلوی مرحوم
دہلی ٹیا محل

محصول ڈاک بذمہ خریدار